مسٹر ولفرڈ کینٹول سمتھ کے مضمون

"احمدیہ تحریک"

پر

"تبصرہ"

تاریخ اشاعت ——— ۱۵ جنوری سنہ ۱۹۶۰ء

النّاشر

مہتمم نشر و اشاعت نظارت اصلاح و ارشاد انجمن احمدیہ ربوہ

تعداد اشاعت ایک ہزار

قیمت ایک روپیہ بارہ آنے

مملوکہ

سلطان احمد ظفرؔ

قادیان دارالامان

تبصرۃً و ذکریٰ لکل عبد منیب (ق)

احمدیہ تحریک

پر

تبصرہ

بجواب ملک جعفر خاں صاحب ایڈووکیٹ

مصنفہ

قاضی محمد نذیر فاضل لائل پوری سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ

ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تعارف

ملک جعفر خان صاحب ایڈووکیٹ کی کتاب احمدیہ تحریک کے متعلق بعض احباب کی خواہش تھی۔ کہ اس کا مفصل جواب لکھا جائے۔ کیونکہ اس کتاب میں ملک صاحب نے احمدیت کی مخالفت میں ایک جدید نظریہ پیش کیا ہے کہ دورِ عقل شروع ہونے پر الہام، وحی اور شریعت قرآنیہ کی ضرورت باقی نہیں۔ انسان زندگی کے دوراہے پر اپنی آزاد عقل سے اپنے لئے نشان راہ خود متعین کر سکتا ہے۔ اس کتاب کا مقصد بہت گہرا ہے۔ کیونکہ اس میں احمدیت پر اعتراضات کے پردے میں درحقیقت مسلمانوں کو الحاد کی دعوت دی گئی ہے۔ چونکہ نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے اس کا تریاق مہیا کیا جانا ازبس ضروری تھا۔

اسلئے

نظارت ہذا نے اس پر جامع تبصرہ کی خدمت مکرم قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائل پوری کے جو سلسلہ احمدیہ کے معروف اہل قلم ہیں سپرد کی۔ قاضی صاحب نے نرم سے نرم زبان میں دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ اس کتاب پر ایک دلچسپ مبسوط اور جامع تبصرہ لکھا ہے جسے ہمارا صیغہ نشر و اشاعت شائع کر رہا ہے

دوستوں کو چاہیئے

کہ اس کتاب کو خود بھی پڑھیں اور نوجوانوں کو بھی پڑھائیں۔ اور دوسرے دوستوں میں بھی تقسیم کریں۔ تاکہ وہ ملک جعفر خاں صاحب کی کتاب کے خلافِ اسلام اور بُرے اثر سے محفوظ رہیں۔

مرزا شریف احمد

ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد۔ ربوہ

فہرست مضامین کتاب احمدیہ تحریک پر تبصرہ

صحت نامہ

باوجود کوشش سے کتاب ہذا میں کتابت کی بعض معمولی اغلاط رہ گئی ہیں جن کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ اہم غلطیاں جن پر نشان ح ڈالا گیا ہے کتاب پڑھنے سے پہلے اپنے قلم سے درست فرمائیں

صفحہ	سطر		صحیح الفاظ
۴	۱۰		غافل
۶	۹		کشتی نوح (تعلیم)
۱۲	۱۳		بہی خواہ
۱۴	۶		تقابل
۱۶	۱۴		نکتہ چینی
۲۳	۶		قطبی
۲۳	۱۵		آپ
۲۹	۱۹	ح	مقاطعہ
۳۴	۲		ایڈووکیٹ
۳۴	۱۵		منافی
۳۹	۱۸		احمدیت میں یہ زمانہ
۴۱	۷		نہیں
۴۹	۶		مستقبل
۵۳	۱۴		ظنون
۵۳	۱۸		فرضیت
۵۹	۵	ح	کوشش نہیں کی۔
۶۲	۵	ح	ایسی خبر، جس کا پتہ
۶۳	۱۸		کرتے چلے
۷۱	۹		دوسرا تحقیقی
۷۱	۱۵		چکڑالوی

صفحہ	سطر		صحیح الفاظ
۷۳	۱		تعامَل
۷۳	۱۷		ہمیں تعامِل امت
۷۶	۱۷		اعتراض
۷۶	۱۹		پُوری اترتی ہے۔
۸۰	۱۲	ح	کہ اگر (کہ زائد ہے)
۸۵	۱	ح	تعمیلُ وَ
۸۷	۴		ناپے
۹۷	۱۰	ح	جہاں کی بجائے ہاں پڑھیں
۱۰۲	۱۵	ح	"اگر" کی بجائے "کہ" سمجھیں
۱۰۳	۳		پچھلی دس آیتیں۔
۱۰۵	۱۴		تو ان دونوں
۱۱۱	۱۰		محفوظ ہونے
۱۲۱	۴		تعریف
۱۲۱	۷		گنجائش
۱۲۷	۱۹		بھی
۱۲۸	۲		چالیس
۱۲۹	۱۰		ارتقاء
۱۳۰	۱۳		تعبیر کیا جاتا ہے
۱۴۱	۳		مضرّ ہوتے
۱۴۶	۱۷		درخت

صفحہ	سطر	صحیح الفاظ
۱۴۶	۱۸	جس کی
۱۵۲	۱۸ ح	غیر المغضوب
۱۵۲	۱۹	دو گروہ ہوں
۱۵۶	۱	رہیگا کے بعد "جو انہیں برا عذاب پہنچاتے رہیں گے"
۱۶۵	۱۳	مندرجہ ذیل کی تفسیر میں
۱۶۸	۱۹	یتیموں
۱۷۸	۱۹	بستر سے
۱۸۱	۱۱	عوارض بدنیہ
۱۸۲	۱۱ ح	پچھو ملاقات
۱۸۸	۳ ح	اسکے بعد الحاجز کو ایک سخت بیماری آئی
۱۸۹	۱۱	عُقبیک
۲۰۶	۱۳ ح	ٹکشف
۲۱۱	۱۱ ح	زمین جس کا حق
۲۱۷	۳ ح	اِمْرَءَۃً
۲۱۸	۱۹	مگر اس کام
۲۲۶	۶	مذکورہ حالات
۲۲۷	۷ ح	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے
۲۳۵	۵ ح	کہہ بجائے کہ
۲۳۹	۱۱ ح	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
۲۴۴	۱	مان لیا تھا
۲۵۷	۱	دیتے ہیں ۔
۲۶۱	۱۰	ہنی بھی
۲۶۳	۶	بھی
۲۶۳	۱۴ ح	معطل کرے
۲۶۳	۱۷	جو شہریت
۲۶۹	۱	طنز و تمسخر
۲۷۷	۱۶ ح	وانکا ایک امام اس امت سے ہوگا
۲۸۱	۱	جو شرط
۲۸۶	۳ ح	علامات سوالیہ ؟ حذف سمجھیں اور درست نہیں کے آگے ۔ درمیانے لفظ کو پہلے کہ "پڑھیں
۲۹۶	۹	کیفیت متنبہ
۲۹۷	۱۵ ح	غرض اس حالت کثیر
۳۱۸	۴ حاشیہ	پوسٹ والی سطر کے آخری الفاظ
۳۲۱	۳ ح	لازم ہو جاتا ہے
۳۲۳	۱۶ ح	ارتقائی
۳۲۶	۸	متحقق
۳۲۷	۱۴	گو اس کے لئے
۳۳۸	۱۴	ان حالات نے
۳۴۰	۷	غلطی کی وجہ تو مرزا صاحب
۳۴۳	۱۸	مورد وحی الٰہی
۳۴۸	۶	نذیر و مبشر
۳۵۲	۲۰	کہ وہ حضرت اقدس
۳۵۵	۱۶	انسانی ذہن
۳۵۶	۴	تفصیلی احکام
۳۶۴	۳	نظریہ
۳۷۳	۱۲ ح	بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ ذَالِکَ ھُوَ الْفَوْزُ
۳۷۹	۱	اس عالم
۳۸۵	۱۲ ح	کیونکہ اس جگہ درجہ میں معیت

[illegible]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْد

پیش لفظ

ملک محمد جعفر خاں صاحب ایڈووکیٹ کی کتاب "احمدیہ تحریک" جو اس وقت ہمارے زیر تبصرہ ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ملک صاحب موصوف احمدی نوجوانوں سے ایک خط کی صورت میں خطاب کرتے ہیں۔ اس حصہ میں زیادہ تر احمدیت کی موجودہ تنظیم پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔ اور احمدی نوجوانوں کو تنظیم کے خلاف اُبھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں احمدی نوجوانوں کے لئے احمدیت کے عقائد زیر بحث لائے گئے ہیں۔ اور انہیں خلافِ اسلام ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ حصۂ کتاب ملک صاحب نے ایک خاص تکنیک سے لکھا ہے اصل غرض اس حصہ سے یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ احمدیت پر اعتراضات کے پردہ میں مسلمانوں کے دل میں یہ خیال جاگزین کیا جائے۔ کہ موجودہ دورِ عقل میں قرآن و حدیث کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اب عقل انسانی ایسی پختہ ہو گئی ہے کہ ہمارے لئے صرف عقل کی راہ نمائی ہی کافی ہے۔ مذہب کا سہارا نوعِ انسانی کے دورِ طفولیت سے متعلق تھا۔ اور یہ کہ موجودہ دور میں مذہب کی عدم ضرورت کا احساس

علامہ اقبال نے دلانے کی کوشش کی ہے۔ ہر صاحب بصیرت مسلمان ادنے تامل سے ان کی اس فنکارانہ کارروائی کو محسوس کر سکتا ہے۔ چنانچہ علمائے اسلام نے اس کتاب کے شائع ہوتے پر ایک بڑے پوسٹر کے ذریعہ ان کی اس حقیقت کو طشت از بام کر دیا ہے اور مسلمانوں کو اس کتاب کے زہریلے اثر سے بچانے کی خاطر اس کے مطالعہ سے روکا ہے۔ گو ہم اس طریق سے اتفاق نہیں رکھتے۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ بعض اور تعلیم یافتہ مسلمان نوجوان بھی ان جیسے خیالات رکھتے ہوں۔ اس لئے ہمارے نزدیک ضروری ہے۔ کہ ہمدردی محبت اور پُر زور دلائل سے اس کا تریاق مہیا کیا جائے۔ تا مسلمان نوجوان عقاید اسلام کے بارے میں ان غلط فہمیوں سے محفوظ ہو جائیں۔ جو ملک صاحب موصوف نے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اسلام جو دنیا کی روحانی پیاس بجھانے کے لئے آخری اور کامل دین ہے مسلمانوں کا نوجوان طبقہ اس کی تعلیم کے موجودہ دور میں ناکافی ہونے کے وہم میں مبتلا نہ ہو جائے۔ ہم نے اس تبصرہ میں دونوں حصّوں کا جواب الگ الگ دو حصّوں ہی میں دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں اہم اور ضروری مباحث کو سپرد قلم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں احمدی تنظیم پر نکتہ چینیوں پر تبصرہ ہے اور دوسرے حصہ میں عقائد زیر بحث لائے گئے ہیں۔ امید ہے کہ مذہب سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے لئے ہمارے تبصرہ کا مطالعہ انشاء اللہ العزیز مفید ثابت ہوگا۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

جماعت احمدیہ کی تنظیم پر نکتہ چینیوں کا جواب

تنظیمی پابندیاں

ملک محمد جعفر خاں صاحب کے نزدیک احمدیہ جماعت کی تنظیم میں بعض خرابیاں ہیں۔ جن میں سے ایک خرابی ان کے نزدیک یہ ہے۔ "اس وقت احمدیت مذہب کم ہے اور جماعت زیادہ ہے۔" (احمدیہ تحریک صٓ۳۲)

یعنی احمدیت میں تنظیم کو مذہبی امور پر ترجیح دی جاتی ہے۔ وہ احمدی نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"تم جانتے ہو۔ کہ بہت سے احمدی نوجوان باقاعدہ نماز نہیں پڑھتے بعض ایسے بھی ہیں جو بالکل نہیں پڑھتے۔ یہ سب لوگ جماعت کے لئے قابل برداشت ہیں۔ کم از کم میرے علم میں کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ کسی شخص کو نماز ترک کرنے کی وجہ سے جماعت سے نکال دیا گیا ہو۔ لیکن اگر کسی کے متعلق یہ اطلاع آجائے کہ اس نے غیر احمدیوں کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ تو اس شخص کو فوراً جماعت سے خارج قرار دیا جائے گا۔ یہ ایک ایسا بدیہی معاملہ ہے کہ اس کے لئے کسی باقاعدہ اعلان کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ اس شخص کا یہ فعل ہی جماعت سے قطع تعلق کے لئے کافی ہوگا۔ یہی صورت جنازہ کی ہے۔" (احمدیہ تحریک صٓ۲۲-۲۳)

"مسلمانوں کے لئے صرف مشرکین سے نکاح کرنا ممنوع ہے۔ لیکن اس کے برعکس احمدیوں کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ کہ وہ ازدواجی تعلقات

صرف اپنی جماعت کے اندر ہی محدود رکھتیں"۔ (احمدیہ تحریک ص ۲۱-۲۲)

ملک صاحب کا یہ اعتراض درست نہیں۔ تعجب ہے ایک عرصہ تک جماعت میں رہتے ہوئے انہوں نے جماعت کے طرز عمل سے واقفیت حاصل نہیں کی اور اپنے ایک موہوم خیال کو بدیہی امر قرار دے دیا ہے۔

جماعت کی تنظیم کی اصل غرض تو مذہب اسلام کی اقامت، اس کا احیاء اور اشاعت ہے۔ اور تنظیم اور مذہب دو متضاد امر نہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ ہاں چونکہ کسی تنظیم میں شامل ہونے والے سب کے سب اپنے اعمال میں ایک ہی سطح پر نہیں ہوتے۔ اس لئے احمدیوں میں بھی بعض عملی لحاظ سے سست اور کمزور وجود پائے جا سکتے ہیں۔ مگر جماعت ان کے اعمال سے غافل نہیں۔ اعمال میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے جو طریق کار اسلام نے سکھایا ہے وہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی نظام کے اندر رکھ کر ہی تربیت کی جائے۔ چنانچہ ہماری جماعت میں روحانی حالت کو قائم رکھنے اور عملی حالت میں کمزور لوگوں کی اصلاح کے لئے بڑی عمر والوں کے لئے "انصار اللہ" کی تنظیم۔ نوجوانوں کے لئے "خدام الاحمدیہ" کی تنظیم۔ مستورات کے لئے "لجنہ اماء اللہ" کی تنظیم۔ بچوں کے لئے "اطفال الاحمدیہ" کی تنظیم اور بچیوں کی تربیت کے لئے "ناصرات الاحمدیہ" کی تنظیم الگ الگ قائم ہے۔ جماعت نے یہ اندرونی تنظیمیں اسی لئے قائم کی ہیں کہ سب احمدی مرد، عورت اور چھوٹے اور بڑے اپنے اندر حقیقی اسلامی روح پیدا کریں۔ اور اپنی عملی قوت کو بڑھائیں۔ ان تنظیموں میں کمزوروں کی تربیت

بھی کی جاتی ہے - اور ان کے اعمال کا محاسبہ بھی ہوتا ہے - اور نفسیاتی لحاظ سے جو طریقے اسلام نے انسان کی اصلاح کے لئے سکھائے ہیں - ان پر حتی المقدور عملدرآمد کیا جاتا ہے - تا عملی لحاظ سے سب افراد جماعت ممکن حد تک ایک سطح پر آجائیں - بعض تنظیمی معاملات میں شدید محاسبہ بھی کوئی قابل اعتراض امر نہیں - کیونکہ تنظیمی معاملات میں خود سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ کے اندر شدید گرفت بھی کی ہے - چنانچہ غزوہ تبوک میں شامل ہونے سے جو لوگ رہ گئے - اور انہوں نے صفائی سے اعتراف کر لیا - کہ انہیں کوئی عذر درپیش نہ تھا - ان کو ایک عرصے کے لئے مقاطعہ کی سزا دی گئی - جس کا ذکر خود قرآن مجید میں موجود ہے - لیکن جنہوں نے پیچھے رہ جانے کے بارہ میں ناواجب عذرات تراشے - ان سے کوئی تعرض نہ کیا گیا نہ انہیں جماعت سے علیحدہ کیا گیا اور نہ مقاطعہ کی سزا دی گئی -

ملک صاحب کو تعجب ہے - کہ آپ کو جماعت میں بعض نماز نہ پڑھنے والے تو نظر آگئے - مگر جماعت میں ایک لمبا عرصہ رہنے کے باوجود قوم کے وہ نوجوان اور بزرگ نظر نہیں آئے جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر اسلام کی ترقی اور بہبودی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع و خضوع سے گڑگڑاتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں - احمدیت محض کوئی نام نہیں بلکہ یہ تو دراصل اسلام کی اشاعت کی تڑپ رکھنے والوں اور اس کے لئے عملی جدوجہد میں حصہ لینے والوں کا ایک امتیازی نشان ہے - اگر کوئی احمدی کہلانے والا نمازوں میں

بے قاعدہ ہو یا بالفرض بے نماز ہی ہو تو بیشک وہ ان صفات سے عاری ہوگا جو ایک سچے اور مخلص احمدی کا طرۂ امتیاز ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم مندرجہ "کشتی نوح" کی روشنی میں وہ اپنے عمل کے لحاظ سے خود ہی آپ کی جماعت سے خارج ہوگا۔ گو اسے اعلان کے ذریعہ خارج نہ کیا جاتا ہو۔ ایسے اعلان کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ کیوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرما چکے ہوئے ہیں:۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تعلیم

"جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا۔ نہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔" (کشتی نوح صـ)

ایسے لوگوں کو کسی جدید اعلان کے ذریعہ جماعت سے اس لئے نہیں نکالا جاتا۔ کہ اعمال میں ایسے کمزور آدمی سے جس کے عقائد تو درست ہوں اور وہ جماعت کی تنظیم کے خلاف باغیانہ روح کا مظاہرہ بھی نہ کرے۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی وقت ضرور اپنی اصلاح کی طرف مائل ہو جائے گا۔ بشرطیکہ صحیح تربیت سے اس میں مذہب پر عمل کے لئے سچا جذبہ پیدا کر دیا جائے۔ سو ایسے آدمی کی وعظ و نصیحت اور ترغیب و ترہیب سے ہی تربیت ضروری ہوتی ہے۔ کیوں کہ تنظیم ایسے شخص کی اصلاح سے قطعی مایوس نہیں ہوتی۔

کسی شخص کو تنظیم سے الگ کرنا تو ایک انتہائی اقدام ہے۔ اور وہ بھی صرف تین اغراض کے لئے کیا جاتا ہے۔ ایک اس لئے کہ اس سے وہ شخص ندامت

محسوس کر کے اپنی اصلاح کرلے۔ اور دوسرے اس لئے کہ اس کا تنظیم کیخلاف باغیانہ اقدام جماعت کے اندر رہنے کی وجہ سے بعض دوسرے کمزوروں کے لئے انتظامی پابندیوں کو توڑنے کے لئے بہانہ نہ بن سکے۔ تیسرے اس لئے کہ اس کی باغیانہ روح بظاہر ہماری جماعت کی طرف منسوب ہو کر جماعت کیلئے کسی فتنہ کا باعث نہ ہوں۔ گویا جماعت سے صرف فتنہ پرداز اور باغی کو الگ کیا جاتا ہے۔

مذہب سے نکالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

یہ اعتراض "کہ اس وقت احمدیت مذہب کم اور تنظیم زیادہ ہے"۔ اس لحاظ سے بھی درست نہیں۔ کہ جہاں تک احمدیت کا تعلق خالصتہً مذہب سے ہے۔ اس سے کسی شخص کو نکالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب تک کوئی شخص خود احمدیت کے عقائد ترک کر کے اس سے الگ نہ ہو جائے۔ اُسے کوئی شخص احمدیت سے نکال نہیں سکتا۔

پس مذہب تو کچھ مخصوص عقائد کا نام ہوتا ہے جن سے کوئی شخص کسی کو الگ نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ ان عقائد کو مانتا رہے وہ خود ہی ان عقائد کو چھوڑ کر اس مذہب سے الگ ہو سکتا ہے۔ البتہ ہماری تنظیم کسی ایسے شخص کو جو اس تنظیم کے خلاف باغیانہ رُوح کا مظاہرہ کرے اپنے دائرہ سے الگ کرنے کی ضرورت محسوس کرتی ہے تاکہ اس شخص سے اگر کوئی نامناسب حرکت سرزد ہو جو ملکی یا جماعتی لحاظ سے فتنہ و فساد کا موجب ہو سکتی ہو۔ تو وہ جماعت کی طرف منسوب نہ ہو۔ اور اس کے ایسے فعل سے جماعت دنیا کی نگاہ میں ملزم و مطعون نہ گردانی جائے۔ ہر ایک تنظیم میں بعض امور کو محض

(پرکھنے) کی خاطر آزمائشی قرار دیا جاتا ہے۔ اور ان کی پابندی کرنے والے کو تنظیم کا سچا حامی سمجھا جاتا ہے۔ اور ان کے خلاف راہ اختیار کرنے والے کو اس تنظیم کے لئے مضر سمجھ کر عضو معطل کی طرح کاٹ کر الگ کر دیا جاتا ہے۔ یہی حال احمدی تنظیم کا ہے۔

مذہبی تنظیم کی حیثیت

مذہبی تنظیم دراصل ایک روحانی شفاخانہ ہوتا ہے۔ اور اس کا سربراہ ایک روحانی طبیب کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح ایک ڈاکٹر مختلف قسم کے جسمانی مریضوں کا علاج حسب حالات مختلف طریق سے کرتا ہے۔ کسی کو دوائی پلاتا ہے کسی کو ٹیکہ لگاتا ہے۔ پھر کسی کو میٹھی دوائی دیتا ہے اور کسی کو کڑوی۔ اور کسی کا اسے اپریشن سے علاج کرنا پڑتا ہے اور کسی کا کوئی عضو جسم کے دوسرے حصہ کو بچانے کے لئے کاٹ کر الگ بھی کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح مذہبی تنظیم کے سربراہ کو بھی جماعت کے اندر مختلف روحانی مریضوں کا مداوا مختلف طریق سے کرنا پڑتا ہے۔ جس طرح ایک ڈاکٹر ہر بیمار کا علاج اس کے بیمار عضو کے کاٹ دینے سے ہی نہیں کرتا یا اُسے لاعلاج قرار دے کر ہسپتال سے خارج ہی نہیں کر دیتا۔ اسی طرح مذہبی تنظیم میں روحانی طبیب بھی ہر روحانی مریض کے علاج کے لئے اس کو جماعت سے عضو معطل کی طرح الگ کر دینا ہی ضروری نہیں سمجھتا۔ بلکہ وہ اس کے علاج کے لئے مختلف طریقے اختیار کرتا ہے۔ اور جب تک کسی کی بیماری لاعلاج نظر نہ آئے یا اس میں ندامت کا احساس پیدا کرنے کے لئے اس کا الگ کرنا ہی اُس کا

روحانی علاج نہ ہو۔ اس وقت تک ایسے روحانی مریض کو جماعت سے الگ کرنے کا قدم نہیں اُٹھانا۔

نماز کی امامت کا سوال

ملک صاحب کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اگر کسی احمدی نے غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ تو اس شخص کو فوراً جماعت سے خارج قرار دیا جائیگا میں ملک صاحب موصوف سے اس جگہ ان کے دعویٰ کا ثبوت طلب کرتا ہوں۔ کہ وہ بتائیں کتنے ایسے احمدی ان کے علم ہیں جو محض اس وجہ سے جماعت سے خارج کئے گئے کہ انہوں نے غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھی۔ یا کسی نے مکفر مکذب مسیح موعود کا جنازہ پڑھا ہے۔ اور ان کے فتنہ پرداز ثابت ہوئے بغیر اس کو جماعت سے الگ کیا گیا ہے۔ ہمارے علم میں تو اس کی ایک مثال بھی موجود نہیں۔

رشتہ ناطہ کا معاملہ

ہاں رشتہ ناطہ کے معاملہ میں تجربہ بتا رہا تھا۔ کہ احمدی لڑکیاں غیر احمدیوں میں جاکر بالعموم سخت روحانی اور ذہنی تکلیف اٹھاتی ہیں۔ اس لئے جماعت کی صنفِ نازک کو اس اذیت سے بچانے کے لئے رشتہ ناطہ میں صحیح کفو کے ساتھ تعلّق ازدواج پیدا کرنے کی پابندی ضروری قرار دی گئی۔ کیونکہ رشتہ ناطہ کا معاملہ صرف شرعی جواز اور عدم جواز سے ہی تعلّق نہیں رکھتا۔ بلکہ اس بارہ میں کفو کا ملحوظ رکھنا بھی شریعت میں ضروری قرار دیا گیا ہے۔

نماز وجنازہ کی پابندی

بالآخر ملک صاحب نے یہ لکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سخت بے انصافی سے کام لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"جہاں تک میں نے غور کیا ہے۔ اسلامی عبادات کے دو بڑے مقصد معلوم ہوتے ہیں۔ ایک انسان کا تزکیہ نفس اور دوسرا مسلمانوں میں جذبات اخوت کو ترقی دینا اور اس ذریعہ سے ان میں فکر وعمل کی یک جہتی پیدا کرنا اکثر عبادات میں اجتماعی صورت پر جو زور دیا گیا ہے۔ وہ دوسرے مقصد کے حصول کے لئے ہے۔ اور یہی پہلو مرزا محمود احمد صاحب کے لئے خطرہ کا باعث تھا"۔ انہوں نے اپنی خلافت کے شروع میں ہی اس خطرہ کو محسوس کر لیا۔ اور اس سے بچنے کے لئے ہی انہوں نے نماز اور جنازہ کے لئے علیحدگی کے احکام جاری کئے"۔

(احمدیہ تحریک صـ۲۳)

ملک صاحب موصوف کو بعد از تحقیقات جماعت سے علیحدہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ مگر ان کی تحقیقات کا عالم یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ان خیالات کا اظہار کرنے میں انہوں نے صریح طور پر بے انصافی کی ہے۔ کیونکہ اس وقت فکر وعمل کی یک جہتی کا آپ سے بڑھ کر کوئی متمنی نہیں ہو سکتا۔ آپ تو چاہتے ہیں کہ ساری دنیا کے فکر وعمل میں یک جہتی پیدا ہو۔ پھر نماز اور جنازہ کے لئے علیحدگی کے احکام بنیادی طور پر آپ کے جاری کردہ نہیں۔ بلکہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے جاری

کردہ ہیں۔ اور نہ ہی اس وقت جاری کئے گئے۔ جب کہ مخالفین علماء نے آپ کے خلاف اور آپ کے ماننے والوں کے خلاف فتاوے کفر اور گالی گلوچ سے ایسی اشتعال انگیز حالت پیدا کر دی تھی۔ کہ احمدیوں کے لئے مساجد میں جانا مشکل ہو گیا تھا۔ علماء کی طرف سے احمدیوں کے جنازوں میں شمولیت حرام قرار دی گئی تھی۔ بلکہ احمدیوں سے سلام و کلام تک ممنوع قرار دی گئی تھی۔ ایسی حالت میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کو مجبوراً جماعت کو ابتلاء اور فتنوں سے بچانے اور پُر امن رہنے اور رکھنے کے لئے منشاء الٰہی کے ماتحت بعض پابندیاں عائد کرنا پڑیں۔ مگر یہ پابندیاں دراصل مخالف علماء کے تشدد کا ردّ عمل ہیں۔ اس کے لئے نہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام ذمہ دار ہیں نہ آپ کے خلفاء۔ یہ وہ حقیقت ہے جس پر ہر محقق اور غیر متعصب مؤرخ ضرور پہنچیگا

ہم مانتے ہیں کہ عبادت کا اوّلین مقصد تزکیہ نفس ہے۔ اور باجماعت نماز کا ایک مقصد اخوت کے جذبات پیدا کرنا بھی ہے۔ لیکن امام الصلوٰۃ کے لئے بھی تو کچھ شرائط ہیں۔ جن کی پابندی اسلام ضروری قرار دیتا ہے۔ انہیں میں سے امام آخر الزمان کی تصدیق بھی ہے۔ اسی لئے جب تک مخالف علماء کی طرف سے تکفیر و تکذیب میں تشدد اختیار نہیں کیا گیا غیر از جماعت امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے متعلق کوئی پابندی نہ لگائی گئی۔

مسیح موعودؑ کا پیغام

ملک صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"مرزا صاحب پہلے نبی ہیں جن کی پیغمبری پیغام سے خالی ہے"

(احمدیہ تحریک ص۳۹)

جب انسان بدگمانی میں مبتلا ہو۔ تو پھر وہ حقائق کی طرف سے بھی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ ملک صاحب کبھی کہتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب کی نبوت نے کوئی پیغام نہیں دیا اور کسی جگہ یہ لکھتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب کی تحریر میں کسی ارفع پیغام کی تلاش ہی عبث ہے۔ (احمدیہ تحریک ص۱۴۱)

یہ بات تو متوسط درجہ کا علم رکھنے والا احمدی بھی جانتا ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کا پیغام یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لئے مبعوث فرمایا ہے۔ کہ آپ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کریں۔ گویا اسلام کی نشاۃ ثانیہ" آپ کا پیغام ہے۔ اسی پیغام کو سُن کر اسلام کی اشاعت کے ہی خواہ اور اس کی "نشاۃ ثانیہ" کے لئے تڑپ رکھنے والے دل آپ کے گرد جمع ہو گئے۔

تعجب ہے کہ ملک صاحب خود ہی یہ بھی لکھتے ہیں:- "اگر مسیح کی آمد کا وعدہ سچا ہے۔ تو اس کے نزول کے بعد دنیا کی تاریخ کا مدار اس کی ذات کے ساتھ ہوگا۔ اس صورت میں اسلام کی "نشاۃ ثانیہ" اس ہستی

کی مساعی سے ظہور میں آئے گی۔"

اور پھر ملک صاحب یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ آپ مثیل مسیح ہیں۔ اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ اب آپ کے وجود سے ہی وابستہ ہے۔ تو پھر انہیں اور کس ارفع پیغام کی تلاش ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام لکھتے ہیں کہ:۔

"اسلام کے لئے پھر تازگی اور روشنی کا دن آئے گا۔ جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے۔ اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسے کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔" (فتح اسلام صـ۹)

نیز فرماتے ہیں:۔ یاد رکھو عنقریب اس لڑائی میں دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا۔ اور اسلام فتح پائے گا۔" (آئینہ کمالات اسلام صـ۱۹۵)

ہر بہی خواہ اسلام یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ پیغام نہایت ارفع اور اعلیٰ ہے۔ ملک صاحب موصوف اگر چاند پر خاک ڈالنا چاہیں۔ تو انہیں کون روک سکتا ہے۔

ایک اعتراض

ملک صاحب کے نزدیک حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی تصنیفات کے مقابلہ میں سرسید ابوالکلام آزاد۔ شبلی اور حالی وغیرہ کی تصانیف بڑھ کر ہیں۔ وہ لکھتے ہیں

"غرض مرزا صاحب کے ہمعصر علماء مثلاً سرسید۔ ابوالکلام آزاد۔ شبلی۔ حالی۔ وغیرہ کی تصانیف پڑھ لو۔ فرق اتنا ہوگا۔ کہ تم ایک ہی فیصلے پر پہنچو گے کہ ان کے اس الہام کے بغیر وہ کام کیا گیا ہے۔ جو صاحب الہام سے نہیں ہو سکا۔ اگرچہ سب اکابر

احمدی ہو گئے ہوتے تو قوم کتنے بڑے علمی سرمایہ سے محروم ہو جاتی۔ احمدیت کی صورت میں وہ ندرتِ خیالی کہاں ممکن تھی۔ جو آزادی سے سوچنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ (احمدیہ تحریک صلا)

ماموریت من اللہ کا کام بمقابلہ متکلمین

ہم ناپسند کرتے ہیں۔ کہ ایک مامور من اللہ کے کام کا غیر مامور متکلمین کے کام سے مقابلہ کیا جائے۔ لیکن ملک صاحب نے تقابل کا سوال پیدا کر دیا ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ لٹریچر میں کسی مصنف کے حاصل کردہ مقام کا فیصلہ درحقیقت اس کے لٹریچر سے پیدا شدہ اثر سے ہو سکتا ہے۔ اس لئے دوسرے متکلمین کے لٹریچر کی بلحاظ ریڈرشپ قدر کرنے کے ساتھ ہم ملک صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ ان متکلمین کی تصانیف نے اپنے اثر سے کون سی ایسی جماعت پیدا کی ہے جو خدمتِ اسلام کے جذبہ سے سرشار ہو کر اکناف عالم میں اسلام کا پرچم بلند کر رہی ہو۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر اور انفاسِ قدسیہ کی برکت سے تو اب سارے یورپ و امریکہ اور افریقہ بلکہ اکنافِ عالم میں اسلام کا جھنڈا جماعت احمدیہ کے ذریعہ بلند کیا جا رہا ہے۔ اگر ان علماء کا لٹریچر کوئی ایسی فعال جماعت پیدا نہیں کر سکا تو ملک صاحب کیوں ان کے تصنیفی کارناموں کو حضرت اقدس کے بالمقابل پیش کرتے ہیں؟

مذہبی لٹریچر کی اصل خوبی تو اس کا وہ اثر ہوتا ہے۔ جو وہ لٹریچر پیدا کرتا ہے۔ حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی تصانیف نے جو اثر تزکیہ نفس اور خدمتِ اسلام کے لئے قربانیوں کی روح پیدا کرنے میں

مسلمانوں کے قلوب پر گیا ہے۔ ان علماء کا سارا لٹریچر کب ایسی روح پیدا کر سکا ہے جس کے نتیجہ میں لوگ اپنی زندگیوں کو خدمت اسلام کے لئے وقف کر کے اکناف عالم میں اسلام کی اشاعت میں کمربستہ ہوں۔ ہمیں یہ یقین ہے کہ اگر یہ علماء احمدیت میں داخل ہو جاتے۔ تو پھر بھی دنیا ان کے علمی سرمایہ سے محروم نہ رہتی۔ بلکہ وہ زیادہ بصیرت سے لوگوں کے دلوں کو اپنی ندرت خیالی سے متاثر کر سکتے۔ ہاں جماعت احمدیہ ندرت خیالی میں ملک صاحب کی طرح قرآن مجید اور حدیث کا دامن چھوڑنا نہیں چاہتی۔ اور نہ مستشرقین کے اسلام پر اعتراضوں کے جواب میں سرسید احمد مرحوم کی طرح اعتذار کی پالیسی اختیار کر سکتی ہے۔ ایسی ندرت خیالی بے شک ہمارے ہاں موجود نہیں۔ اور اس کی ہمیں کوئی قدر بھی نہیں۔ ویسے آزادی فکر میں احمدیت ہرگز حائل نہیں جو سچائی کے دائرہ کے اندر رہے۔ مثلاً قرآن کریم میں عدم نسخ کو جماعت احمدیہ کا عقیدہ کے طور پر اختیار کرنا کیا ملک صاحب کے نزدیک ندرت پسندی نہیں۔ ہاں یہ علماء اگر احمدی نہ جانے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ہو کر خدمت اسلام کرتے۔ تو اس جہاد کبیر میں صف اوّل میں شامل ہونے کا ثواب پاتے جس جہاد سے کہ آئندہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ وابستہ ہے۔

اسلامی اصول کی فلاسفی

ہم دوسرے علماء کے لٹریچر میں بیان کردہ حقائق کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ملک صاحب بالمقابل کی صورت

میں حضرت مرزا صاحب کے لٹریچر میں سے ان کا ایک لیکچر "اسلامی اصول کی فلاسفی" ہی ایک ایسا شاہکار ہے جس میں بیان کردہ حقایق ومعارف اور نادر افکار کے مقابلہ میں ہمارے زمانہ کے علماء کا سارا لٹریچر وہ انقلابی اثر پیدا نہیں کر سکا جو اس مضمون نے ساری دنیا میں اسلام کی تائید میں پیدا کیا اور کر رہا ہے۔

یہ وہ مضمون ہے۔ جو اس زمانہ کے مذاہب کے مقابلہ میں قرآن مجید کے کمالات کے ظاہر کرنے کے لئے لکھا گیا اور پھر تمام مذاہب کے مضامین سے بالا رہا۔ جس کا اعتراف خود منتظمین جلسہ اور ان لوگوں کو ہے۔ جو احمدی نہ تھے۔ سامعین کی دلچسپی اس سے ایسی بڑھ گئی تھی۔ کہ مضمون لمبا ہونے کی وجہ سے جب اس کا وقت ختم ہو گیا۔ تو حاضرین کا اشتیاق سارا مضمون سننے کے لئے اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ منتظمین جلسہ کو اس کے بتمام وکمال سنایا جانے کے لئے ایک دن پروگرام میں بڑھانا پڑا۔

ملک صاحب موصوف نکتہ چینی کرنے کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی علمی قابلیت کے قائل بھی ہیں۔ لیکن اُن کے نزدیک مقصد میں فتور ہونے کی وجہ سے

"مجموعی طور پر اس دور کے دیگر مصنفین کے مقابلہ میں مرزا صاحب کا کوئی مقام نہیں"۔ (احمدیہ تحریک ص۲۹)

وہ لکھتے ہیں:۔ "مرزا صاحب کی علمی قابلیت کی کمی نہیں۔ بلکہ مقصد

کا فتور ہے۔ مرزا صاحب کا سارا مشن اپنی ذات اور خاندان تک محدود تھا۔ اور انہوں نے جو کچھ لکھا اس مشن کو سامنے رکھ کر لکھا ہے۔ ویسے انہوں نے تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ تاریخ تقابلِ ادیان وغیرہ تقریباً ہر شعبے پر کچھ نہ کچھ لکھا ہے (بلکہ بہت کچھ) لیکن ہر جگہ ایک ہی مقصد سامنے رکھا ہے۔ یعنی اپنی نبوت اور مجددیت" (احمدیہ تحریک ۴۹-۵۰)

حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت و مجددیت کا مقصد صرف اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہی تھا۔ آپ اس بات کیلئے مامور تھے۔ کہ اسلام کی حقیقت اور حقانیت کو دلائل و براہین سے ثابت کریں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے تجدید کے باقی کاموں کے علاوہ آپ نے صرف تقابلِ ادیان کے شعبہ میں جو کام کیا ہے اس کی نظیر دیگر علماء میں کہیں نہیں پائی جاتی۔

ملک صاحب! یہ بدظنی تو بڑی آسان ہے کہ:۔

"مرزا صاحب کا سارا مشن اپنی ذات اور خاندان تک محدود تھا۔"

اور یہ اعتراض بھی کہ:۔

"ہر جگہ ایک ہی مقصد سامنے رکھا ہے یعنی اپنی نبوت اور مجددیت"

حالانکہ یہ ایک ایسا اعتراض ہے کہ اگر اسے کوئی حیثیت دی جائے تو بڑے بڑے اولو العزم انبیاء بھی اس اعتراض کا نشانہ بنے بغیر نہیں بچ سکتے۔

ساری اناجیل کو پڑھ جاؤ۔ اس میں چند مواعظ کے سوا باقی آپ کو ہر جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کے اپنے دعاوی کی صداقت کے متعلق بحث کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ قرآن مجید جو خدا تعالیٰ کی آخری شریعت ہے۔ اس میں سے شریعت کے اوامر و نواہی الگ کر لئے جائیں تو وہ قرآن مجید کے پانچویں یا چھٹے حصے سے زیادہ نہیں ہوں گے۔ اور باقی سارا قرآن مجید توحید، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کے دلائل اور آئندہ زمانہ کے متعلق پیشگوئیوں پر مشتمل ہے یہ پیشگوئیاں بھی صداقت کے ہی دلائل ہیں۔ اس کے علاوہ سابق انبیاء اور ان کی اقوام کے واقعات ہیں۔ جن میں انبیاء کی کامیابیوں اور ان کے منکرین کے خائب و خاسر رہنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ واقعات بھی دراصل پیشگوئیوں کے رنگ میں بیان ہوئے ہیں۔ اور ان کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ثابت کرنے کے لئے ترغیب و ترہیب کا کام لیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی کوئی سورۃ آپ کو نہیں ملے گی۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت منوانے کا مقصد سامنے نہ رکھا گیا ہو۔

پس ملک صاحب کا یہ اعتراض کوئی وزن نہیں رکھتا۔ کیونکہ جس طرح پہلے انبیاء کی تعلیم میں ہر جگہ ان کی نبوت منوانے کا مقصد سامنے رکھا گیا ہے۔ اسی طرح اگر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے بھی اپنے دعاوی منوانے کا مقصد ہمیشہ سامنے رکھا۔ تو یہ امر قابل اعتراض کیوں ہوا؟

ملک صاحب کی بدگمانی تو اس درجہ پر پہنچی ہوئی ہے۔ کہ اگر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اپنے پیارے آقا و سید و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح اور شان میں اپنے سچے عشق اور محبت کا اظہار بھی کریں۔ یا آپ کے کمالات کو اجاگر کرنے کے لئے کوئی مضمون رقم فرمائیں۔ تو اس میں بھی ملک صاحب کو آپ کا یہی مقصد دکھائی دیتا ہے کہ آپ اپنی نبوت اور مجددیت منوانے کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ؎

بدگمانی سے تو رائی کے بھی بنتے ہیں پہاڑ
پر کے اک ریشے سے بنجاتی ہے کووں کی قطار

یہ بدظنی کہ:۔

"مرزا صاحب کا سارا مشن اپنی ذات اور خاندان تک محدود تھا"

ایک ایسی بدظنی ہے کہ اس بدظنی سے مسلّم انبیاء بھی محفوظ نہیں رہتے۔ چنانچہ حضرت موسےٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے جب فرعون اور قوم فرعون کے سامنے اپنا دعویٰ نبوت پیش کیا۔ تو فرعون اور اس کی قوم نے انہیں ساحر قرار دیتے ہوئے ان پر وجاہت پسندی کا ہی الزام لگایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ یونس میں بیان فرماتا ہے:۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا وَ تَکُوْنَ لَکُمَا الْکِبْرِیَآءُ فِی الْاَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَکُمَا بِمُؤْمِنِیْنَ

(پ ۱۱ ——— سورۃ یونس ع ۸)

یعنی فرعون اور قوم فرعون نے کہا۔ اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے۔ کہ ہمیں ہمارے اس مذہب سے ہٹا دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اور تم دونوں (موسیٰ اور ہارون کو زمین پر بڑائی حاصل ہو جائے۔ ہم تو تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں

اس آیت کے الفاظ وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ سے ظاہر ہے کہ فرعون اور قوم فرعون نے بدظنی سے حضرت موسےٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا مشن یہ خیال کیا تھا۔ کہ یہ دونوں اپنی ذات کی بڑائی چاہتے ہیں۔ پس جس طرح فرعون اور قوم فرعون کا ان دونوں نبیوں پر وجاہت پسندی کا الزام ایک جھوٹا الزام تھا۔ جو بدگمانی کا نتیجہ تھا۔ اسی طرح آج کسی شخص کا یہ کہنا کہ

"مرزا صاحب کا سارا مشن اپنی ذات اور خاندان تک محدود تھا"

منکرین انبیاء کا ہی تتبع ہونے کے سوا اور کیا کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی اعتراض کے جواب میں انبیاء کو یہ کہنا پڑا ہے۔ کہ

لَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا۔ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔

جن لوگوں کو خدا تعالےٰ نے کسی بلند مقام پر کھڑا کرتا ہے۔ ان کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے اس مقام کو منوانے کا مقصد سامنے رکھیں۔ کیوں کہ اس زمانہ میں قوم کا پورا تزکیہ نفس در اصل ان کا مقام پہچاننے اور ماننے سے ہی وابستہ ہوتا ہے۔ انبیاء کو تو خدا تعالےٰ کی راہ میں اس سچائی کو منوانے کے لئے ہر ذلت قبول کرنا پڑتی ہے وہ دشمنوں

اور مخالفوں کے سب دشنام اور ظلم و ستم کا تختہ مشق بنتے ہیں بلکہ دنیا انہیں حقیر قرار دینے پر تلی جاتی ہے۔ ان کا ایسا تمسخر اڑاتی ہے کہ اس پر خدا تعالےٰ افسوس کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ

کہ ان لوگوں پر افسوس ہے۔ کہ ان کے پاس جو رسول بھی آیا ہے اس سے یہ ٹھٹھا کرتے رہے ہیں۔

پس ایک سچے نبی کے لیئے اپنی نبوت کا منوانا کوئی آسان کام نہیں بلکہ بڑے دل گردہ کا کام ہے۔ یہ کام نہایت درجہ صبر و استقلال چاہتا ہے۔ جو بجز الہامی تائید کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ نبوت کے منوانے میں ذلت پہلے اور وجاہت بعد میں ملتی ہے۔ ؎

دعوتِ ہر ہرزہ گو کچھ خدمت آساں نہیں
ہر قدم پر کوہِ ماراں ہر قدم پر دشت و خار

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کو دعویٰ سے پہلے بڑی وجاہت حاصل تھی۔ حتیٰ کہ علماء بھی آپ کی قدر کرتے تھے۔ اور آپ اس بات کو خوب جانتے تھے۔ کہ مسیح موعود اور اُمتی نبوت کا دعویٰ کرنے پر آپ کو قوم کی طرف سے سخت مشکلات پیش آئیں گی۔ اس لیئے اگر خدا تعالےٰ اپنی متواتر وحی سے اس دعویٰ کا اعلان کرنے کے لئے آپ کو مجبور نہ کرتا تو آپ جو عزلت پسند تھے کبھی زاویۂ خمول سے باہر قدم نہ رکھتے۔ آپ کی فروتنی۔ انکساری اور تقویٰ کی حالت جس کا آپ کے

دعویٰ سے پہلی زندگی کے واقعات سے پتہ لگتا ہے۔ ہرگز اس بدگمانی کا محل نہیں ہو سکتی۔ کہ آپ وجاہت پسند تھے۔ آپ تقویٰ اور دیانتداری کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔ آپ نے کبھی کسی انسان پر جھوٹ نہیں باندھا تھا۔ تو پھر کس طرح ممکن تھا کہ ایسا پاکباز اور راست باز انسان ۴۰ سال کی عمر میں ایسا وجاہت پسند ہو جائے کہ خدا تعالیٰ پر ہی افترا کرنے لگے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ سے پہلی بے لوث زندگی کو آپ کی صداقت دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ کہہ دیں فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ میں تم میں عمر کا ایک بڑا حصہ بسر کر چکا ہوں۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

معیارِ عقل ملک صاحب موصوف نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے دعاوی کی تحقیق کے سلسلہ میں عقل کو معیار قرار دینے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ قرآن مجید بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زندگی کو آپ کی صداقت دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتے ہوئے عقل کو ہی اپیل کرتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کے نزدیک آپ کی دعویٰ سے پہلی بے لوث زندگی آپ کی صداقت دعویٰ کی منطقی دلیل ہے۔ یہی منطقی دلیل ہمیں یہ گواہی دیتی ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی دعویٰ سے پہلی بے لوث زندگی بھی آپ کی صداقت دعویٰ پر گواہ ہے۔ اگر یہ منطقی دلیل ایک جگہ درست ہے۔ تو عقل بتاتی ہے۔ کہ اس

کو لازماً درست ہونا چاہیئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعویٰ سے پہلی زندگی کے متعلق مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی یہ شہادت دیتے ہیں کہ:۔

"مولف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں۔ ہمارے معاصرین میں سے ایسے واقف کم نکلیں گے مولف ہمارے ہم وطن ہیں۔ بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھا کرتے تھے) ہم مکتب بھی"

(اشاعۃ السنہ جلد ۷ صفحہ ۶)

"مولف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کی وجہ سے (واللہ حسیبہ) شریعت محمدیہ پر قائم و پرہیزگار و صداقت شعار ہیں"   (اشاعۃ السنہ جلد ۷ صفحہ ۹)

مولوی سراج الدین صاحب (والد مولوی ظفر علی خاں صاحب آف زمیندار) نے شہادت دی ہے:۔

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء و ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۲، ۲۴ برس کی ہوگی۔ اور ہم چشم دید شہادت سے کہتے ہیں کہ جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود اپنے دعوے سے پہلی زندگی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"میں اپنے باپ کی موت کے بعد محرومیوں کی طرح ہو گیا۔ اور میرے پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے۔ کہ بجز چند گاؤں کے لوگوں کے اور کوئی مجھ کو نہیں جانتا تھا۔ یا کچھ ارد گرد کے دیہات کے لوگ تھے کہ روشناس تھے اور میری یہ حالت تھی۔ کہ سفر سے اپنے گاؤں میں آتا۔ تو کوئی مجھ کو نہ پوچھتا۔ کہ تو کہاں سے آیا ہے۔ اور اگر میں کسی مکان میں اترتا۔ تو کوئی سوال نہ کرتا۔ کہ تو کہاں اترا ہے۔ اور میں اس گمنامی اور اس حال کو بہت اچھا جانتا تھا۔ اور شہرت اور عزت اور اقبال سے پرہیز کرتا تھا۔ .... پھر میرے رب نے مجھے دعوت اور بزرگی کے گھر کی طرف کھینچا۔ اور مجھے اس بات کا علم نہ تھا۔ کہ وہ مجھے مسیح موعود بنائے گا اور اپنے عہد کو مجھ میں پورا کرے گا۔ اور میں اس بات کو دوست رکھتا تھا کہ گمنامی کے گوشہ میں چھوڑا جاؤں"

(ریویو آف ریلیجنز فروری ۱۹۰۲ء)

پھر آپ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۸ میں فرماتے ہیں:۔

"میں نے چاہا کہ پوشیدہ رہوں اور پوشیدہ مروں۔ مگر اس نے (خدا نے) گوشۂ تنہائی سے مجھے جبراً نکالا"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ الہام بھی ہوا:۔ لَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ اس الہام

نے دعوت دی ہے۔ کہ جس منطقی دلیل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ثابت ہو چکی ہے۔ اسی دلیل سے بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے دعویٰ کو پرکھا جائے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اب دیکھو خدا تعالیٰ نے اپنی حجت کو تم پر اس طور سے پورا کر دیا ہے۔ کہ میرے دعویٰ پر ہزارہا دلائل قائم کر کے تمہیں موقعہ دیا ہے کہ تا تم غور کرو۔ کہ وہ شخص جو تمہیں اس سلسلہ کی طرف بلا رہا ہے۔ وہ خود کس درجہ کی معرفت کا آدمی ہے۔ اور کس قدر دلائل پیش کرتا ہے۔ اور تم کوئی عیب افترا یا جھوٹ یا دغا کا میری زندگی پر نہیں لگا سکتے۔ تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افترا کا عادی ہے یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا۔ کون تم میں سے ہے جو میرے سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ پس یہ خدا کا فضل ہے جو اس نے ابتدا سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا۔ اور سوچنے والوں کے لئے یہ ایک دلیل ہے"

(تذکرۃ الشہادتین صـ۶۲)

ملک صاحب جماعت کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ ترقی کا زمانہ ختم ہو چکا اب انحطاط شروع ہے۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ ملک صاحب موصوف کا یہ لکھنا بھی

ان کی بدظنیوں کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ورنہ ہم باوثوق ذرائع سے جانتے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ کے فضل سے جماعت ساری دنیا میں لگاتار ترقی پا رہی ہے۔ پاکستان میں جماعت احمدیہ میں داخلہ کی رفتار میں ۱۹۵۳ء کے بعد سال بسال اضافہ ہو رہا ہے۔ اور کئی نئی جماعتیں خدا کے فضل سے وجود میں آ چکی ہیں۔ غیر ممالک میں بھی کئی نئے مشن جاری ہوئے ہیں اور بیرونی ممالک میں کئی نئی مساجد بھی تعمیر ہو چکی ہیں۔ غیر زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم شائع ہو رہے ہیں۔ صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ بھی ہر سال خدا کے فضل سے ترقی کر رہا ہے۔ جو اس بات پر گواہ ہے۔ کہ جماعت کا قدم انحطاط کی طرف نہیں بلکہ سال بسال ترقی کی طرف اٹھ رہا ہے۔ اور ہمیں قوی امید ہے۔ کہ انشاء اللہ تعالیٰ ملک صاحب کو اپنی غلطی کا کچھ عرصہ کے بعد خود بخود احساس پیدا ہو جائے گا۔

فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ

ایک قیاسی اعتراض | کتاب کے دیباچہ میں ملک صاحب موصوف نے قیاس کی بنا پر اعتراض کیا ہے کہ:۔

"غیر ملکی استبداد سے رہائی حاصل کئے بغیر زندگی کے دیگر شعبوں میں کوئی قابل لحاظ ترقی ممکن نہ تھی۔ اس بات کے

ثبوت کے لئے کسی بھی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ احمدیہ پالیسی ہمیشہ آزادی کے خلاف رہی ہے اور اس پالیسی کے لئے مرزا محمود احمد صاحب ذمہ دار نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مرزا غلام احمد صاحب کی تعلیم کا لازمی اور براہ راست نتیجہ ہے۔ ایک مخلص احمدی لازمی طور پر غلامی پسند ہوگا"۔

(احمدیہ تحریک ص۳۵)

یہ لکھنے کے بعد آپ یوں قیاس کرتے ہیں:۔

"فرض کرو ہندوستان کی سب آبادی احمدیت اختیار کر لیتی (ایسا سوچنے میں کوئی عیب نہیں۔ کیونکہ اگر احمدیت خدا کی طرف سے ہے۔ تو یہ بات نہایت مناسب تھی کہ سب لوگ اس میں داخل ہو جاتے) آزادی حاصل کرنا تو رہا ایک طرف۔ کیا اس صورت میں آزادی کی تحریک شروع بھی کی جا سکتی تھی۔؟"

(احمدیہ تحریک ص۳۹)

اعتراض کا جواب

اس فرضی اعتراض کے جواب میں عرض ہے۔ کہ اس کے بالمقابل یہ قیاس بھی کیا جا سکتا ہے۔ کہ چونکہ احمدیت خدا کی طرف سے ہے اس لئے اگر ہندوستان کی سب آبادی احمدیت اختیار کر لیتی تو ملک اس سے بھی پہلے آزاد ہو جاتا۔ جتنا عرصہ اس نے سیاسی تحریکات کے ذریعہ آزادی پانے میں صرف کیا ہے۔ احمدی ہرگز غلامی پسند نہیں۔ دشمن کی وفاداری

اور غلامانہ ذہنیت دو مترادف چیزیں نہیں۔ قائد اعظم مرحوم نے آزادی حاصل کرنے کے بعد ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کو بھی تلقین کی ہے کہ :-

"ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی حکومت کا فرمانبردار رہنا چاہیئے"

زمیندار ۱۰ دسمبر ۱۹۴۷ء

کیا قائد اعظم مرحوم نے بھی ہندوستان کے مسلمانوں کو اس ہدایت میں غلامانہ ذہنیت اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے ؟ ہرگز نہیں بلکہ آپ نے امن۔ سلامت روی اور بہتری اور بہبودی کی راہ بتائی ہے۔ اگر ہندوستان میں مسلمان آئین کی پابندی نہ کریں اور اپنی ملکی حکومت کے فرمان بردار نہ ہوں۔ تو ان کا سیاسی مستقبل نہایت تاریک ہوگا۔ کیونکہ ہندوؤں کی سیاست غیر ملکی حکومت کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہے۔ جس نرمی کی توقع انگریز حکومت سے کی جا سکتی تھی مسلمان موجودہ حالات میں اس کی توقع ہندوؤں سے نہیں رکھتے۔

میرا یہ قیاس کہ اگر ہندوستان کی ساری آبادی حضرت اقدس کے ہاتھ پر مسلمان ہو جاتی۔ تو سیاسی طور پر مسلمان کبھی کے آزاد ہو چکے ہوتے۔ بعض حقائق پر مبنی ہے۔ جماعت احمدیہ بے شک آئین کی وفاداری کی پالیسی پر گامزن رہی ہے۔ مگر اس کی یہ پالیسی ہرگز اس بات میں حائل نہیں تھی۔ کہ آزادی کے لئے آئین کے اندر رہ کر جد و جہد کرنا جائز نہیں کشمیر کے مہاراجہ کی استبدادیت کے خلاف جماعت احمدیہ

آئین کے اندر رہ کر انسانی حقوق کی آزادی کے لئے منظم جدوجہد میں اہل کشمیر کے ساتھ مل کر اہم کردار ادا کر چکی ہے۔ یہ کام جماعت احمدیہ کے امام ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی زیر قیادت جاری کیا گیا تھا گو بعض لوگ اس کام میں حائل ہوئے۔ اور انہوں نے تحریک کو دوسری راہ پر ڈال کر مہاراجہ اور فرنگیوں کے ہاتھ مضبوط کئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

پاکستان کی آزادی میں امام جماعت احمدیہ کا حصہ

پاکستان کی آزادی میں بھی جماعت احمدیہ نے ایک اہم پارٹ ادا کیا ہے۔ اگر حضرت امام جماعت احمدیہ کی راہ نمائی اس موقعہ پر شامل حال نہ ہوتی تو پاکستان معرض وجود میں نہ آسکتا۔ چنانچہ یہ حقیقت ایک دیانت دار مورخ کی نگاہ سے مخفی نہیں۔ کہ مسلم لیگ نے عبوری حکومت کا مقاطعہ کر دیا تھا۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ تھا۔ کہ انگریز حکومت کی باگ ڈور عبوری حکومت کے ہاتھ میں دے کر رخصت ہو جاتا اور مسلم لیگ دست حسرت ملتی رہ جاتی۔ اور پاکستان کے وجود میں آنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔

اس اثناء میں ہماری مذہبی تحریک کے قائد امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی ہدایت پا کر مسلمان لیڈروں کو اس بات پر بڑی جدوجہد سے آمادہ کیا۔ کہ وہ عبوری حکومت میں اپنا حصہ ضرور لے لیں۔ مگر مسلم لیگ کے لئے مقاطعہ

کی وجہ سے اب اس میں حصہ لینا ناممکن تھا کیونکہ وہ گورنر جنرل کی پیشکش کو ایک دفعہ رد کر چکی تھی۔ اب وہ خود کس منہ سے کہہ سکتی تھی کہ ہم عبوری حکومت میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ اس روک کو دور کرنے کے لئے گورنر جنرل سے یہ اعلان کرایا گیا۔ کہ اب بھی مسلم لیگ اگر عبوری حکومت میں داخل ہونا چاہے تو اس کے لئے دروازہ کھلا ہے۔ اس پر مسلم لیگ فوراً عبوری حکومت میں داخل ہو گئی۔ اور اس کے نتیجہ میں پاکستان معرض وجود میں آگیا۔

فالحمد للہ علیٰ ذالک

پس آئین کی پابندی اور چیز ہے اور آئین کے اندر رہ کر آزادی کی جدوجہد کرنا اس وفاداری کی پالیسی کے منافی نہیں۔ اگر سارا ہندوستان مسلمان ہو چکا ہوتا۔ اور پھر ایک امام کے ہاتھ پر جمع ہوتا۔ اور آئین کے اندر رہتے ہوئے آزادی کی تحریک جاری کی جاتی۔ تو انگریز اس سے بہت پہلے ہندوستان کو آزاد کر کے چلا جاتا اب بھی تو ملک آئین کے اندر رہتے ہوئے ہی آزاد ہوا ہے مسلم لیگ نے آئین سے بغاوت کر کے پاکستان حاصل نہیں کیا۔ پس ملک صاحب کا یہ فرضی اعتراض ہمارے نزدیک ایک وہم سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا اور خدائی نصرت اور اس کے تصرفات سے آنکھیں بند کرنے کا نتیجہ ہے

مذہبی لیڈر اور سیاسی لیڈر میں فرق

ماسوا اس کے ایک مذہبی لیڈر اور ایک سیاسی لیڈر کے طریق کار میں یہ نمایاں فرق پایا جاتا ہے کہ مذہبی لیڈر تو ظاہر و باطن

میں یکساں کردار کا مالک ہوتا ہے۔ مگر سیاسی لیڈر اس خلق عظیم کی پابندی ضروری نہیں سمجھتا۔ مذہبی تحریکات جو خدا کی طرف سے جاری ہوں ان کا حامی چونکہ خود خدا تعالےٰ ہوتا ہے اس لئے اس تحریک کا چلانے والا مذہبی لیڈر اپنے کردار کی بلند سطح سے نیچے نہیں آسکتا۔ گو اس کا کردار وقتی طور پر سیاسی لوگوں کو پست نظر آتا ہو۔ سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم جن کے خلق عظیم کی قرآن مجید نے خود تعریف فرمائی ہے ایسی شرائط پر صلح حدیبیہ کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر انسان کو بھی اس پر یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم ذلت قبول کرکے ان شرائط پر مشرکین مکہ سے معاہدہ کر رہے ہیں۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں تک کہہ گئے لم نعطی الدنیّۃ فی دیننا۔ کہ ہم دین میں ذلت کیوں اٹھائیں۔ اور خود دوسرے مسلمانوں کے دماغوں پر بھی وقتی طور پر اس کا ایسا اثر تھا۔ کہ جب کفار کی طرف سے عمرہ روک دیا گیا۔ اور رسول کریم صلعم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ حدیبیہ کے مقام پر ہی اپنی قربانیاں کر دیں۔ اور حجامت بنوا کر احرام کھول دیں تو مسلمانوں کے دلوں پر اس واقعہ سے ایسا دھکا لگ چکا تھا اور ان کے حواس اس سے اس درجہ متاثر ہو چکے تھے۔ کہ کوئی بھی ان میں سے آپ کی اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوا۔ گویا کہ انہوں نے آپ کا یہ حکم سنا ہی نہیں تھا۔ اس پر ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

کے مشورہ سے آپ نے اپنی قربانی ذبح کر دی۔ اور حجامت بنوائی۔ تو پھر مسلمانوں نے بھی آپ کی نقل میں ایسا کرنا شروع کر دیا۔ مگر اس وقت ان کی دماغی کیفیت ایسی تھی۔ کہ ایک دوسرے کی حجامت بناتے ہوئے انہوں نے ایک دوسرے کے سر کو زخمی کر دیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں درج ہے۔ جس کی تاریخی حیثیت سے ملک صاحب انکار نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اگر آج ملک صاحب احمدیت کی پالیسی کو غلامانہ ذہنیت قرار دیں۔ تو یہ ان کی کوتاہ نظری اور اسلام کی تاریخ سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔

"لم نعطی الدنیۃ فی دیننا" کہ ہم دین میں ذلت کیوں اختیار کریں" کے قول کی طرح آج ملک صاحب بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی آئین سے وفاداری کی پالیسی غلامانہ ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔

ماسوائے اس کے

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار

یہ امر بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے اپنی ملکی حکومت سے کوئی بے وفائی نہیں کی۔ بلکہ عملاً آپ اس کے وفادار رہے۔ چنانچہ جب آپ طائف میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔ اور ملکی حکومت نے آپ کی شہریت کا حق غصب کر لیا۔ تو اس حق کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے آپ ایک کافر

اور مشرک کی پناہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ پھر جب ظالمانہ ملکی حکومت نے آپ کے ماننے والوں کو جو امن پسندی کے حامی تھے۔ ظلم کا تختہ مشق بنایا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر بھی بغاوت کی تعلیم نہ دی۔ بلکہ اپنی قوم کو ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ لیکن خود منشاء الٰہی کے ماتحت ہجرت نہ فرمائی اور خاص خدائی ارشاد کے منتظر رہے۔ بالآخر آنحضرت صلعم کے شہر میں جو نظام حکومت موجود تھا۔ اس کی اسمبلی نے آپ کے اعدام کا فیصلہ کیا۔ اس طرح جب آپ کی مظلومیت اپنے ملک میں انتہائی کمال کو پہنچ گئی۔ اور دشمن نے آپ کے قتل کے لئے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ تو آپ الٰہی ارشاد کے ماتحت مخفی طور پر مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے اسی طرح اس سے پہلے صحابہؓ کی ایک جماعت کو آپ نے حبشہ میں بھی ہجرت کر جانے کا حکم دیا تھا۔ اس بنا پر کہ وہاں کا عیسائی بادشاہ انصاف پسند ہے۔ پس صرف محکومیت کو غلامانہ ذہنیت قرار دینا محض ایک سیاسی چال ہے۔ ورنہ حقیقت سے اسے دُور کا واسطہ بھی نہیں۔ اسلام انتہائی مظلومیت کے عالم میں بھی ملک کے اندر رہ کر باغیانہ تحریک کی اجازت نہیں دیتا۔ البتہ ایسے موقعہ پر صرف ہجرت کر جانے کا حکم دیتا ہے۔ انگریز کے زمانہ میں ایسے حالات موجود نہ تھے۔ کہ ہجرت کی جاتی۔ کیوں کہ انگریزی حکومت اپنی پالیسی میں مذہبی آزادی کی روادار تھی بلکہ انگریزی حکومت کی آمد کو اس وقت مسلمان سکھوں کے عہد

حکومت کے مقابلہ میں ایک نعمت غیر مترقبہ خیال کرتے تھے۔ چنانچہ فرقہ اہلحدیث کے ایڈوکیٹ مولوی محمد حسین بٹالوی تو انگریزی حکومت کی اس مذہبی آزادی کی پالیسی کی بناء پر یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ :-

"یہ حکومت دراصل ہماری اپنی حکومت ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا طریق کار

حضرت مسیح علیہ السلام کی تاریخ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ آپ ایک اولو العزم نبی تھے۔ جو قیصر کی حکومت کے ماتحت تھے۔ اور آپ نے قیصر کی حکومت سے بغاوت نہیں کی۔ بلکہ اس کی وفاداری کی تعلیم ہی دی تھی۔ گو آپ کے دشمن یہود نے آپ کے خلاف حکومت میں جھوٹی مخبری کر کے آپ کو بغاوت کا حامی قرار دے کر حکومت کو اکسانا چاہا۔ چنانچہ انجیل میں ہے۔ کہ ایک موقعہ پر مخالفین نے آپ سے سوال کیا۔ کہ حکومت کا ٹیکس ادا کیا جائے یا نہ ادا کیا جائے؟ ان کا مقصد یہ تھا۔ کہ اگر جواب نفی میں دیں تو انہیں حکومت کا باغی ثابت کیا جائے۔ اور اثبات میں دیں تو ان کی حکومت کی وفاداری کو نبوت و رسالت کے منافی قرار دیا جائے۔ حضرت مسیح علیہ السلام ان کی چال کو سمجھ گئے۔ فرمایا سکہ لاؤ۔ پوچھا اس پر کس کی تصویر ہے؟ لوگوں نے کہا۔ کہ قیصر کی۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو۔ اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو (متی $\frac{22}{18-21}$)

جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ میری یہ مذہبی تحریک حکومت کی بغاوت نہیں

سکھاتی بلکہ آئین کے اندر رہ کر کام کرنا چاہتی ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ مثیل مسیح ہونے کا ہے۔ اس لئے اگر اس پہلو میں اُن کی زندگی اور ان کی جماعت کی زندگی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ابتدائی مسیحیوں کی طرح ہو تو ملک صاحب کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس بناء پر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اس موقف کو قابل اعتراض سمجھیں۔ اور آپ اور آپ کی جماعت کو غلامانہ ذہنیت رکھنے والا قرار دیں۔

بانی سلسلہ احمدیہ کی بعثت کا مقصد

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی بعثت کا مقصد تمام دنیا میں اشاعت اسلام تھا۔ آپ اسی کام کے لئے مامور کیئے گئے۔ ایک مذہبی مبلّغ کے لئے جو ساری دنیا میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی سب جماعتوں کو جو دوسرے ممالک میں موجود ہوں یہی تلقین کرے کہ وہ اپنے اپنے علاقہ میں اپنی حکومت کی وفادار رہیں۔ اور ملکی سیاست سے ٹکرائے بغیر اس تبلیغی مشن کو تکمیل تک پہنچائیں۔ جو مامور من اللہ تبلیغ کے ذریعہ اسلام کو ساری دنیا میں زندہ اور قائم کرنا چاہتا ہو اس کا یہ اوّلین فرض ہے کہ وہ ایسی ہدایات ہی جاری کرے۔ تا اس کی تحریک حکومتوں کے لئے کسی بدظنی کا موجب نہ ہو۔ اور وہ بدگمانی کی بناء پر اشاعت اسلام کے کام میں رخنہ اندازی نہ کر سکیں۔ اسی طریق کار کی

بدولت احمدیت دنیا میں ترقی کر رہی ہے سلیم الفطرت مسلمانوں کے نزدیک اسلام کی تبلیغ کے مقابلہ میں ملکی آزادی گو یہ کتنا مقدس کام ہو ترجیح نہیں رکھتا۔ کیونکہ تبلیغ اسلام خود اتنا بلند مقصد ہے کہ اس میں کامیابی سے ہی دنیا کے سارے مسلمانوں کی تمام دینی و دنیوی فلاح و نجات وابستہ ہے۔ پس اتنے اہم اور عظیم الشان کام کو چھوڑ کر حکومتوں سے ٹکر لینے کی پالیسی اختیار کرنا اس مقدس کام کے لئے سخت نقصان رساں تھا۔ پھر یہ مقدس کام اتنا عظیم الشان ہے کہ اس سے ساری دنیا کو اسلام کی آغوش میں لا کر آسمانی حکومت قائم ہو سکتی ہے اور نہ صرف ایک قوم کو بلکہ تمام نوع انسانی کو اس سے حقیقی امن۔ سلامتی روی اور آزادی حاصل ہو سکتی ہے۔ حضرت اقدس کے سامنے یہی بلند مقصد در پیش تھا۔

غدر کے بعد مسلمانوں کی پالیسی

ہندوستان میں ۱۸۵۷ء میں جو غدر ہوا۔ اس وقت مسلمانوں میں حکومت کی امنگ موجود تھی۔ کیونکہ ابھی ان کے دماغوں سے حکومت کا نشہ اترا نہیں تھا۔ اس بغاوت کو انگریزوں نے کچل دیا۔ چونکہ انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے حاصل کی تھی۔ اس لئے اس غدر کی وجہ سے مسلمان من حیث القوم انگریزوں کی نظر میں خار کی طرح کھٹکنے لگے۔ سمجھدار مسلمان لیڈروں نے اس صورت حال کو مسلمانوں کے لئے سخت خطرناک سمجھا۔ انہوں نے انگریزی حکومت کے شبہات

دور کرنے اور مسلمانوں کی طرف سے اس کے دل کو صاف کرنے کی پوری کوشش کی۔ اس کی صورت یہ تھی۔ کہ مسلمانوں کو وفاداری کی تلقین کی جاتی تھی۔ اور انگریزی حکومت کو مسلمانوں کی طرف سے آئندہ کے لئے پوری فرمانبرداری کا یقین دلایا جارہا تھا۔ سرسید احمد مرحوم نے اس سلسلہ میں قوم کی عظیم الشان خدمت سرانجام دی ہے اس صورت حال کی ذمہ داری حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نہ تھی آپ نے مسیح موعود کا دعویٰ ۱۸۹۰ء کے آخر میں کیا ہے۔ اس کے بعد بھی ایک لمبے عرصہ تک مسلمانوں کی پالیسی یہی رہی۔ کہ انگریزی حکومت کے وفادار رہیں۔ روزنامہ زمیندار کے سرورق پر مولوی ظفر علی خاں صاحب مسلمانوں کو تلقین کے لئے یہ شعر لمبے عرصہ تک لکھواتے رہے۔ ؎

تم خیر خواہ دولت برطانیہ رہو۔
سمجھیں جناب قیصر ہند اپنا جاں نثار

اس وقت سیاست دان مسلمان جانتے تھے۔ کہ اب بغاوت کرکے انگریزی حکومت ملک سے نکالی نہیں جاسکتی۔ مسلمان ہندوؤں کے مقابلہ میں ہر پہلو میں کمزور تھے۔ اگر اس وقت آزادی کے لئے کوئی غیر آئینی تحریک شروع کی جاتی۔ تو مسلمانوں کا وہی حشر ہوتا جو سپین میں ہوا۔ پس سیاست دان اور سمجھدار مسلمانوں نے سیاسی نقطۂ نگاہ کے لحاظ سے بھی اس وقت انگریزی آئین اور حکومت کی

وفاداری اختیار کی۔ اس میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تعلیم کا کوئی دخل نہ تھا۔ کیونکہ یہ پالیسی آپ کے دعویٰ سے پہلے اختیار کی جا چکی تھی۔ ہاں وفاداری کی یہ پالیسی جسے مسلمان اختیار کئے ہوئے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مذہبی تحریک کے لئے ضرور ممد و معاون تھی اور اس کے خلاف کسی پالیسی کا اختیار کرنا آپ کے نزدیک مذہبی اور سیاسی دونوں لحاظ سے ایک مضر کام تھا۔ کیونکہ انگریزی حکومت اب ہندوستان پر مسلط ہو چکی تھی۔ ہندو طاقتور تھا۔ اور مسلمان کمزور۔ اس لئے غیر آئینی طریق سے انگریزوں سے اقتدار چھیننا بالکل ناممکن تھا۔ انگریزی حکومت مسلمانوں سے بہر حال بدظن تھی۔ اس وقت حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے ملکہ وکٹوریہ کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے جو تبلیغی خط لکھا اس میں ملکہ معظمہ کو تحریک کی۔ کہ وہ مسلمانوں کو اپنا خیر خواہ اور وفادار سمجھے۔ اور انہیں خاص مراعات دے۔ آپ کی یہ تحریک مسلمانوں کی اس وقت کی سیاسی پالیسی کے خلاف نہ تھی۔ بلکہ آپ نے اس میں مسلمانوں کی سچی ہمدردی سے ان سے حکومت کی بدظنی کو دور کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی مذہبی تحریک سے جو آپ نے اشاعتِ اسلام کے لئے جاری فرمائی۔ مسلمانوں میں پھر ایک نئے سرے سے بیداری کی لہر پیدا ہوئی اور ان کی امنگیں جاگ اٹھیں۔ ہندو لیڈر بہت ہوشیار تھے وہ جانتے تھے۔ کہ مسلمانوں کو ساتھ ملائے بغیر ہندوستان میں کوئی سیاسی

تحریک شروع نہیں کی جاسکتی۔ وہ جانتے تھے۔ کہ مسلمان ایک ایسی قوم ہے جسے مذہب کے نام پر ہر قربانی کے لئے آمادہ کیا جاسکتا ہے مگر اس وقت عام ہندو قید و بند کے مصائب برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس لئے ان کے لیڈروں نے ہندوؤں کو ابھارنے کے لئے بعض مسلمان لیڈروں سے رابطہ قائم کر کے ان کے ہاتھوں سے خلافت کی تحریک چلوا دی۔ اور ہندو قوم کی بیداری کے لئے راستہ ہموار کر لیا۔ اس زمانہ میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ ایک گلاس میں پانی پیا۔ اور ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ بلند ہوا۔ اور انگریزوں سے عدم تعاون کی تحریک شروع کی گئی۔ ہندو لیڈروں نے مسلمان لیڈروں سے مسلمانوں کے ہندوستان سے ہجرت کر جانے کی تحریک جاری کرائی۔ تا رام راجیہ کی بنیاد رکھی جائے اور مسلمان ملیچھوں کو ہندوستان سے نکلوایا جائے۔ مسلمان علماء سے یہ فتویٰ دلایا گیا۔ کہ مسلمان ریاست کابل کو ہجرت کر جائیں پولیس اور فوج کی نوکری حرام ہونے کا فتویٰ بھی دلایا گیا۔ کیوں کہ یہی دو محکمے تھے۔ جن میں مسلمانوں کی کثرت تھی۔ باقی محکموں پر تو سب جگہ ہندوؤں کی اکثریت بلکہ قبضہ تھا۔ مگر گاندھی جی نے ہندوؤں کے لئے ہجرت کا کوئی فتویٰ صادر نہ کیا۔

احمدیت میں یہ زمانہ خلافتِ ثانیہ کا تھا۔ اس موقعہ پر ہمارے امام ہمام ایدہ اللہ تعالیٰ نے مسٹر گاندھی کی سیاست کو خوب سمجھا۔ اور اس وقت

اپنی خداداد قابلیت سے مسلمانوں کی راہ نمائی فرمائی - اور اس تحریک کی خامیوں اور ان فتاویٰ کی مضرت سے مسلمانوں کو خوب آگاہ کیا - کابل کی چھوٹی سی ریاست مسلمانوں کی ہجرت کے لئے بھلا کیسے متکفل ہو سکتی تھی؟ نتیجہ یہ ہوا - کہ جو مسلمان ہجرت کے لئے آمادہ ہوئے ؛ فورِ جوش میں بعض تو ان میں سے اپنی جائیدادیں بیچ کر اور بعض اپنی بیویوں کو طلاقیں دے کر کابل کی طرف روانہ ہو گئے - مگر یہ مہاجرین سخت تباہ حال ہوئے - اور لٹ لٹا کر خستہ حال باحالتِ زار ننگے پاؤں پھر اپنے وطن کو واپس آ گئے -

آئین کے ہر رو کر آزادی کے مطالبہ کی ضرورت اور اہمیت سے جماعت احمدیہ نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ ہر موقعہ پر انگریزی حکومت پر زور دیا - سائمن کمیشن کے ہندوستان آنے پر تا معلوم کیا جائے کہ ہندوستانی کس حد تک آزادی کے مستحق ہیں - امام جماعت احمدیہ نے مسلمانوں کے حقوقِ آزادی کی پوری پوری حمایت کی - اس سلسلہ میں نہرو رپورٹ پر تبصرہ " حضرت امام جماعت احمدیہ کا میدانِ سیاست میں ایک تابندہ شاہکار ہے - جس میں مسلمانوں کی سیاسی بہتری اور بہبودی کے لئے آپ نے ایک عظیم الشان خدمت سرانجام دی - اور ہندو سیاست کی چال کو جو نہایت گہری تھی واشگاف کیا - اس تبصرہ کو اس وقت مسلمانوں کے سیاست دانوں اور سمجھدار حلقہ نے ایک اہم قومی خدمت قرار دے کر خوب سراہا - سائمن کمیشن کی رپورٹ پر بھی آپ

نے "سیاسی مسئلہ کا حل" لکھا۔ اور ہوائی جہاز کے ذریعہ اسے انگلستان کے ممبران پارلیمنٹ کے ہاتھوں تک پہنچایا تا مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔

پس جماعت احمدیہ نے ہر قدم پر آئین کے اندر رہتے ہوئے اور حکومت سے ٹکرائے بغیر مسلمانوں کی بہتری، بہبودی اور آئینی آزادی کے لئے اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس جرأت کے ساتھ کہ غلامانہ ذہنیت ہرگز ایسی خدمات سرانجام نہیں دے سکتی۔ اگر جماعت احمدیہ کا امام غلامانہ ذہنیت رکھتا۔ تو کبھی بھی کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کی قیادت کے لئے آمادہ نہ ہوتا۔ لیکن ہمارے امام ایدہ اللہ تعالےٰ نے مسلمان لیڈروں کے مشورہ اور علامہ اقبال کی درخواست پر اس تحریک کی قیادت منظور فرمائی۔ گو حکومت وقت آپ کی اس قیادت سے ناخوش تھی۔ اور اس نے احرار کو کھڑا کر کے جماعت سے اس کا بدلہ لینے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔۔

ملک محمد جعفر خان صاحب ایڈووکیٹ کی کتاب "احمدیہ تحریک" کے دیباچہ پر تبصرہ کرنے کے بعد اب ان کی اصل کتاب پر تبصرہ کیا جاتا ہے ہمیں افسوس ہے۔ کہ بدگمانی کے نتیجہ میں ان کی ذہانت ایک غلط راستہ پر پڑ گئی ہے۔ اگرچہ ان کی تنقید گالی گلوچ اور فتویٰ بازی پر مشتمل نہیں (جیسا کہ عموماً مخالف علماء کا دستور رہا ہے۔ اور جس کے وہ خود بھی شاکی ہیں) لیکن طنز و استہزاء سے ان کی تحریر بھی پاک نہیں۔ وہ ایک تیر سے (جسے وہ تیز سمجھتے ہیں مگر درحقیقت کند ہے) متعدد شکار کرنا چاہتے ہیں۔ غیر احمدی نوجوانوں کو تو وہ یہ بتاتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کو جس حد تک کامیابی ہوئی ہے۔ اس کیلئے علماء ذمہ دار ہیں۔ کیونکہ انہوں نے جو محاذ آپ کے مقابلہ میں قائم کیا وہ کئی پہلوؤں سے ناقص تھا۔ مثلاً آپ کی نبوت کے خلاف ان کا یہ اعتراض کہ آپ ختم نبوت کے منکر ہیں۔ ان علماء کے اپنے عقائد کے لحاظ سے درست نہیں۔ کیونکہ یہ خود بھی ایک نبی اللہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے آسمان سے نزول کے منتظر ہیں چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔

"جس ختم نبوت کے عقیدہ سے انکار کی بناء پر علماء جماعت

احمدیہ کو اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اس کی روشنی میں یہ علماء اپنی پوزیشن پر کیوں غور نہیں کرتے ؟

اگر ختم نبوت سے یہ مراد ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (اور ہمارے نزدیک یہی مراد ہے) تو جماعت احمدیہ اور غیر احمدی علماء جو نزول مسیح پر ایمان رکھتے ہیں۔ دونوں ہی ختم نبوت کے منکر ہیں۔ مسیح ابن مریم کے نبی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اگر ان کو رسول کریم کے بعد آنا ہے تو نبی کریم خاتم النبیین نہیں ہو سکتے۔ احمدیوں کے نزدیک مسیح ابن مریم کو نہیں آنا۔ بلکہ ان کے مثیل کو آنا تھا جو مرزا صاحب کی ذات میں آگیا۔ ساتھ ہی ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ مثیل بھی نبی ہے۔ بلکہ اپنی شان میں مسیح ناصری سے بڑھ کر ہے۔ اس طرح بنیادی لحاظ سے ان دو فریقوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ ایک فریق ایک نبی کے آنے کا منتظر ہے۔ اور دوسرے کا خیال ہے۔ کہ یہ نبی آ چکا ہے۔" (احمدیہ تحریک ص ۱۲۹ و ۱۳۰)

غیر احمدی علماء چونکہ نزول مسیح کی حدیثوں کو صحیح سمجھتے ہیں اس لئے ملک صاحب کے نزدیک وہ احمدیت کے مقابلہ میں عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ملک صاحب نے انکار احمدیت کے لئے یہ نقطہ نگاہ اختیار کیا ہے۔ کہ ایسی تمام حدیثوں کا جو اسلام کے زمانہ میں ایک

مسیح موعود کی آمد کی پیشگوئی پر مشتمل ہیں سرے سے انکار کر دیا جائے اور انہیں بالکل غلط اور موضوع قرار دے دیا جائے۔ چنانچہ علماء کو مدّنظر رکھتے ہوئے ملک صاحب لکھتے ہیں:۔

"اس صورتِ حال کی ذمہ داری بہت حد تک مولویوں پر ہے انہوں نے مسلمانوں کو مذہبی معلومات میں آزادئ فکر سے اس حد تک محروم کر دیا تھا۔ کہ کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ کھلم کھلا دجال اور ظہورِ مسیح کی پیشگوئیوں سے ہی انکار کر دے۔ اس سے مرزا صاحب کا کام سہل ہو گیا۔ انہوں نے اول ان احادیث کے ظاہری معنی مسلمانوں کے سامنے رکھے اور ان کی بعید از قیاس اور خلاف عقل تفصیلات کو ایک ایک کر کے پیش کیا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ غیر مولوی اور مولویوں میں سے نسبتاً آزاد خیال طبقہ اس بات کا قائل ہو جائے۔ کہ ان پیشگوئیوں کے الفاظ کو ظاہر پر محمول کرنا درست نہیں ہے"۔

(احمدیہ تحریک ص۷۳-۷۴)

ملک صاحب اس کتاب میں نزولِ مسیح کی احادیث کا انکار کر کے اور انہیں موضوع ٹھہرا کر (حالانکہ وہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہیں۔ جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ اور جن کو کوئی امام حدیث رد نہیں کر سکا) بڑی سختی سے رد کرتے ہیں۔ اور احمدیت کے خلاف یہ نقطۂ نگاہ

عام مسلمانوں کو منوانا چاہتے ہیں۔ کہ مسیح موعود کی آمد کی پیشگوئیوں سے بالکل انکار کر دیا جائے۔ لہذا نہ مسلمانوں کو کسی مسیح کا انتظار ہوگا اور نہ وہ کسی مدعی مسیحیت کی طرف متوجہ ہو سکیں گے۔ اس طرح وہ علماء کو یہ سبق دے رہے ہیں۔ کہ اگر وہ نزولِ مسیح کی حدیثوں کو ماننا بالکل ترک کر دیں۔ تو احمدیت شکست کھا جائے گی۔

احمدیوں کو قائل کرنے کے لئے آپ نے یہ طریق اختیار کیا ہے کہ نزولِ مسیح کی احادیث کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مسلک کو جو ان احادیث کو مان کر آپ نے اختیار کیا ہے اپنی تنقید سے غلط قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ علماء کی طرف سے ملک صاحب موصوف کو یوں جواب دیا گیا ہے۔ کہ ایک بہت بڑے پوسٹر میں جو لاہور کے بڑے بڑے علماء کے ایماء سے شائع ہوا۔ اس عنوان کے ساتھ ملک صاحب کی کتاب "احمدیہ تحریک" کو رد کیا گیا ہے کہ

"کتاب احمدیہ تحریک اسلام کی بدترین دشمن ہے"

اس پوسٹر پر کئی علماء کے نام درج ہیں۔ ان میں سے پہلا نام مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ کا ہے۔ چونکہ غیر احمدی جماعت علماء نزولِ مسیح کی احادیث کو جو تواترِ معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ محدثین امت کے مسلمہ مسلک کے مطابق رد نہیں کر سکتے۔ اس لئے وہ ملک صاحب کا مشورہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکے۔

ملک صاحب کی فنکاری ہم اس موقعہ پر اس امر کا ذکر ضروری

سمجھتے ہیں۔ کہ جناب ملک صاحب نے اپنی خاص تکنیک سے کام لیتے ہوئے اس جگہ یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ وہ احادیث کے سرے سے منکر نہیں۔ بلکہ صرف ان احادیث کو موضوع یا غلط ٹھہراتے ہیں جو قرآن کریم اور عقل کے خلاف ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا مشن اس بات پر ختم نہیں ہو جاتا۔ اس لئے وہ آگے چل کر احادیث تو درکنار سرے سے قرآن مجید کی ضرورت کا ہی انکار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور اس کی زرّین ہدایات کو اس دور عقل میں مشعل ہدایت نہیں سمجھتے۔ وہ وحی الٰہی کو انسانیت کے دورِ طفولیت کی یادگار قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اب انسان سنِ شعور کو پہنچ کر پختہ عقل کے دور میں داخل ہو چکا ہے اس لئے اُسے خارجی سہاروں (الہام و وحی) کا محتاج قرار دینا انسانیت کی توہین و تذلیل ہے اور ہمیں آئندہ راہ نمائی حاصل کرنے کے لئے قرآن کریم کی بطور نشانِ راہ بھی ضرورت نہیں اس امر کے متعلق مفصل بحث ہم انشاء اللہ آخری باب میں کریں گے۔ اس باب میں ہم احادیث نبویہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا صحیح مسلک پیش کرنے کے بعد ملک صاحب کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں۔

احادیثِ نبویّہ کے متعلق ملک صاحب کا موقف

ملک صاحب نے دیباچہ کے بعد پہلے باب میں کتاب الفتن کے عنوان کے ماتحت بعض احادیث خروجِ دجال۔ آثارِ قیامت اور نزولِ مسیح کے متعلق درج کی ہیں۔ اس کے بعد ایک باب "تاویل اور خواب کی دنیا" لکھا ہے جس میں صحیح مسلم کی نواس بن سمعان والی حدیث کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تنقید اور اس حدیث کے متعلق آپ کی بعض تاویلات کو پیش کیا ہے۔ پھر اس سے اگلے باب میں جس کا عنوان "مقام حدیث اور نزولِ مسیح" رکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے بعض اقتباسات پیش کر کے ان کے بعض حصّوں کو تو درست تسلیم کیا ہے اور بعض کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا ہے۔ اور نزولِ مسیح۔ خروجِ دجال اور آثارِ قیامت کے متعلق تمام حدیثوں کو سرے سے موضوع ٹھہرا کر ردّ کر دیا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ہمارا موقف یہ ہے کہ دجال اور مسیح کے متعلق تمام روایات ضعیف اور ناقابلِ قبول ہیں۔ بلکہ ہم ان روایات کے موضوع ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔"

(احمدیہ تحریک صـ۴۸)

پھر لکھتے ہیں:

"جو احادیث صریح قرآنی آیات کے خلاف ہیں۔ اُن کے موضوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ہمارے نزدیک نزولِ مسیح کی نسبت احادیث کو رد کرنے کے لئے قرآن کی آیت ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین ہی کافی ہے۔ تاہم اس سلسلہ میں دو اور آیات کا ذکر مناسب ہوگا۔ اور وہ یہ ہیں:- (۱) الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا اور (۲) لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی"

(احمدیہ تحریک ص۱۳۱)

پھر کتاب الفتن کی تمام احادیث کے متعلق لکھتے ہیں:-

"یہاں کسی ایک حدیث پر بحث نہیں ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ قرآن کے پیش کردہ مقصد تخلیق اور نظریہ ارتقا کو مسلمات میں مانتے ہوئے کیا احادیث کی کتاب الفتن میں سے کسی بھی روایت پر ایمان لانا ممکن ہے؟"

(احمدیہ تحریک ص۱۳۵)

آثارِ قیامت کی روایات کے متعلق لکھتے ہیں:-

"یہ روایات قولِ رسول کیونکر ہو سکتی ہیں۔ جب کہ رسول کے ساتھ اور ان کے ذریعہ تمام بنی نوع انسان کیساتھ علیم و خبیر

خدا کا حتمی وعدہ موجود ہے۔ تمہارے لئے ہر آنے والا زمانہ گذرے ہوئے زمانے سے بہتر ہوگا" (احمدیہ تحریک ص۱۳۶)

پھر لکھتے ہیں:۔

"جو حالات آخری زمانہ کی نسبت احادیث میں درج ہیں وہ اس کتاب کے پہلے باب میں لکھ دیئے گئے ہیں۔۔۔ ۔۔۔۔۔ کیا وہ حالات انسان کے کسی شاندار مستقبل کا نقشہ پیش کرتے ہیں وہ تو ایک طرح کا Anti-climax ہیں۔ جس طرح ایک سنجیدہ اور پرشکوہ ڈرامہ یکلخت اور غیر متوقع طور سے ایک Farce کی صورت میں اختتام پذیر ہو جاتے ہیں" (احمدیہ تحریک ص۱۳۷)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے مقام حدیث کی حیثیت ظاہر کرنے کے لئے انہوں نے شہادت القرآن سے محض ایک ادھورا اقتباس پیش کیا ہے۔ اور یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ ملک صاحب موصوف اقتباس کا ایک حصہ تو پیش کرتے ہیں جس کو وہ بزعم خود محل اعتراض سمجھتے ہیں۔ لیکن دوسرے حصہ کو جو حدیث کی اہمیت کو پورے طور پر واضح کرتا ہے پیش کرنے سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ یہ طریق وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جن کے مدنظر محض بحث کا جیتنا ہوتا ہے۔ نہ احقاقِ حق۔ حالانکہ اس طریق کو ملک صاحب موصوف خود ناپسند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"کسی بھی موضوع پر بحث ہو ایک عام اور سہل لیکن گمراہ کن حربہ استعمال کیا جاتا ہے کہ فریق مخالف کی طرف وہ اعتقادات منسوب کئے جاتے ہیں۔ جو فی الواقع اس کے اعتقادات نہیں ہوتے یا پھر ان اعتقادات کی ایک ناقابل شناخت حد تک مسخ شدہ صورت ہوتی ہے۔ اور پھر اس مفروضہ کی بنیاد پر فریق مخالف پر تنقید کی جاتی ہے۔ یہ طریق بحث جیتنے کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر بحث کا مقصد دیانت داری سے فریق مخالف کو قائل کرنا یا حقیقت تک پہنچنا ہو۔ تو ظاہر ہے کہ اس کا کچھ فائدہ نہیں"

(احمدیہ تحریک ص۱۱)

افسوس ہے کہ مقام حدیث کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقتباسات پیش کرتے وقت خود ملک صاحب نے بھی اپنا یہ قاعدہ پیش نظر نہیں رکھا۔ ایسے تذکرہ نظر نہ کھنے میں مقصود ان کا یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس بحث میں مقام حدیث کے متعلق ان کے موقف میں جو کمزوری ہے اس پر پردہ پڑا رہے۔ لہذا میں سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مقام حدیث کے متعلق "شہادۃ القرآن" کی عبارت کو پہلے درج کرنا چاہتا ہوں۔ اس اقتباس میں مسیح موعود کے نزول کی پیشگوئی کی حیثیت بھی جو احادیث کی بناء پر اسے حاصل ہے۔ واضح کر دی گئی ہے۔

نزولِ مسیح کی احادیث کے بارہ میں ایک سوال

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک شخص عطا محمد صاحب اپنے خط مطبوعہ ۱۸۹۸ء میں حضرت اقدس سے دریافت کرتے ہیں کہ اس بات پر کیا دلیل ہے۔ کہ آپ ہی مسیح موعود ہیں۔ یا کسی مسیح کا ہم کو انتظار کرنا واجب و لازم ہے؟ یہ سوال کنندہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات یافتہ مانتے تھے۔ لیکن اس بات سے انکار کرتے تھے کہ عیسیٰ کے نام پر کوئی امت میں آنے والا ہے۔ وہ مانتے تھے کہ احادیث میں نزول مسیح کی پیشگوئی تو موجود ہے۔ مگر وہ احادیث کے اس بیان کو پایۂ اعتبار سے ساقط سمجھتے تھے۔ اور یہ کہتے تھے کہ احادیث زمانہ دراز کے بعد جمع کی گئی ہیں۔ اور اکثر مجموعہ احادیث مفید یقین نہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب اور احادیث کے متعلق آپکا موقف

اس سوال کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

"واضح ہو کہ اس امر سے دنیا میں کسی کو بھی انکار نہیں۔ کہ احادیث میں مسیح موعود کی کھلی کھلی پیشگوئی موجود ہے۔ بلکہ قریباً تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احادیث کی رو سے ضرور ایک شخص آنے والا ہے جس کا نام عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ اور

یہ پیشگوئی بخاری اور مسلم اور ترمذی وغیرہ کتب حدیث میں اس کثرت سے پائی جاتی ہے جو ایک منصف مزاج کی تسلّی کے لئے کافی ہے اور بالضرورت اس قدر مشترک پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ کہ ایک مسیح موعود آنے والا ہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ اکثر ہر یک حدیث اپنی ذات میں مرتبہ احاد سے زیادہ نہیں مگر اس میں کچھ بھی کلام نہیں۔ کہ جس قدر طرقِ متفرقہ کی رُو سے احادیث نبویہ اس بارے میں، مدوّن ہو چکی ہیں ان سب کو یکجائی نظر کے ساتھ دیکھنے سے بلاشبہ اس قدر قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ ضرور آنحضرت صلعم نے مسیح موعود کے آنے کی خبر دی ہے۔ اور پھر جب ہم ان احادیث کے ساتھ جو اہل سنت والجماعت کے ہاتھ میں ہیں۔ ان احادیث کو بھی ملاتے ہیں جو دوسرے فرقے اسلام کے مثلاً شیعہ وغیرہ ان پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ تو اور بھی اس تواتر کی قوت اور طاقت ثابت ہوتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ جب صدہا کتابیں متصوفین کی دیکھی جاتی ہیں تو وہ اسی کی شہادت دے رہی ہیں۔ پھر بعد اس کے جب ہم بیرونی طور پر اہلِ کتاب یعنی نصاریٰ کی کتابیں دیکھتے ہیں تو یہ خبر ان سے بھی ملتی ہے۔ اور ساتھ ہی حضرت مسیح کے اس فیصلہ سے جو ایلیا کے آسمان سے نازل ہونے کے بارہ

ہیں ہے۔ یہ بھی انجیل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس قسم کی خبریں کبھی حقیقت پر محمول نہیں ہوتیں۔ لیکن یہ خبر مسیح موعود کے آنے کی اس قدر زور کے ساتھ ہر ایک زمانہ میں پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کہ اس سے بڑھ کر کوئی جہالت نہیں ہوگی کہ اس کے تواتر کا انکار کیا جائے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔۔۔۔۔ صاحب معترض نے کسی سے سن لیا ہے کہ احادیث اکثر احاد کے مرتبہ پر ہیں۔ اور اس سے بلا توقف یہ نتیجہ پیدا کیا کہ بجز قرآن کریم کے اور جس قدر مسلمات اسلام ہیں۔ وہ سب کے سب بے بنیاد مشکوک ہیں۔ جن کو یقین اور قطعیت میں سے کچھ حصہ نہیں۔ لیکن درحقیقت یہ ایک بڑا بھاری دھوکہ ہے۔ جس کا پہلا اثر دین اور ایمان کا تباہ ہونا ہے۔ کیونکہ اگر یہی بات سچ ہے کہ اہلِ اسلام کے پاس بجز قرآن کریم کے جس قدر اور منقولات ہیں وہ تمام ذخیرہ کذب اور جھوٹ اور افتراء اور ظنون اور اوہام کا ہی تو پھر شائد اسلام میں سے کچھ تھوڑا ہی حصہ باقی رہ جائے گا وجہ یہ کہ ہمیں اپنے دین کی تمام تفصیلات احادیث نبویہ کے ذریعہ سے ملی ہیں۔ مثلاً یہ نماز جو پنجوقت ہم پڑھتے ہیں۔ گو قرآن مجید سے اس کی فرضیت ثابت ہے۔ مگر یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ صبح کی دو رکعت فرض اور دو رکعت سنت ہیں اور

پھر ظہر کی چار رکعت فرض اور چار اور دو سنت - اور مغرب کی تین رکعت فرض اور پھر عشاء کی چار - ایسا ہی زکوٰۃ کی تفاصیل معلوم کرنے کے لئے بالکل احادیث کے محتاج ہیں - اسی طرح ہزارہا جزئیات ہیں جو عبادات اور معاملات اور عقود وغیرہ کے متعلق ہیں - اور ایسی مشہور ہیں کہ ان کا لکھنا صرف وقت ضائع کرنا اور بات کو طول دینا ہے - علاوہ اس کے اسلامی تاریخ کا مبدأ اور منبع یہی احادیث ہی ہیں - اگر حدیث کے بیان پر بھروسہ نہ کیا جائے تو پھر ہمیں اس بات کو بھی یقینی طور پر نہیں ماننا چاہیئے - کہ درحقیقت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم آنحضرت صلعم کے اصحاب تھے - جن کو بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی ترتیب سے خلافت ملی اور اسی ترتیب سے ان کی موت بھی ہوئی کیونکہ اگر احادیث کے بیان پر اعتبار نہ کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان بزرگوں کے وجود کو یقینی کہہ سکیں - اور اس صورت میں ممکن ہوگا - کہ تمام نام فرضی ہی ہوں - اور دراصل نہ کوئی ابوبکر گزرا ہو نہ عمر نہ عثمان نہ علی - کیونکہ بقول میاں عطا محمد معترض کے سب احادیث احاد ہیں اور قرآن مجید میں ان ناموں کا کہیں ذکر نہیں - پھر بموجب اس اصول کے کیوں کر تسلیم کی جائیں - ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ

کا نام آمنہ اور دادا کا نام عبد المطلب ہونا اور پھر آنحضرت صلعم کی بیویوں میں سے ایک کا خدیجہ - ایک کا نام عائشہ اور ایک کا حفصہ رضی اللہ عنہا ہونا اور دایہ کا نام حلیمہ ہونا اور غار حرا میں جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عبادت کرنا - اور بعض صحابہ کا حبشہ کی طرف ہجرت کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد بعثت دس سال تک مکہ میں رہنا - اور پھر وہ تمام لڑائیاں ہونا جن کا قرآن کریم میں نام ونشان نہیں - اور صرف احادیث سے یہ تمام امور ثابت ہوتے ہیں - تو کیا ان تمام واقعات سے اس بناء پر انکار کر دیا جاوے - کہ احادیث کچھ چیز نہیں - اگر یہ سچ ہے - تو پھر مسلمانوں کے لئے ممکن نہ ہوگا - کہ آنحضرت صلعم کی پاک سوانح میں سے کچھ بھی بیان کرسکیں - دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے مولا و آقا کی سوانح کا وہ سلسلہ کہ کیونکر قبل از بعث مکہ میں زندگی بسر کی اور پھر کس سال دعوتِ نبوت کی - اور کس ترتیب سے لوگ داخلِ اسلام ہوئے - اور کفار نے مکے کے دس سالوں میں کس کس قسم کی تکلیفیں پہنچائیں اور پھر کیونکر اور کس وجہ سے لڑائیاں شروع ہوئیں اور کس قدر لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس حاضر ہوئے اور آنجناب کے زمانہ زندگی تک کن کن ممالک تک حکومت اسلام پھیل چکی تھی - اور شاہان وقت کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

دعوتِ اسلام کے خط لکھے تھے۔ یا نہیں۔ اگر لکھے تھے تو ان کا کیا نتیجہ ہُوا تھا۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وقت کیا کیا فتوحاتِ اسلام ہوئیں۔ اور کیا کیا مشکلات پیش آئیں۔ اور حضرتِ فاروقؓ کے زمانے میں کن کن ممالک تک فتوحاتِ اسلام ہوئیں۔ یہ تمام امور صرف احادیث اور اقوالِ صحابہ کے ذریعے معلوم ہوئے ہیں۔ پھر اگر احادیث کچھ بھی چیز نہیں۔ تو پھر اس زمانے کے حالات دریافت کرنا نہ صرف ایک امر مشکل بلکہ محالات میں سے ہوگا۔ اور اس صورت میں واقعاتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت مخالفین کو ہر ایک افتراء کی گنجائش ہوگی۔ اور ہم دشمنوں کو بے جا حملہ کرنے کا بہت سا موقعہ دینگے اور ہمیں ماننا پڑے گا۔ کہ جو کچھ ان احادیث کے ذریعہ سے واقعات وسوانح دریافت ہوتے ہیں وہ سب ہیچ اور کالعدم ہیں۔ یہاں تک کہ صحابہ کے نام بھی یقینی طور پر ثابت نہیں غرض ایسا خیال کرنا کہ احادیث کے ذریعہ سے کوئی یقینی اور قطعی صداقت مل ہی نہیں سکتی۔ گویا اسلام کا بہت سا حصہ اپنے ہاتھ سے نابود کرنا ہے۔ بلکہ اصل اور صحیح امر یہ ہے کہ جو کچھ احادیث کے ذریعہ سے بیان ہُوا ہے۔ جب تک صحیح اور صاف لفظوں میں قرآن اس کا معارض نہ ہو تب تک اس کو

قبول کرنا لازم ہے کیوں کہ یہ بات مسلم ہے۔ کہ طبعی امر انسان کے لئے راست گوئی ہے۔ اور انسان جھوٹ کو کسی مجبوری کی وجہ سے اختیار کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے لئے ایک غیر طبعی ہے پھر ایسی احادیث جو تعامل اعتقادی یا عملی میں آکر اسلام کے مختلف گروہوں کا ایک شعار ٹھہر گئی تھیں۔ ان کی قطعیت اور تواتر کی نسبت کلام کرنا تو درحقیقت جنون اور دیوانگی کا ایک شعبہ ہے۔ مثلاً آج اگر کوئی شخص یہ بحث کرے۔ کہ یہ پانچ نمازیں جو اس وقت مسلمان ادا کرتے ہیں۔ ان کی تعداد ایک شکی امر ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں یہ مذکور نہیں کہ تم صبح کی دو رکعت پڑھا کرو۔ اور پھر جمعہ کی دو اور عیدین کی بھی دو دو۔ ایسی احادیث گو وہ اکثر احاد ہیں جو مفید یقین نہیں تو کیا ایسی بحث کرنے والا حق پر ہوگا۔ اگر احادیث کی نسبت ایسی ہی رائیں قبول کی جائیں۔ تو سب سے پہلے نماز ہی ہاتھ سے جاتی ہے۔ کیونکہ قرآن نے تو نماز پڑھنے کا کوئی نقشہ کھینچ کر نہیں دکھلایا۔ صرف یہ نمازیں احادیث کی صحت کے بھروسہ پر پڑھی جاتی ہیں۔ اب اگر مخالف یہی اعتراض کرے۔ کہ قرآن نے نماز کا طریق نہیں سکھلایا۔ اور جس طریق کو مسلمانوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ وہ مردود ہے کیونکہ احادیث قابل اعتبار نہیں۔ تو ہم ایسے اصول پر آپ ہی پابند

ہونے سے کہ بیشک احادیث کچھ بھی چیز نہیں۔ اس اعتراض کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔ بجز اس کے کہ اعتراض کو قبول کرلیں۔ بلکہ اس صورت میں اسلام کی نمازِ جنازہ بھی بالکل بیہودہ ہوگی۔ کیونکہ قرآن میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں کہ کوئی ایسی نماز بھی ہے جس میں سجدہ اور رکوع نہیں۔ اب سوچ کر دیکھ لو۔ کہ احادیث کے چھوڑنے سے اسلام کا کیا باقی رہ جاتا ہے۔ اور یہ تو یہ بات قلّتِ تدبّر کا نتیجہ ہے۔ کہ ایسا خیال کرلیا جاوے کہ احادیث کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ محض ایک یا دو آدمی کے بیان کو معتبر سمجھ کر اس کی روایت کو قولِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیال کرلیا جائے۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ احادیث کا سلسلہ تعامل کے سلسلہ کی ایک فرع اور اظہار بعد الوقوع کے طور پر ہے۔ مثلاً محدثین نے دیکھا کہ کروڑہا آدمی مغرب کے فرض کی تین رکعت پڑھتے ہیں۔ اور فجر کی دو اور معہ الک ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ ضرور پڑھتے ہیں اور آمین بھی کہتے ہیں۔ گو بالجہر یا بالسّر۔ اور قعدہ اخیرہ میں التحیات پڑھتے ہیں۔ اور ساتھ اس کے درود اور کئی دعائیں ملاتے ہیں۔ اور دونوں طرف سلام دے کر نماز سے باہر ہوتے ہیں۔ سو اس طرزِ عبادت کو دیکھ کر محدثین کو یہ ذوق

اور شوق پیدا ہوا۔ کہ تحقیق سے طور پر اس وضع نماز کا سلسلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیں۔ اور احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ سے اس کو ثابت کریں۔ اب اگرچہ یہ بات سچ ہے کہ انہوں نے ایسے سلسلہ کی بہم رسانی کے لئے یہ کوشش کی۔ کہ ایک ایک حدیث کے مضمون کے لئے ہزار ہزار طرق اسناد بہم پہنچا دیں۔ مگر کیا یہ بھی سچ ہے۔ کہ اس نماز کی بنیاد ڈالنے والے وہی محدث تھے اور پہلے اس سے دنیا میں نماز نہیں ہوتی تھی۔ اور دنیا نماز سے بالکل بے خبر تھی۔ اور کئی صدیوں کے بعد صرف ایک دو حدیثوں پر اعتبار کرنے سے نماز مشروع کی گئی۔ پس میں زور سے کہتا ہوں کہ یہ ایک بڑا دھوکہ ہوگا۔ اگر یہ خیال کر لیا جائے۔ کہ صرف مدار ثبوت ان رکعات اور کیفیت نماز خوانی کا ان چند حدیثوں پر تھا جو بنظر ظاہر احاد سے زیادہ معلوم نہیں ہوتیں۔ اگر یہی سچ ہے تو سب سے پہلے فرائض اسلام کے لئے ایک سخت اور لاعلاج ماتم درپیش ہے۔ جس کی فکر ایک مسلمان کہلانے والے ذی غیرت کو سب سے مقدم ہے۔

مگر یاد رہے کہ ایسا خیال فقط ان لوگوں کا ہے جنہوں نے کبھی بیدار ہو کر سوانح اور نہ اقعات اور رسوم اور عبادات

اسلامیہ کی طرف نظر نہیں کی۔ کہ کیونکر اور کس طریق سے یقینی امور کا ان کو مرتبہ حاصل ہوا۔

سو واضح ہو۔ کہ اس یقین کے بہم پہنچانے کے لئے تعامل قومی کا سلسلہ نہایت تسلی بخش نمونہ ہے۔ مثلاً وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ نماز فجر کی اس قدر رکعت اور نماز مغرب کی اس قدر رکعات ہیں۔ اگرچہ فرض کرو کہ ایسی حدیثیں دو یا تین ہیں اور بہرحال احاد سے زیادہ نہیں۔ مگر کیا اس تحقیق اور تفتیش سے پہلے لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اور حدیثوں کی تحقیق اور راویوں کا پتہ ملنے کے بعد پھر نمازیں شروع کرائی گئی تھیں۔ بلکہ کروڑہا انسان اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔ اور اگر فرض کے طور پر حدیثوں کے اسنادی سلسلہ کا وجود بھی نہ ہوتا تاہم اس سلسلہ تعامل سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت تھا۔ کہ نماز کے بارے میں اسلام کی مسلسل تعلیم وقتاً بعد وقت اور قرناً بعد قرن یہی چلی آئی ہے۔ ہاں احادیث کی اسناد مرفوعہ متصلہ نے اس سلسلہ کو نورٌ علیٰ نور کر دیا۔ پس اگر اس قاعدہ سے احادیث کو دیکھا جائے۔ تو اس کے اکثر حصہ کو جس کا معین اور مددگار سلسلہ تعامل ہے احاد کے نام سے یاد

کرنا بڑی غلطی ہوگی - اور درحقیقت یہی ایک بھاری غلطی ہے - جس نے اس زمانہ کے نیچریوں کو صداقتِ اسلام سے بہت دور ڈال دیا - وہ خیال کرتے ہیں کہ گویا اسلام کی وہ تمام سنن اور رسوم اور عبادات اور سوانح اور تواریخ جن پر حدیثوں کا حوالہ دیا جاتا ہے - وہ صرف چند حدیثوں کی بناء پر قائم ہیں - حالانکہ یہ ان کی فاش غلطی ہے - بلکہ جس تعامل کے سلسلہ کو ہمارے رہنما صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا تھا - وہ ایسا کروڑہا انسانوں میں پھیل گیا تھا کہ اگر محدثین کا دنیا میں نام و نشان بھی نہ ہوتا - تب بھی اس کو کچھ نقصان نہ تھا - یہ بات ہر ایک کو ماننی پڑتی ہے - کہ اس مقدس معلّم اور مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی باتوں کو ایسا محدود نہیں رکھا تھا - کہ صرف دو چار آدمیوں کو سکھلائی جاتیں اور باقی سب اس سے بے خبر ہوں اگر ایسا ہوتا تو پھر اسلام ایسا بگڑتا - کہ کسی محدّث وغیرہ کے ہاتھ سے ہرگز درست نہیں ہو سکتا تھا - اگرچہ آئمہ حدیث نے دینی تعلیم کی نسبت ہزارہا حدیثیں لکھیں - مگر سوال تو یہ ہے - کہ وہ کونسی حدیث ہے کہ جو ان کے لکھنے سے پہلے اس پر عمل نہ تھا - اور دنیا اس مضمون سے غافل تھی - اگر کوئی ایسی تعلیم یا ایسا واقع یا ایسا عقیدہ ہے جو

اس کی بنیادی اینٹ صرف آئمہ حدیث نے ہی کسی روایت کی بناء پر رکھی ہے اور تعامل کے سلسلہ میں جس کے کروڑہا افراد انسانی قائل ہوں۔ اس کا کوئی اثر و نشان دکھائی نہیں دیتا۔ اور نہ قرآن کریم میں اس کا کچھ ذکر پایا جاتا ہے۔ تو بلاشبہ ایسی خبر واحد کا جس کا پتہ بھی سو ڈیڑھ سو برس کے بعد لگا۔ یقین کے درجہ سے بہت ہی گری ہوئی ہوگی۔ اور جو کچھ اس کی ناقابل تسلی ہونے کے متعلق کہو وہ بجا ہے۔ لیکن ایسی حدیثیں دین اور سوانح اسلام سے کچھ بڑا تعلق نہیں رکھتیں۔ بلکہ اگر سوچ کر دیکھو تو آئمہ حدیث نے ایسی حدیثوں کا بہت ہی کم ذکر کیا ہے۔ جن کا تعامل کے سلسلہ میں نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ ......

اگرچہ یہ تو سچ ہے کہ حدیثوں کا وہ حصہ جو تعامل قولی و فعلی کے سلسلہ سے باہر ہے۔ اور قرآن سے تصدیق یافتہ نہیں۔ یقین کامل کے مرتبہ پر مسلم نہیں ہو سکتا۔ لیکن دوسرا حصہ جو تعامل کے سلسلہ میں آ گیا۔ اور کروڑہا مخلوقات ابتدا سے اس پر اپنے عملی طریق سے محافظ اور قائم چلی آئی ہے۔ اس کو ظنی اور شکی کیوں کر کہا جائے۔ ایک دنیا کا مسلسل تعامل جو بیٹوں سے باپوں تک اور باپوں سے دادوں تک اور دادوں سے پڑدادوں

تک بدیہی طور پر مشہور ہوگیا۔ اور اپنے اصل مبدء تک اس کے آثار و انوار نظر آ گئے۔ اس میں تو ایک ذرہ شک کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔ اور بغیر اس کے انسان کو کچھ بھی بن نہیں پڑتا کہ ایسے مسلسل عملدرآمد کو اول درجہ کی یقینیات میں سے یقین کرلے۔ پھر جب کہ آئمہ حدیث نے اس سلسلہ تعامل کے ساتھ ایک اور سلسلہ قائم کیا۔ اور امور تعاملی کا اسناد راست گو اور متدین راویوں کے ذریعہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا۔ تو پھر بھی اس پر جرح کرنا درحقیقت ان لوگوں کا کام ہے جن کو بصیرت ایمانی اور عقل انسانی کا کچھ بھی حصہ نہیں ملا۔

اب اس تمہید کے بعد یہ بھی واضح ہو۔ کہ مسیح موعود کے بارے میں جو احادیث میں پیشگوئی ہے۔ وہ ایسی نہیں ہے۔ جس کو آئمہ حدیث نے چند روایتوں کی بناء پر لکھا ہو وبس۔ بلکہ یہ ثابت ہوگیا ہے کہ یہ پیشگوئی عقیدہ کے طور پر ابتداء سے مسلمانوں کے رگ و ریشہ میں داخل چلی آتی ہے۔ گویا جس قدر اس وقت روئے زمین پر مسلمان تھے۔ اسی قدر اس پیشگوئی کی صحت پر شہادتیں موجود تھیں کیونکہ عقیدہ کے طور پر مسلمان اس کو ابتداء سے یاد کرتے چلے آتے تھے۔ اور آئمہ حدیث امام بخاری وغیرہ نے

اس پیشگوئی کی نسبت اگر کوئی امر اپنی کوشش سے نکالا ہے۔ تو
صرف یہی کہ جب اس کو کہ زمانہ مسلمانوں میں مشہور اور
زبان زد پایا۔ تو اپنے قاعدہ کے موافق مسلمانوں کے اس
قولی تعامل کے لئے روایتی سند کو تلاش کر کے پیدا کیا
اور روایات صحیحہ مرفوعہ متصلہ سے جن کا ایک ذخیرہ ان کی
کتابوں میں پایا جاتا ہے اسناد کو دکھایا۔ علاوہ اس کے کوئی
وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ اگر نعوذ باللہ یہ افترا ہے۔ تو
اس افترا کی مسلمانوں کو کیا ضرورت تھی۔ اور کیوں انہوں
نے اس پر اتفاق کر لیا اور کس مجبوری سے ان کو اس افترا
پر آمادہ کر لیا۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری طرف ایسی
حدیثیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ جن میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے
کہ آخری زمانہ میں علماء اس امت کے یہودی صفت ہو
جائیں گے۔ اور دیانت اور خدا ترسی اور اندرونی پاکیزگی
ان سے دور ہو جائے گی۔ اس زمانہ میں صلیبی مذہب کا
بہت غلبہ ہوگا۔ اور صلیبی مذاہب کی حکومت اور سلطنت
تقریباً تمام دنیا میں پھیل جائے گی۔ تو اور بھی ان احادیث
کی صحت پر دلائل قاطعہ پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ کچھ شک نہیں
کہ اس زمانہ میں یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ اور ہمارے اس
زمانے کے علماء درحقیقت یہودیوں سے مشابہ ہو گئے۔ اور

نصاریٰ کی سلطنت اور حکومت ایسی دنیا میں پھیل گئی کہ
پہلے زمانوں میں اس کی نظیر نہیں پائی گئی۔ پھر اس حالت
میں ایک جزو اس پیشگوئی کا صریح اور صاف اور بدیہی
طور پر پورا ہو گیا۔ تو پھر دوسری جزو کی صداقت میں کیا کلام
رہا۔ یہ بات تو ہر ایک عاقل کے نزدیک مسلم ہے۔ کہ اگر
مثلاً ایک حدیث احاد میں ہو۔ اور سلسلہ تعامل میں بھی
داخل نہ ہو۔ مگر وہ ایک پیشگوئی پر مشتمل ہو۔ اگر وہ اپنے
وقت پر پوری ہو جائے یا اس کا ایک جزو پورا ہو جائے
تو اس حدیث کی صحت میں کوئی شک باقی نہیں رہے گا۔
مثلاً نارِ حجاز کی حدیث جو صحیحین میں درج ہے۔ کچھ شک
نہیں کہ احاد میں سے ہے لیکن وہ پیشگوئی قریباً چھ سو برس
گذرنے کے بعد بعینہ پوری ہو گئی۔ جس کے پورے ہونے
کے بارے میں انگریزوں کو بھی اقرار ہے۔ اور اس زمانہ
میں پوری ہوئی۔ کہ جب صدہا سال ان کتابوں کی تالیف
اور شائع ہونے پر بھی گذر چکے تھے۔ تو کیا ان حدیثوں
کی نسبت اب یہ رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ وہ احاد ہیں
اس لئے یقینی طور پر قبول کے لائق نہیں کیونکہ جب ان
کی صداقت کھل گئی تو پھر ایسا خیال دل میں لانا بہت بڑی
اور مکروہ نادانی ہے۔ پس ایسا ہی مسیح موعود کی پیشگوئی

میں سوچ لو کہ اس میں بھی یہ الفاظ کہیں کہیں صراحۃً اور کہیں اشارۃً موجود تھے کہ وہ مسیح موعود ایسے وقت میں آئے گا۔ کہ جب حکومت اور قوت نصاریٰ کی تمام روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہوگی اور ریل جاری ہوگی اور اکثر زمین کے حصے زیر کاشت آجائیں گے اور کاشت کاری کی طرف لوگ بہت متوجہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ بیل مہنگے ہوجائیں گے اور زمین پر نہروں کی کثرت ہو جائے گی اور دنیاوی ترقی کی رو سے امن کا زمانہ ہوگا۔

سو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی ہمارے زمانے میں پوری ہو گئی۔ کیونکہ عیسائی سلطنت کا ستارہ اس زمانہ میں ایسے عروج پر پہنچ گیا ہے کہ گویا اس کے سامنے تمام حکومتیں، ریاستیں کالعدم ہیں اور ریل کی سواری اور نہریں اور کثرتِ کاشت کاری بھی ہم نے آنکھ سے دیکھ لی۔ اب سوچو کیا اس پیشگوئی میں وہ غیب کی باتیں نہیں جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہیں۔

اسلام کی یہ حالت تنزل اس زمانے میں جب کہ اسلام کی شمشیر بجلی کی طرح کفار پر پڑ رہی تھی کس کو معلوم تھی۔ کیا کوئی نوع انسان میں سے ایسے غیب پر قادر ہو سکتا ہے۔ کہ ایسی نئی سواری کی خبر دے جس کا پہلے وجود

ثابت نہیں ہوتا۔ نظر اٹھاؤ اور دیکھو اور خوب سوچو کہ کیا یہ پیشگوئی ان عظیم الشان پیشگوئیوں میں سے نہیں ہے جو ان کی حقیقت اور ان کے ظہور پر صرف خدا تعالےٰ کا علم ہی محیط ہوتا ہے۔ اور انسان کی کارستانیاں اور مخلوق کے ضعیف منصوبے اس پر مشتبہ نہیں ہو سکتے۔"

(شہادۃ القرآن ص۳ تا ۱۱)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس بیان میں احادیث کی صحیح پوزیشن بیان کر دی گئی ہے۔ مگر ملک محمد جعفر خاں صاحب کو مقام حدیث اور نزول مسیح کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیانات پر چند اور اعتراضات ہیں۔ جن کا جواب ہم آئندہ صفحات میں دے رہے ہیں۔ حضرت اقدس کے اس اقتباس سے یہ امر بہر حال ظاہر ہے کہ حدیث کے ساتھ تعامل فعلی اور قولی کا سلسلہ ایک بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اور جو احادیث تعاملِ فعلی اور قولی کی فرع ہیں۔ ان کا انکار کرنا بہت بڑی نادانی ہے اس انکار سے شریعت اور دینِ اسلام کا بہت بڑا حصہ ناقص سے جاتا ہے۔ مسیح موعود کے نزول کی خبر بھی تعاملِ قولی سے ثابت ہے۔ احادیث صرف تعامل کی مؤید ہیں۔

ملک صاحب کے اعتراضات کے جوابات

سابقہ صفحات میں آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ملک صاحب نزولِ مسیح

اور خروجِ دجال کی تمام احادیث کو موضوع سمجھتے ہیں۔ اور اسی بناء پر وہ حضرت مسیح موعود کے دعویٰ مسیحیت کو رد کر رہے ہیں کیونکہ ان کے زعم میں آپ کے اس دعویٰ کی بنیاد مسیح کے نزول کی احادیث پر ہے حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود ان احادیث کو اپنے دعوے کے ثبوت میں محض تائیدی دلائل کی حیثیت میں پیش کرتے ہیں نہ کہ بنائے دعویٰ کے طور پر۔

دعویٰ کی بنیاد کے متعلق ملک صاحب کی غلط فہمی!

ملک صاحب کی یہ غلط فہمی ہے کہ حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کی بنیاد احادیث پر ہے۔ اور چونکہ مسیح موعود کے نزول کی حدیثیں ان کے نزدیک موضوع ہیں۔ اس لئے آپ کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔

غلط فہمی کا جواب

اس کے جواب میں واضح ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں:۔

"میرے اس دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں۔ بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں۔ اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو (یعنی جو معارض قرآن و وحی ہیں ناقل) ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اگر حدیثوں کا دنیا میں وجود نہ بھی ہوتا۔ تب بھی میرے اس دعویٰ کو کچھ حرج نہ پہنچتا تھا ہاں خدا نے

میری وحی میں جا بجا قرآن کریم کو پیش کیا ہے چنانچہ تم براہین احمدیہ میں دیکھو گے کہ اس دعویٰ کے متعلق کوئی حدیث بیان نہیں کی گئی جا بجا خدا تعالیٰ نے میری وحی میں قرآن پیش کیا ہے

(اعجاز احمدی صفحہ ۳۰، ۳۱)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کی بنیاد صرف قرآن مجید اور آپ کی وحی پر ہے۔ اور احادیث کو آپ اس دعویٰ پر محض تائیدی شاہد کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ملک صاحب کا آپ کے دعویٰ کی بنیاد احادیث پر قرار دینا کسی تحقیق پر مبنی نہیں۔

احادیث نبویہ کے مقام کے بارہ میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا جو مضمون شہادۃ القرآن سے ہم نے پیش کیا ہے اسے پڑھ کر کوئی محقق احادیث نبویہ کے حجّیتِ شرعی ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔ مگر ملک صاحب نے اس لمبے اقتباس سے صرف دو حصّے نقل کر کے ان کی بناء پر اپنی کتاب میں احادیث کے بارہ میں حضرت مرزا صاحب کے موقف پر بعض اعتراضات پیش کئے ہیں۔ جن کا جواب دینا ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حدیث کا مقام بیان کرتے ہوئے اس اقتباس میں لکھا ہے:۔

"ہمیں اپنے دین کی تمام تفصیلات احادیث نبویہ کے ذریعہ سے ملی ہیں۔ مثلاً یہ نماز جو پانچ وقت ہم پڑھتے ہیں گو قرآن مجید سے اس کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ مگر یہ کہاں سے ثابت ہوتا کہ صبح کی دو رکعت فرض اور دو رکعت سنت ہیں اور پھر ظہر کی

چار رکعت فرض اور چار سنت ہیں۔ اور مغرب کی تین رکعت فرض اور عشاء کی چار۔ ایسا ہی زکوٰۃ کی تفاصیل معلوم کرنے کے لئے ہم بالکل احادیث کے محتاج ہیں۔ اسی طرح ہزار ہا جزئیات ہیں جو عبادات اور معاملات اور عقود وغیرہ کے متعلق ہیں۔ اور ایسی ہیں کہ ان کا لکھنا صرف وقت کا ضائع کرنا اور بات کو طول دینا ہے"

پھر آگے چل کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا:۔

"میں زور سے کہتا ہوں کہ یہ ایک بڑا دھوکا ہوگا کہ اگر یہ خیال کر لیا جائے کہ صرف مدارِ ثبوت ان رکعات اور کیفیت نماز خوانی کا ان چند حدیثوں پر تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا اس تحقیق اور تفتیش سے پہلے لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے اور حدیثوں کی تحقیق اور راویوں کا پتہ ملنے کے بعد نمازیں شروع کرائی گئیں۔ بلکہ کروڑہا انسان اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔ اگر فرض کے طور پر حدیثوں کے اسنادی سلسلہ کا وجود بھی نہ ہوتا تو اس سلسلہ تعامل سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت تھا کہ نماز کے بارے میں اسلام کی تعلیم وقتاً بعد وقتٍ اور قرناً بعد قرنٍ یہی چلی آتی ہے"

اعتراض اوّل | ان دونوں اقتباسوں کو سامنے رکھ کر ملک صاحب یہ اعتراض کرتے ہیں:۔

"احادیث کی اور کوئی ضرورت ہو تو ہو کم از کم نماز سکھانے کے لئے کسی حدیث کی ضرورت نہ تھی۔ اس بارہ میں خود مرزا صاحب اصلی صورتِ حال سے ناواقف نہ تھے۔ لیکن ان کا طریق یہ ہے۔ کہ ایک دلیل کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے بھی اس کے اس حصہ پر انحصار کرنے میں کچھ عیب نہیں سمجھتے۔ جس سے ان کے دعوے کی تائید ہوتی ہو۔"

اعتراض کا جواب

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بحث و نظر میں جوابات دو قسم کے دیئے جاتے ہیں۔ جواب کا ایک طریق الزامی کہلاتا ہے۔ اور دوسرا تحقیقی۔ تحقیقی طریق میں مجیب مسئلہ کی اصل حقیقت کو پیش کرتا ہے۔ اور الزامی جواب اس لئے دیا جاتا ہے تاکہ مخاطب تحقیقی جواب سے فائدہ اٹھانے کی طرف متوجہ ہو کیونکہ بعض مخاطب الزامی جواب سے ساکت ہوئے بغیر اس اصل حقیقت کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے۔ جس کے وہ پہلے سے قائل نہ ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مولوی عبد اللہ صاحب چکڑالوی اور ان کے ہم خیال احادیث نبویہ کے سرے سے منکر تھے۔ بدیں وجہ انہیں احادیث کی جرح و تعدیل سے بھی کوئی سروکار نہ تھا۔ اور یہ لوگ امت کے تعامل عملی کو بھی کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے چنانچہ مولوی عبد اللہ صاحب اور ان کے ساتھیوں نے پانچ کی بجائے تین نمازیں اختیار کر رکھی تھیں۔ ان کے نزدیک قرآن مجید سے نمازیں

تین ہی ثابت تھیں اور احادیث جن میں نمازیں پانچ بیان کی گئی ہیں حجت نہ تھیں۔ انہوں نے ان کی رکعات بھی خود ہی تجویز کی تھیں۔ حضرت مرزا صاحب کو اس طرح کے منکرین حدیث سے بھی حدیث کی ضرورت منوانا تھی۔ اس لئے ایسے لوگوں کو سمجھانے کے لئے حضرت اقدس نے پہلے الزامی جواب کا طریق اختیار فرمایا۔ اور یہ بتایا کہ اگر منکرین حدیث حدیث کو نہ مانیں تو پھر نماز کی رکعتوں کے بارہ میں ان کے پاس کوئی شرعی ثبوت نہ ہوگا۔ کیونکہ جو شخص تعامل امت کا قائل نہ ہو۔ اور اسے حجت نہ جانتا ہو۔ اس کے پاس حدیث کا انکار کر کے نمازوں کی رکعات کی شرعی حیثیت کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہوگا۔ چونکہ امت کو عبادات کے بارے میں خود جوڑ توڑ کر کے شریعت بنانے کا حق نہیں اس لئے احادیث نبویہ کو شرعی حیثیت دیئے بغیر کوئی چارہ نہیں کیونکہ ان میں ہی نمازوں کی تعداد اور ان کی رکعات کی تعداد واضح طور پر بتائی گئی ہیں۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حدیث کی اصل حقیقت ثابت کرنے کے لئے نمازوں اور اس کی رکعات بلکہ دیگر عملی اور اعتقادی مسائل اسلامیہ کے متعلق ایک تحقیقی جواب دیا ہے اور بتایا ہے کہ نمازیں اور رکعات اور اسی طرح دیگر مسائل عملیہ اور اعتقادیہ اکثر تعامل فعلی اور قولی سے ثابت ہیں۔ نماز کا طریق اور دیگر اعتقادی اور عملی مسائل ضرور بہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں لاکھوں آدمیوں کو سکھا دیئے تھے۔ اور پھر ان کے بعد آئندہ نسل در نسل میں

اولاد آباء سے یہ باتیں سیکھتی چلی آئی ۔ یہ تعامل حدیثوں کے جمع ہونے سے بہت پہلے امت میں جاری تھا ۔ اور یہ تعامل اس بات کے لئے قطعی دلیل ہے ۔ کہ ہماری عبادات وغیرہ کا موجودہ طریق وہی ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے سکھایا تھا ۔ اور اپنے سامنے امت سے عمل کرا کر اسے محفوظ کر دیا تھا پھر نسلاً بعد نسلٍ متوارث طور پر یہ تعامل امت میں جاری رہا ۔ یہ تعامل اسناد کا محتاج نہ تھا ۔ اور زبردست تواتر رکھنے کی وجہ سے قطعی اور یقینی تھا اس تعامل کے بعد محدثین کو شوق پیدا ہوا کہ تعامل سے ثابت شدہ امور کو اسناد کے لحاظ سے بھی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچائیں ۔ اس طرح حدیثیں جمع ہو گئیں ۔ جو اس تعامل کی صحت پر ایک تائیدی گواہ کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ ان احادیث نے تعامل کے معاملہ کو نورٌ علیٰ نور بنا دیا ہے ۔ پس تعاملِ قولی یا فعلی ان احادیث کا مددگار ہے ۔ کیونکہ وہ ان کی صحت کو ثابت کر رہا ہے ۔ حضرت اقدس کے تحقیقی جواب سے اگر منکرینِ حدیث تعامل کی یہ قوت مان لیں تو پھر انہیں عبادات کے طریق اور دیگر مسائل ضروریہ میں خود جوڑ توڑ کرنے کی بجائے تعامل کا طریق اختیار کرنا پڑے گا ۔ اور اس طرح ان حدیثوں کی صحت بھی جو تعامل کی مؤید ہیں ان پر خود بخود ثابت ہو جائے گی چنانچہ مثلاً عبادت کا جو طریق ہمیں تعاملِ امت سے ملا ہے ۔ اس کے بارہ میں احادیث جو بہت بعد میں جمع ہوئی ہیں ۔ اس تعامل کی مؤید پائی گئی ہیں ۔ اس طرح تعامل حدیثوں کی صحت کے لئے ایک زبردست معیار

ثابت ہو جاتا ہے۔ اور منکرین حدیث کے لئے حدیثوں کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہتا۔ پس ملک صاحب کا یہ اعتراض بالکل بےمعنی اور دور از حقیقت ہے کہ حضرت اقدس ایک دلیل کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے بھی اس کے دس حصے پر انحصار کرنے پر کچھ عیب نہیں سمجھتے جس سے ان کے دعوے کی تائید ہوتی ہو یا یہ کہ حضرت اقدس کی ان دونوں دلیلوں میں کوئی حقیقی تضاد موجود ہے۔ بلکہ درحمل یہ دونوں دلیلیں اپنی اپنی ایک بنیاد رکھتی ہیں۔

پہلی دلیل الزامی جواب ہے جو اپنے زمانہ کے منکرین حدیث کے طریق انکار اور ان کے عقائد کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر دیا گیا ہے۔ اور دوسرا جواب تحقیقی ہے۔ اگر کوئی تحقیقی جواب مان لے تو فبہا۔ اس طرح حدیثوں کا وہ خود بخود قائل ہو جائے گا۔ اور اگر وہ تعامل کو نہ مانے تو پہلے جواب کی رو سے ملزم ہے اسے خود شریعت بنانے کا کوئی حق نہیں۔ اس سے ہم یہ سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ تم نے نماز کا طریق اور تعداد رکعات خود کیوں ایجاد کی ہیں۔ اور تمہارا اپنا جوڑ توڑ حدیثوں کی موجودگی میں کس طرح مقبول ہو سکتا ہے۔

ملک صاحب نے ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی سے حضرت مسیح موعود کا وہ اقتباس بھی پیش کیا ہے جس میں آپ نے حدیث اور سنت میں فرق کیا ہے اور سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی روش کو قرار دیا ہے جو امت میں تعامل سے جاری ہے۔ اس تعامل کی حیثیت کو ملک صاحب نے

حضرت مرزا صاحب کے بیان کے مطابق درست مانا ہے مگر شہادۃ القرآن میں بیان کردہ تعاملِ قولی پر وہ معترض ہیں - چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

دُوسرا اعتراض تعامل کا تعلق صرف فعل ACTion سے ہے قول کے تعامل سے کیا مراد ہو سکتی ہے ....

ظاہر ہے عقیدۂ ظہور مسیح یا اس کے متعلق کوئی قول کسی اسلامی عبادت کا حصّہ نہیں - اگر اس امتیاز کو اٹھا دیا جائے تو سنت اور حدیث میں وہ فرق کہاں باقی رہ جاتا ہے - جو مرزا صاحب نے اتنی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے -

جواب تعامل کا تعلق صرف فعلی امور سے ہی نہیں ہوتا بلکہ عقیدہ اور خبر کے بیان میں بھی بلا اسناد جو تواتر قوم میں پایا جاتا ہے وہ ایک نوع کا تعامل ہی ہے - کیونکہ کسی عقیدہ یا خبر کا نسلاً بعد نسلٍ قوم کا بیان کرتے چلے آنا بھی ایک فعل اور عمل ہی ہے - اسی بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے خبر و عقیدہ کے بیان کے تعامل کو تعامل قولی کا نام دیا ہے - کیونکہ کسی اعتقادی امر یا پیشگوئی کو ہزارہا لوگوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سننا اور پھر اپنی آئندہ نسلوں کو اس خبر کا پہنچاتے چلے جانا اور ان نسلوں کا اس عقیدہ پر قائم ہوتے چلے جانا بھی امت کا ایک تعامل ہے - چونکہ یہ خبر اور بیان خبر پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اس تعامل پر تعاملِ قولی کا اطلاق بالکل درست اور بجا ہے -

حدیث، سنت یعنی حدیث اور تعاملِ قولی و فعلی میں جو فرق ہے۔ وہ اپنی جگہ قائم ہے۔ صحیح حدیث ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے قول، فعل اور تقریر کو سمجھتے ہیں۔ جو متدیّن راویوں کے اسناد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی گئی ہو۔ لیکن تعاملِ قولی و فعلی میں اسناد راویوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچایا جاتا۔ بلکہ صرف اس قول و عقیدہ اور عمل کا امت کے اندر شہرت اور تواتر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ نزولِ مسیح کا عقیدہ بھی ایک ایسا عقیدہ ہے جو احادیث نبویہ کے علاوہ تعاملِ قولی سے بھی ثابت ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے تمام فرقوں میں اور تمام دور دراز ممالک میں نزولِ مسیح کی پیشگوئی شہرت رکھتی ہے۔ چنانچہ سُنّی اور شیعہ جو باہم ایک دوسرے کی کتبِ حدیثوں پر اعتماد نہیں رکھتے وہ بھی نزولِ مسیح کے عقیدہ میں متفق ہیں۔ پس نزولِ مسیح کا عقیدہ قدرِ مشترک کے طور پر امتِ محمدیہ کے تعاملِ قولی سے ثابت ہے۔ احادیث میں جو اس کی تفاصیل بیان ہوئی ہیں وہ اس تعاملِ قولی کی مؤید ہیں۔ احادیث نبویہ اس عقیدہ کے پیش کرنے میں اصل کی حیثیت نہیں رکھتیں بلکہ ایک زائد تصدیق کی حیثیت رکھتی ہیں۔

تیسرا اعتراض تیسرا اعتراض ملک صاحب کے الفاظ میں یہ ہے کہ

"اگر کوئی حدیث شہادت کی میزان پر پوری اترتی ہے تو

ماننا پڑے گا۔ کہ اس میں دی ہوئی خبر وہی قول ہے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا۔ اور صحابہ، تابعین اور محدثین کے ذریعہ ہم تک پہنچ گیا۔ اس صورت میں اس پر بلاچون وچرا اور من وعن ایمان لانا چاہیئے۔ اس کے برعکس اگر روایت اور درایت کے اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ ثابت نہ ہو کہ یہ روایت صحیح ہے تو اس صورت میں اس کا کوئی حصہ بھی قابل قبول نہ ہوگا۔ کیا یہ انتہائی ظلم نہیں ہوگا۔ کہ احادیث کو تو رد کر دیا جائے لیکن ان میں بیان کئے ہوئے بعض الفاظ کو اپنے سیاق وسباق سے علیحدہ کر کے ایک عجیب وغریب دعویٰ کی دلیل ٹھہرا لیا جائے۔ بعینہٖ یہی عمل مرزا غلام احمد صاحب نے احادیث کے ساتھ کیا ہے۔ انہوں نے ایک طرف تو احادیث کو رطب ویابس کا مجموعہ قرار دیا ہے اور دوسری طرف اس مجموعہ میں سے مفرد الفاظ لے کر ان کو اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کیا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مرزا صاحب نے حدیث میں سے دجال، مسیح، دمشق، منارہ بیضاء وغیرہ چند الفاظ لئے ہیں اور ان کو کھینچ تان کر جو معنے اپنے حالات کے مناسب معلوم ہوتے ہیں کر دیئے ہیں۔ اور احادیث کے اصل مضمون کو رد کر دیا ہے۔ مرزا صاحب کیلئے

اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے یہ رویہ ضروری تھا۔ لیکن ہمارا سوال جماعت احمدیہ کے نوجوانوں سے ہے کہ وہ کیوں خالی الذہن ہو کر معاملہ کو نہیں سوچتے۔ احادیث کے معتقدین کا مسلک سمجھ میں آسکتا ہے۔ اور اس طرح اس کا انکار کرنے والوں کا موقف بھی قابل فہم ہے۔ آپ ان میں سے کسی فریق کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ لیکن یہ راہ اختیار کرنا کیونکر جائز ہے۔ کہ احادیث کا انکار کرتے ہوئے ان پر ہی اپنے عقیدے کی بنیاد قائم کی جائے۔"

(احمدیہ تحریک ص۱۳۵ تا ص۱۳۶)

پھر لکھتے ہیں :۔

"نزولِ مسیح کی نسبت احادیث کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا موقف بالکل ناقابلِ فہم ہے۔ یہ لوگ نہ ان حدیثوں کو مانتے ہیں اور نہ ان سے انکار کرتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے احادیث کے انکار و اقرار سے مرزا غلام احمد صاحب کے دعوےٰ کی تردید ہوتی ہے اور جماعت احمدیہ کا وجود باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر احادیث سے انکار کر دیا جائے تو کسی مسیح یا مہدی پر ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر حدیثوں میں بیان کی ہوئی خبر صحیح ہے۔ تو پھر آپ کو ان آثار کا انتظار کرنا چاہیئے۔ جو نزولِ مسیح کی ضمن میں بیان ہوئے ہیں۔ اس صورت

ہیں آپ ہمیشہ انتظار کرتے رہیں گے"۔

(احمدیہ تحریک ص ۱۳۶-۱۳۷)

الجواب ملک صاحب کا یہ بیان درست نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نزولِ مسیح سے متعلق بخاری شریف میں بیان شدہ دونوں حدیثوں کو پورے طور پر اپنے اوپر چسپاں کیا ہے۔ ان میں سے ایک حدیث کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم ہے۔ اور دوسری حدیث لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً یکسر الصّلیب و یقتل الخنزیر ویضع الحرب ہے۔ دوسری حدیث میں یکسر الصلیب کے الفاظ قطعی طور پر مسیح موعود کے زمانہ کی بھی تعیین کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں مسیح موعود کی آمد کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ کہ وہ عیسائیت کے غلبہ کے وقت ظاہر ہوگا۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح مرفوع متصل ہیں۔ اور روایت و درایت کے لحاظ سے ان پر کوئی ایسی جرح نہیں ہو سکتی۔ جو ان کو ضعیف ٹھہرا دے۔ البتہ صحیح مسلم کی حدیث جو نواس بن سمعان سے باب خروج الدجّال میں مروی ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے جرح کر کے ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے الفاظ کے ظاہری معنوں میں قرآن کریم کی آیات بینات کے خلاف معلوم ہوتی ہے مگر اس حدیث کو بھی باوجود اس کے ضعف کے آپ نے ردّ نہیں فرمایا۔ اور یہ طریق آپ

کا نا قابلِ فہم نہیں ہے ۔ حدیثوں کے بارے میں آپ کا مسلک یہ ہے ۔ کہ جو مضمون قدرِ مشترک کے طور پر احادیث میں آیا ہے ۔ اور امت کا تعامل اس قدرِ مشترک پر شاہد ہے ۔ اس قدرِ مشترک کو بہر حال قبول کر لینا چاہیئے جیسا کہ قبل ازیں آپ شہادۃ القرآن کے اقتباس میں آپ کے مسلک کا ذکر ملاحظہ کر چکے ہیں ۔

ملک صاحب نے لکھا ہے :۔

"کیا آپ کسی جج کے لیے یہ بات حق بجانب قرار دیں گے کہ وہ گواہ کی شہادت تو رد کر دے ۔ لیکن اس کے بیان کے کچھ الفاظ لے کر ان سے از خود ایک کہانی مرتب کرے ۔"

(احمدیہ تحریک صفحہ ۱۳۵)

لیکن ملک صاحب غور کریں کہ نزولِ مسیح کی حدیثوں کے متعلق ایسا نہیں ہوا ۔ کہ اصل شہادت رد کر دی گئی ہو ۔ کہ اگر ایک جج کے سامنے ایک واقعہ کے متعلق دو گواہ پیش ہوں ۔ لیکن ایک گواہ اصل واقعہ کے ساتھ بعض اور تفصیلات شامل کر کے بیان کرے ۔ جو جج کے نزدیک غلط لحاظ سے قابل قبول نہ ہوں ۔ تو کیا اس سے وہ جج اصل واقعہ کے وقوع میں آنے سے بھی انکار کر دے گا جو کئی گواہوں کے بیانات سے بطور قدرِ مشترک ثابت ہو چکا ہو ۔ نزولِ مسیح یا خروجِ دجال سے متعلقہ حدیثوں کی خبر کا ایسا ہی حال ہے ۔ ان میں نزولِ مسیح یا خروجِ دجال کی خبر بطور قدرِ مشترک موجود ہے ۔ صرف تفصیلات

میں بعض حدیثوں کے راویوں نے کچھ ایسی باتیں بیان کی ہیں جو بظاہر قرآن مجید یا کسی اور صحیح حدیث سے تعارض رکھتی ہیں تو ان تفصیلات کا انکار کرنے یا ان کو حوالہ بخدا کرنے کے ساتھ اصل پیشگوئی کے قدر مشترک کے صحیح ہونے سے انکار ہرگز درست نہیں ہوگا۔

حضرت مرزا صاحب ازالہ اوہام میں فرماتے ہیں :۔

ماسوا اس کے پیشگوئیوں میں ایک قدر مشترک بہرحال ایسا باقی رہتا ہے کہ خواہ وہ حقیقت پر محمول سمجھی جائیں یا بالآخر کوئی مجازی معنی نکل آئیں وہ قدر مشترک بدیہی طور پر ظاہر کر دیتا ہے۔ کہ پیشگوئی درحقیقت سچی اور انسانی طاقتوں سے بالاتر ہے۔

(ازالہ اوہام ایڈیشن اول صفحہ ۲۰۰)

لہذا اگر درایۃً نواس بن سمعان والی صحیح مسلم کی روایت نزول مسیح کے متعلق ضعیف بھی ہو اسے دوسری احادیث کے بیان کردہ قدر مشترک میں مردود قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ اس کے قدر مشترک کو دوسری حدیثوں کے مضمون کا موید ہی قرار دیا جائے گا یا دوسری حدیثوں کو اس کے قدر مشترک کا موید سمجھا جائے گا۔ پس اگر کسی حدیث کے ظاہری الفاظ آیات قرآنیہ یا صحیح حدیث کے معارض ہوں تو بھی حضرت مسیح موعود کا یہ طریق نہیں کہ اسے فوراً رد کر دیں۔ بلکہ آپ کا مسلک یہ ہے۔ (اور یہی درست بھی ہے اور محدثین کا مسلمہ بھی) کہ سب سے پہلے اس کے مضمون کی ایسی توجیہہ اور تاویل کی جائے جس سے وہ قرآن کریم اور

اور احادیث صحیحہ کے معارض اور درایت کے خلاف نہ رہے۔ بیشک ازالہ اوہام میں نواس بن سمعان کی روایت کا وہ حصہ جو نزول مسیح سے متعلق ہے اسے آپ نے اپنے اوپر چسپاں کیا ہے اور اس کا ایک حصہ جو دجّال کے متعلق تھا۔ اس کی بعض باتوں کو لے کر آپ نے دجّال کی حیثیت پر روشنی ڈالی ہے۔ مگر یہ ساری حدیث چونکہ آئندہ زمانہ کے قیامت تک کے واقعات سے تعلق رکھتی تھی۔ اس لئے جو واقعات اس حدیث کے آئندہ زمانہ سے تعلق رکھتے تھے ان کی کوئی توجیہہ قبل از وقت بیان کرنا ضروری نہ تھا۔ کیونکہ اس میں غلطی کا احتمال ہو سکتا تھا۔ اس نشان کی تعبیر و توجیہہ کو آپ نے واقعات کے ظہور پر چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا ملک صاحب کا اس کے یہ معنی لینا ہرگز درست نہیں کہ آپ اس حدیث کے ایک حصہ کو مانتے ہیں اور دوسرے کو رد کرتے ہیں۔ ملک صاحب کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب نے حدیث میں سے دجّال، مسیح، دمشق، منارۂ بیضاء وغیرہ چند الفاظ لئے ہیں۔ اور انہیں کھینچ تان کر اپنے مفید مطلب معنی کئے ہیں درست نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود نے صحیح بخاری کے نزول مسیح کے متعلق دونوں حدیثیں اپنے اوپر پوری کی پوری چسپاں کی ہیں۔ نواس بن سمعان کی روایت میں سے بھی نزول مسیح کے حصے کو جو آپ کے دعویٰ سے تعلق رکھتا تھا آپ نے ازالہ اوھام میں اپنے اوپر چسپاں کیا ہے۔ ملک صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"اگر احادیث میں بیان کی ہوئی خبر صحیح ہے تو پھر اُن کو ان

آثار کا انتظار کرنا چاہیئے جو نزولِ مسیح کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں۔ اور اس صورت میں آپ ہمیشہ انتظار کرتے رہیں گے"۔
بے شک اگر نواس بن سمعان والی روایت (جو نزولِ مسیح سے متعلق ہے) یا بعض دوسری روایات کو جن کے بعض حصّے تاویل طلب ہیں۔ ظاہر پر ہی محمول کیا جائے تو پھر جو لوگ پیشگوئیوں کو بھی ہمیشہ ظاہر پر ہی حمل کرنا ضروری سمجھتے ہیں ہمیشہ مسیح موعود کی آمد کے انتظار میں ہی رہیں گے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ کا مسلک تو یہ نہیں کہ پیشگوئیوں کے جو حصّے تعبیر طلب ہیں ان کو بھی بالضرور ظاہر پر ہی محمول کیا جائے۔ اس لئے ہمارے مسلک کے لحاظ سے ملک صاحب کا یہ ریمارک درست نہیں۔
ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حدیثوں میں جو پیشگوئیاں نزولِ مسیح یا آخری زمانہ کے حوادث سے متعلق ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی خفی کے ذریعہ منکشف ہوتی ہیں نہ وحی متلو کے ذریعہ (جو قرآن مجید کی وحی ہے) وحی خفی اکثر مکاشفات پر بھی مشتمل ہوتی ہے۔ کیونکہ وحی کے تین طریقے ہی قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں جیسا کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الّا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولاً کہ خدا کسی بشر سے صرف تین طریق سے کلام کرتا ہے۔ اوّل بات کا دل میں ڈالنا۔ دوئم پردے کے پیچھے سے یعنی مکاشفات کے ذریعہ یا آواز فرشتہ کے مشاہدہ کئے بغیر

سننا سوم فرشتہ بھیج کر۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک نزولِ مسیح اور خروج دجال سے متعلقہ پیشگوئیاں بھی از قبیل مکاشفات نبویہ ہیں جو تاویل اور تعبیر طلب ہیں۔ اور تعبیر ان کی خود واقعات کھولتے ہیں۔ اگر ایسی کسی حدیث میں یہ ذکر موجود نہ بھی ہو کہ یہ مکاشفہ ہے لیکن چونکہ اس کا ماخذ وحی خفی ہی ہے اور وہ ظاہر پر حمل کی ہی نہ جاسکتی ہو تو اس کو مکاشفہ قرار دینا ضروری ہوگا اور اس کی مناسب تاویل کی جائے گی یا اس کی تاویل کو واقعات کے ظہور پر چھوڑا جائے گا۔ مکاشفات کو ظاہر پر محمول کرنے پر ہی زور دینا یعنی ان کا ظاہر پر حمل قطعی قرار دینا اور اس پر اصرار کرنا درست راہ نہیں۔ دیکھئے بخاری شریف میں کتاب الزکوٰۃ باب الصدقہ میں ایک حدیث ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے آپ کی ازواج مطہرات نے پوچھا کہ "اینا اسرع بك لحوقا" ہم میں سے کون پہلے آپ سے ملیگی وفات پائے گی۔ آپ نے جواب دیا کہ "اطولکن یدا" کہ جس کے ہاتھ تم میں سے زیادہ لمبے ہوں گے۔ اس کے بعد لکھا ہے "فاخذوا قصبۃ یذرعونھا" کہ ایک نرسل سے کر ہاتھ ناپنے لگے "فکانت سودۃ اطولھن یدا" تو حضرت سودہ کے ہاتھ سب سے لمبے پائے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "فعلمنا بعد انما کان طول یدھا الصدقۃ" اور صحیح مسلم میں حضرت

عائشہؓ سے مروی ہے " کانت زینب اطولنا یداً الّا انھا کانت تعمل تتصدق"، کہ یہ بات ہمیں بعد میں معلوم ہوئی کہ ہاتھوں کی لمبائی سے مراد ظاہری لمبائی نہ تھی۔ بلکہ صدقہ و خیرات دینا تھی (صحیح مسلم میں ہے)، کہ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا زینب رضی اللہ عنہا کے ہاتھ ہم میں سے (اسی لحاظ سے) زیادہ لمبے تھے کہ وہ ہاتھ سے کام کرکے صدقہ دیا کرتی تھیں۔ اب یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ اطولکن یداً کی پیشگوئی جب بیان کی گئی۔ تو اس وقت وہ ظاہر پر ہی محمول کی گئی۔ لیکن بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ درحقیقت یہ پیشگوئی تعبیر طلب تھی۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ اس کا ماخذ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی مکاشفہ ہی تھا۔ اور یہ استعارہ پر مشتمل تھی۔ یہی حال نزول مسیح کی احادیث کا ہے۔ خصوصاً دمشق میں منارہ کے پاس مسیح کے نازل ہونے والی حدیث کا۔ جس کے متعلق ابن عساکر کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رایتُ کا لفظ رکھ کر خود اس کے مضمون کو رویاء قرار دیا ہے۔ پھر دجال کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مندرجہ بخاری میں آیا ہے۔ کہ ابن صیاد کے دجّال ہونے پر حضرت عمرؓ قسمیں کھاتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی چھپ کر ابن صیاد کی حالت دیکھتے تھے۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو اس کے دجّال کہنے پر منع نہیں فرمایا۔ بلکہ یہ کہا کہ تم اس کے قتل پر قادر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ دجّال کو مسیح قتل کرے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ

اس میں تو دجّال کی ظاہری علامات موجود نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ دجال کی تمام علامات کو ظاہر پر حمل کرنے کے لئے آپ مصر نہ تھے۔

بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ علامت بتائی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اعور نہیں مگر دجال داہنی آنکھ سے اعور ہے۔ جیسے کہ ابن قطن کی حالت ہے۔ لیکن اس علامت کے بیان کرنے کے باوجود ابن صیاد میں یہ علامت بظاہر موجود نہ ہوتے ہوئے بھی آپ نے حضرت عمرؓ کو ابن صیاد کو دجّال قرار دینے پر اصرار کرنے سے منع نہیں فرمایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دجال کے متعلق پیشگوئی کی تفصیلات کا ظاہر پر حمل کیا جانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ پھر بے شک دجّال کی حدیث میں یہ آیا ہے کہ اس وقت دن ایک ہفتے کا ہوگا۔ اور مہینہ سال کے برابر ہوگا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب ایسے زمانہ میں نمازوں کے اوقات کے متعلق سوال ہوا۔ تو آپ نے اس وقت ظاہر پر حمل کرتے ہوئے بھی جواب دیا کہ اس زمانہ میں وقت کا اندازہ کر لینا۔ مگر یہ اجتہاد آپ کا صرف ایک احتمالی صورت فرض کرکے ہے کہ اگر وقت میں ظاہراً یوں ہی تبدیلی واقع ہو جائے تو پھر نمازوں کے اوقات کیلئے اندازہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ لیکن اس بات کا امکان پھر بھی موجود ہے کہ دجّال کے بارے میں پیشگوئی کی تفصیلات بلحاظ تفسیر آپ پر اس وقت موبمو منکشف نہ ہوئی ہوں۔ کیونکہ پیشگوئیوں کی

اصل تعبیر کا فوراً انکشاف ضروری نہیں۔ بلکہ اصل تعبیر در اصل خود
واقعات اپنے ظہور پر پیش کرتے ہیں۔ اور اس سے پہلے محض
قیاس سے ہی کام لیا جاسکتا ہے۔ دیکھئے ازواج مطہرات نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے ہاتھ ماپے جس پر اخذ وا
قصبۃ اور یذ دعون کے مذکرے صیغے شاہد ہیں جو آپ کی موجودگی
کی وجہ سے استعمال کئے گئے ہیں۔ مگر آپ نے ہاتھ ناپنے سے
ازواج مطہرات کو منع نہ فرمایا۔ اور یہ نہ کہا اطولکن یدا کے
الفاظ کو کیوں ظاہر پر محمول کرتی ہو۔ آپ کے سامنے ہاتھوں کا ناپا
جانا ایک حدیث تقریری کی حیثیت رکھتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ
اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ظاہری معنی کا امکان
سمجھتے ہوں۔ اس لئے آپ نے ہاتھ ناپنے سے منع نہ فرمایا۔ لیکن
بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک
پیشگوئی کے یہ الفاظ تعبیر طلب تھے۔ اور لمبے ہاتھوں سے مراد
ظاہری لمبائی نہ تھی۔ بلکہ سخاوت تھی۔ کیونکہ وفات پہلے لمبے ہاتھوں
والی کی نہ ہوئی۔ بلکہ زیادہ صدقہ دینے والی کی ہوئی۔ یہی حال
دجال کی حدیث کے اس حصہ کے بارہ میں ہے جو زمانہ کی کمی بیشی
سے تعلق رکھتی ہے یا اس کے اعور ہونے سے تعلق رکھتی ہے
ان دو باتوں کو ملک صاحب نے نمایاں طور پر اس غرض سے اپنی
کتاب میں پیش کیا ہے۔ کہ اگر یہ حدیثیں صحیح ہیں تو ان حدیثوں

کو ان دونوں باتوں کے لحاظ سے ظاہر پہ ہی محمول کرنا چاہیئے۔ مگر درایتہً چونکہ یہ حدیث ظاہر پہ محمول نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ حدیث ہی جھوٹی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں۔ مگر حضرت مرزا صاحب حدیثوں کا انکار کرنے میں اپنے مسلک کے مطابق ایسی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ نفس پیشگوئی کو درست سمجھتے ہوئے اس کی تعبیر کو واقعات کے حوالہ کرتے ہیں۔ کیونکہ بہت ممکن ہے وہ خدا کے نزدیک استعارات پر مشتمل ہو۔ اور تعبیر طلب ہو۔ فقہاء نے تسلیم کیا ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد یجتھد فیکون خطاءً (براس شرح الشرح لعقائد النسفی ص ۳۹۲) کہ اجتہاد میں نبی کریم سے بھی کبھی خطا ہو جاتی تھی۔ پس بعض صورتوں میں اصل تعبیر پیش گوئیوں کی خود واقعات ہی کیا کرتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا۔ کہ آپ مکہ سے ایک کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت فرما رہے ہیں۔ مگر حضور فرماتے ہیں :-

"فذھب وھلی انھا الیمامۃ او الھجر فاذا ھی مدینۃ یثرب" (بخاری شریف کتاب الرؤیا)

کہ میرا خیال اس طرف گیا کہ یہ دار الہجرت یمامہ یا ہجر ہو گا لیکن ہجرت ہوئی۔ تو دار الہجرت یثرب یعنی مدینہ منورہ نکلا۔ پس پیشگوئیوں کی تشریح و تعبیر میں ضروری نہیں کہ نبی کا ہر اجتہاد ضرور درست ہی ہو۔ بلکہ اصل تعبیر اس کی وہی ہوگی جو خود واقعات

کریں گے۔ پیشگوئیوں کے بارہ میں یہی راہ اعتدال کی راہ ہے۔ جس سے احادیث نبویہ کی پیشگوئیاں درست ثابت ہوتی ہیں۔ احادیث نبویہ کی پیشگوئیوں کے اندھا دھند انکار کی راہ جس پر ملک صاحب چل رہے ہیں یا لوگوں کو چلانا چاہتے ہیں درست نہیں کیونکہ اس سے ایک بہت بڑا علمی خزانہ جو قیامت تک کے واقعات سے تعلق رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا ہے۔ اگر ملک صاحب کا یہ طریق درست ہو تو پھر ملک صاحب کو قرآن مجید کی ان پیشگوئیوں کا بھی انکار کر دینا پڑے گا جو استعارات پر مشتمل ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید ان کے نزدیک بھی قطعی اور یقینی طور پر خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ پس جب کہ خدا تعالیٰ کے کلام متلو میں بھی بعض پیشگوئیاں استعارات یا مضمون کے اجمالی بیان پر مشتمل ہیں اور تاویل اور تشریح چاہتی ہیں۔ تو احادیث نبویہ کی پیشگوئیوں کا صرف اس بناء پر انکار کرنا زیبا نہیں کہ ان میں سے بعض ان کے نزدیک اپنے ظاہری الفاظ میں پوری نہیں ہو سکتیں یا اپنے ظاہری الفاظ میں معارض قرآن ہیں کیونکہ جب وہ تاویل و تعبیر سے معارض قرآن نہ رہیں تو پھر ان کی صحت میں شک کرنا جائز نہیں خصوصاً جب کہ ایسی حدیثیں تعامل قولی یا تعامل فعلی کے سلسلہ میں بھی داخل ہوں۔ یا قرآن کریم سے بھی تصدیق یافتہ ہوں۔ پس پیشگوئیوں پر مشتمل احادیث چونکہ مکاشفات کی قبیل

یں ہونے کی وجہ سے استعارات سے پُر ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کے ہر حصے کا ظاہر پر حمل کرنا درست نہیں۔ پیشگوئیوں کا معاملہ دراصل رویائے صالحہ کی طرح ہے جس طرح ایک خواب یا تمام کی تمام تاویل طلب ہوتی ہے یا اس کے بعض حصے عنداللہ ظاہر پر محمول ہوتے ہیں اور بعض حصے تعبیر طلب ہوتے ہیں۔ یہی حالت پیشگوئیوں کی ہوتی ہے۔ میں اس جگہ مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ نواس بن سمعان والی حدیث کے متعلق خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض اقتباسات درج کر دوں جن میں آپ نے اس حدیث کو قبول کرتے ہوئے اس کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں "سو اے بھائیو یقیناً سمجھو کہ اس حدیث اور ایسا

ہی اس کی امثال کے ظاہری معنے ہرگز مراد نہیں ہیں اور قرائن قویہ ایک شمشیر برہنہ لے کر اس کوچہ کی طرف جانے سے روک رہے ہیں۔ بلکہ یہ تمام حدیث ان مکاشفات کی قسم میں سے ہے جن کا لفظ لفظ تعبیر کے لائق ہوتا ہے۔ جیسا کہ میں ایک دوسری مسلم کی حدیث لکھ کر ابھی ثابت کر آیا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اقرار اس بات کا فرماتے ہیں۔ کہ یہ سب بیانات میرے مکاشفات میں سے ہیں۔ اور اسی دمشقی حدیث میں بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کانی کا

لفظ موجود ہے۔ وہ بھی بلند آواز سے پکار رہا ہے کہ یہ سب باتیں عالم رویا اور کشف میں سے ہیں۔ جن کی مناسب طور پر تاویل ہونی چاہیئے۔ چنانچہ ملا علی قاری نے بھی یہی لکھا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کا قانون قدرت جو موافق آیۃ کریمہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا (پ۵) انسان کی کمزوری پر شاہد ناطق ہے۔ کسی آدم زاد کے لیئے ایسی قوت و طاقت تسلیم نہیں کرتا کہ وہ ہوا کی طرح ایک دم میں مشارق و مغارب کا کل سیر کر سکے اور آسمان کے سب اجرام اور زمین کے سب ذرات اس کے تابع ہوں۔ تعجب ہے کہ جب خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مضمون اس حدیث کا از قبیل کشوف و رویائے صالحہ ہے۔ یعنی قابل تعبیر ہے۔ تو پھر کیوں خواہ مخواہ اس کے ظاہر معنوں پر زور ڈالا جاتا ہے۔ اور کیوں خوابوں کی طرح اس کی تعبیر نہیں کی جاتی یا کشوف متشابہ کی طرح اس کی حقیقت حوالہ بخدا نہیں کی جاتی۔ ذکریا کی کتاب کو دیکھو جو ملاکی سے پہلے ہے کہ کس قدر اس میں اسی قسم کے مکاشفات بھرے ہیں۔ مگر کوئی دانشمند ان کو ظاہر پر حمل نہیں کرتا۔ ایسا ہی حضرت یعقوب کا خدا تعالےٰ سے کشتی کرنا جو توریت میں لکھا ہے۔ کوئی عقلمند اس کشف کو حقیقی معنی پر حمل نہیں کر سکتا۔

سوائے بھائیو میں محض نصیحتاً للہ پوری ہمدردی کے جوش سے جو مجھے آپ سے اور اپنے پیارے دین اسلام سے ہے آپ لوگوں کو سمجھاتا ہوں کہ آپ لوگ غلطی کر رہے ہیں اور سخت غلطی کر رہے ہیں کہ محض تحکّم کی وجہ سے مکاشفات نبویہ کو صرف ظاہری الفاظ پر محدود خیال کر بیٹھے ہیں۔ یقیناً سمجھو کہ ان باتوں کو حقیقت پر حمل کرنا گویا اپنی ایمانی عمارت کی اینٹیں اکھیڑنا ہے میں متعجب ہوں کہ اگر آپ استعارات کو قبول نہیں کر سکتے تو کیوں ان امور برتر از فہم کی تفسیر کو حوالہ بخدا نہیں کرتے۔ اس میں آپ کا یا آپ کے دینی جوش کا کیا حرج ہے کس نے آپ پر زور ڈالا ہے یا کب اور کس وقت آپ کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایسی تاکید کی گئی۔ کہ ضرور ایسے الفاظ کو حقیقت پر ہی حمل کرو۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۹۹-۱۰۰ ایڈیشن اوّل صفحہ ۲۳۲-۲۳۴)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس نواس بن سمعان والی حدیث کو از قبیل مکاشفات سمجھ کر تعبیر طلب قرار دیتے ہیں۔ گویا تعبیر و تاویل کے لحاظ سے اس حدیث کو قبول کرنے میں آپ کو کوئی عذر نہیں۔ گو ظاہری معنوں پر یہ حدیث محمول نہیں ہو سکتی۔ مگر آپ اسے موضوع قرار دینے کے لئے تیار نہیں اس کی وجہ آپ

یہی بیان فرماتے ہیں۔

"مگر اب بڑی مشکلات یہ درپیش آتی ہیں کہ اگر ہم بخاری اور مسلم کی ان حدیثوں کو صحیح سمجھیں جو دجال کو آخری زمانہ میں اتار رہی ہیں تو یہ حدیثیں (ابن صیاد کو دجال قرار دینے والی۔ ناقل) ان کی موضوع ٹھہرتی ہیں اور اگر ان حدیثوں کو صحیح قرار دیں تو پھر ان کا موضوع ہونا ماننا پڑتا ہے۔ اگر یہ متعارض اور متناقض حدیثیں صحیحین میں نہ ہوتیں۔ صرف دوسری صحیحوں میں ہوتیں۔ تو شائد ہم ان دونوں کتابوں کی زیادہ تر پاس خاطر کر کے ان دوسری حدیثوں کو موضوع قرار دیتے۔ مگر اب مشکل تو یہ آپڑی ہے۔ کہ انہیں دونوں کتابوں میں یہ دونوں قسموں کی حدیثیں موجود ہیں۔ ماسوا اس کے پیشگوئیوں میں ایک قدر مشترک بہرحال ایسا باقی رہتا ہے کہ خواہ وہ حقیقت پر محمول سمجھی جائیں یا بالآخر کوئی مجازی معنی نکل آئیں وہ قدر مشترک بدیہی طور پر ظاہر کر دیتا ہے۔ کہ یہ پیشگوئی درحقیقت سچی اور انسانی طاقتوں سے بالاتر ہے"

(ازالہ اوہام ایڈیشن صفحہ۱۸۲ ایڈیشن کلاں صفحہ ۱۹۸)

"یہ سراسر نادانی کی عقیدہ ہے۔ کہ ایسا خیال کیا جائے کہ خواہ نخواہ پیشگوئی حقیقت پر محمول ہوا کرتی ہے جس نے

یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں کو دیکھا ہوگا۔ وہ اس بات کو خوب جانتا ہوگا۔ کہ کس قدر پیشگوئیوں میں استعارات ان کی کتابوں نے استعمال کئے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مواضع میں دن کا ذکر کر کے اس سے برس مراد لیا ہے؟

درحقیقت پیشگوئیاں از قبیل مکاشفات ہوتی ہیں اور اس چشمہ سے نکلتی ہیں جو استعارات کے رنگ سے بھرا ہوا ہے۔ اپنی خوابوں کو بھی دیکھو کیا کوئی سیدھے طور پر بھی خواب آتی ہے مگر شاذ و نادر۔ ایسا ہی خدا تعالےٰ نے مکاشفات کو استعارات کی خلعت سے آراستہ کر کے اپنے نبیوں کی معرفت ظاہر کرتا ہے۔ سو اس عادت اللہ کے قبول کرنے کا نام الحاد رکھنا خود الحاد ہے کیونکہ الحاد اسی کو کہتے ہیں کہ ایک معنی اپنے اصل سے پھیرے جائیں۔ سو جب کہ خدا تعالےٰ کے قانون قدرت نے مکاشفات اور رویائے صالحہ کے لئے یہی اصل مقرر کر دیا ہے کہ وہ اکثر استعارات سے پُر ہوتے ہیں۔ تو اس اصل سے معنی کو پھیرنا اور یہ خواہش کرنا کہ ہمیشہ پیشگوئیاں ظاہر پر ہی محمول ہوتی ہیں۔ اگر الحاد نہیں تو اور کیا ہے۔ صوم اور صلوٰۃ کی طرح پیشگوئی کو بھی ایک حقیقت منکشف سمجھنا بڑی غلطی اور بڑا بھاری دھوکہ ہے۔ یہ احکام تو وہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ننے کر کے دکھلا دیئے - اور بکلی ان کا پردہ اٹھا دیا - مگر کیا ان پیشگوئیوں کے حق میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے - کہ یہ من کل الوجوہ مکشوف ہیں - اور ان میں کوئی حقیقت ایسی مخفی نہیں - جو ظہور کے وقت سمجھ آسکے - اگر کوئی ایسی حدیث صحیح موجود ہے تو کیوں پیش نہیں کی جاتی - آپ لوگ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم و فراست نہیں رکھتے - صحیح بخاری کی حدیث کو دیکھو کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ابریشم کے ٹکڑے پر حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کی تصویر دکھائی گئی کہ یہ تیرے نکاح میں آئے گی - تو آپ نے ہرگز یہ دعویٰ نہ کیا - کہ عائشہ سے درحقیقت عائشہ ہی مراد ہے - بلکہ آپ نے فرمایا کہ اگر درحقیقت اس عائشہ کی صورت سے عائشہ ہی مراد ہے تو وہ مل ہی رہے گی - ورنہ ممکن ہے کہ عائشہ سے مراد کوئی اور عورت ہو - آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ابو جہل کے لئے مجھے بہشتی خوشہ انگور دیا گیا - مگر اس پیشگوئی کا مصداق عکرمہ نکلا اور جب تک خدا تعالےٰ نے خاص طور پر تمام مراتب کسی پیشگوئی کے آپ پر نہ کھولے - تب تک آپ نے اس کی کسی شق خاص کا کبھی دعویٰ نہ کیا ۔

(ازالہ اوہام حصّہ اول تا حصّہ دوم کلاں صفحہ ۱۶۸-۱۶۹)

پس پیشگوئیوں کی صحیح توجیہات چونکہ واقعات کے ظہور

سے بھی وابستہ ہوتی ہیں - اور ان کا تعلق بعض اصول تعبیر اور خود ذوق سے بھی ہوتا ہے ۔

اس لئے نواس بن سمعان والی حدیث میں حضرت مسیح کے دمشق کے مشرق میں منارۃ البیضاء کے پاس دو زرد چادروں میں دو فرشتوں کے پروں پر نزول کی جو پیشگوئی ہے - اس میں سے دمشق سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قادیان لی ہے - کیونکہ جس طرح دمشق میں یزید الطبع اور یزید پلید کی عادات و خصائل والے لوگ رہتے تھے - یہی حال قادیان کے لوگوں کا تھا جن کے دلوں میں اللہ اور رسول کی محبت موجود نہ تھی اور انہوں نے اپنے نفس امارہ کو معبود بنا رکھا تھا - حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قادیان کے متعلق ایک الہام "اخرج منہ الیزیدیون" کہ اس میں یزیدی لوگ پیدا کئے گئے اس تاویل کا مؤید ہے اسی طرح "انا انزلناہ قریبا من القادیان" کا الہام بھی اس تعبیر کے لئے مؤید ہے - چونکہ ان ہر دو الہامات سے اس تاویل و تعبیر کے لئے صرف اشارات ملتے تھے اور خدا تعالیٰ نے آپ پر صراحت سے نہیں کھولا تھا - کہ دمشق میں کوئی مثیل مسیح پیدا نہیں ہوگا - بلکہ آپ کے الہامات میں ایک اور مثیل مسیح کے ظہور کی آپ کی ذریت میں سے ہونے کی خبر دی گئی تھی - اس لئے آپ نے لکھا :-

"اب اگرچہ میرا دعویٰ تو نہیں اور نہ ایسی کامل تصریح سے خدا تعالیٰ نے میرے پر کھولا ہے کہ دمشق میں کوئی مثیل مسیح پیدا نہیں ہوگا۔ بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ کسی آئندہ زمانہ میں خاص کر دمشق میں کوئی مثیل مسیح پیدا ہو جائے۔ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ اور وہ اس بات کا شاہد حال ہے کہ اس نے قادیان کو دمشق سے مشابہت دی ہے"

یہ عبارت جیسا کہ ملک صاحب خیال کرتے ہیں ہرگز اس بات پر دال نہیں کہ دمشق کی تاویل قادیان پر آپ کو پورا اعتماد نہ تھا۔ بلکہ اوپر کی عبارت کے خط کشیدہ الفاظ اس کے برعکس اعتماد پر صریح الدلالت ہیں۔ وہاں اپنے الہام کے پیش نظر آپ کسی اور مثیل مسیح کا دمشق میں آنا ناممکن نہیں سمجھتے تھے۔ اور احادیث کی بعض پیشگوئیوں کا ظاہری طور پر اس کے ذریعہ پورا ہونا ممکن سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

اگر ظاہر پر ہی ان بعض مختلف حدیثوں کو جو ہنوز ہماری حالت موجودہ سے مطابقت نہیں رکھتیں محمول کیا جائے، تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ان پیشگوئیوں کو اس عاجز کے ایک ایسے کامل متبع کے ذریعہ سے کسی زمانہ میں پورا کر دیوے جو منجانب اللہ مثیل مسیح کا مرتبہ رکھتا ہو اور ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے کہ متبعین کے

ذریعہ سے بعض خدمات کا پورا ہونا درحقیقت ایسا ہی ہے
گویا ہم نے اپنے ہاتھ سے وہ خدمات پوری کیں۔ بالخصوص
جب بعض متبعین فنا فی الشیخ کی حالت اختیار کر کے ہمارا ہی
روپ لے لیں اور خدا تعالےٰ کا فضل انہیں وہ مرتبہ ظلی طور پر
بخش دے تو اس صورت میں بلا شبہ ان کا ساختہ پرداختہ
ہمارا ساختہ پرداختہ ہے۔ کیونکہ جو ہماری راہ پر چلتا ہے وہ
ہم سے جدا نہیں۔ اور جو ہمارے مقاصد کو ہم میں ہو کر پورا
کرتا ہے وہ درحقیقت ہمارے ہی وجود میں داخل ہے اس
لئے وہ جزو اور شاخ ہونے کی وجہ سے مسیح موعود کی پیشگوئی
میں بھی شریک ہے۔ کیونکہ وہ کوئی جدا شخص نہیں۔ پس اگر
ظلّی طور پر وہ بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے مثیل کا نام پاوے
اور موعود میں بھی داخل ہو تو کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ گو مسیح موعود
ایک ہی ہے مگر اس ایک میں ہو کر سب موعود ہی ہیں۔ کیونکہ
وہ ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی مقصد موعود
کے روحانی یگانگت کی راہ سے متمِّم اور مکمِّل ہیں اور ان کو ان
کے پھلوں سے شناخت کرو گے ....

ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت
توراۃ میں بعض پیشگوئیاں ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
ہاتھ پر بلا واسطہ پوری نہیں ہو سکیں۔ بلکہ وہ بواسطہ ان خلفاء کرام

کے پوری کی گئیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور پیروی میں فانی تھے۔

اگر فرض کے طور پر یہ بھی تسلیم کر لیں کہ بعض پیشگوئیوں کا اپنی ظاہری صورت پر بھی پورا ہونا ضروری ہے۔ تو ساتھ اس کے یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیئے کہ وہ پیشگوئیاں ضرور پوری ہونگی اور ایسے لوگوں کے ہاتھ سے ان کی تکمیل کرائی جائے گی جو پورے طور پر پیروی کی راہوں میں فانی ہونے کی وجہ سے اور نیز آسمانی روح کے لینے کے باعث سے اس عاجز کے وجود کے ہی حکم میں ہوں گے۔ اور ایک پیشگوئی بھی جو براہین احمدیہ میں درج ہو چکی ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور وہ الہام یہ ہے:۔ یا عیسےٰ انی متوفیک ورافعک الیّ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ۔ اس مسیح کو بھی یاد رکھو جو اس عاجز کی ذریت میں سے ہے جس کا نام ابن مریم بھی رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس عاجز کو براہین میں مریم کے نام سے بھی پکارا ہے"

(ازالہ اوہام حصہ اول ۱۷۴ تا ۱۷۵)

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس پیشگوئی کے بارہ میں اس امر کا بھی امکان قرار دیا ہے۔ کہ دمشق کے مشرق میں منارۃ البیضاء کے پاس کسی وقت خود آپ یا آپ کے خلفاء میں

سے کسی خلیفہ کا نزول ہو۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ کے صفحہ ۳۷ میں لکھتے ہیں :۔

"ثم یسافر المسیح الموعود او خلیفۃ من خلفائہ الیٰ ارض دمشق"۔ (حمامۃ البشریٰ صفحہ ۳۷)

کہ پھر مسیح موعود خود یا اس کے خلفاء میں سے کوئی خلیفہ دمشق کی طرف جائے گا۔

چنانچہ سنہ ۱۹۲۴ء میں یہ پیشگوئی اس رنگ میں بھی پوری ہوگئی جب کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ دمشق میں گئے۔ اور آپ منارۃ بیضاء کے مشرق میں ایک ہوٹل میں اُترے پس اس طرح خدا تعالےٰ نے اس پیشگوئی کو اس دوسری تعبیر کے لحاظ سے بھی پورا کر دیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اور آپ کو سنہ ۱۹۴۴ء میں یہ الہام ہو گیا کہ انا المسیح الموعود ومثیلہ وخلیفتہ۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو بھی مسیح موعود کی پیشگوئی میں داخل قرار دے دیا۔

ملک صاحب کی طنز

ملک صاحب نے تاویل کے باب میں طنزاً لکھا ہے :۔

"ایک ضمنی سی لیکن عجیب بات یہ بھی بیان کئے دیتا ہوں کہ کشف کی بنا پر تو مرزا صاحب قادیان کو تقدس دے کر مکہ اور مدینہ کا ہمسر بنا رہے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے اپنے ہی ایک الہام

کی بنا پر اسی قادیان کو یزیدی صفت لوگوں کے پیدا ہونے کی جگہ بنایا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس کو شہر دمشق سے مشابہت دی ہے۔"

(احمدیہ تحریک ص۹۱)

الجواب واضح ہو کہ ایک ہی شہر میں بیک وقت مقدسوں اور ناپاکوں کا پایا جانا ناممکن نہیں۔ خود مدینہ میں جہاں مقدس انصار صحابہ کا گروہ پیدا ہوا۔ وہاں عبداللہ بن ابی جیسے منافقوں کے لیڈر اور اس کی پارٹی کا وجود بھی موجود تھا۔ پس ملک صاحب کی طنز میں کسی محقق کے لئے کوئی دلچسپی کا سامان موجود نہیں۔ کاش ملک صاحب نے ایسی طنزوں سے پرہیز کیا ہوتا۔

دجّال کون ہے دجال کی پیشگوئی کے متعلق حضور نے ایک دوسری حدیث نبوی کے لحاظ سے یہ توجیہہ فرمائی ہے کہ یہ عیسائی پادریوں اور متکلمین (فلاسفروں) کا گروہ ہے چنانچہ حضور ازالہ اوہام میں لکھتے ہیں:۔

"یہ ایک واقعہ مسلمہ ہے۔ کہ دجال معہود کے خروج کے بعد آنے والا وہی سچا مسیح ہے جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہو اور ضرور ہے کہ وہ دجّال معہود کے بعد نازل ہو۔ سو یہ عاجز دجّال معہود کے خروج کے بعد آیا ہے۔ پس اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ دجال معہود یہی پادریوں اور عیسائی متکلمین کا گروہ ہے جس نے زمین کو اپنے ساحرانہ کاروائیوں

ہے تہ و بالا کر دیا ہے اور جو ٹھیک ٹھیک اس وقت زور کے ساتھ خروج کر رہا ہے۔ تو ساتھ ہی اس عاجز کا مسیح موعود ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔"

ایک اعتراض

ملک صاحب اس عبارت کے متعلق بصورت اعتراض لکھتے ہیں:۔

"اپنے موضوع کی مناسبت کے لحاظ سے مرزا صاحب نے بعض جگہ تو دجال سے مراد انگریز قوم مراد لی ہے اور بعض جگہ پادریوں کا گروہ"۔ مرزا صاحب کے لئے کبھی اپنے دعویٰ مسیحیت کو ثابت کرنے کے لئے کسی نہ کسی دجال کو پیش کرنا ضروری تھا اس لئے جہاں حدیث میں مذکور دجال کے خوارق العادت کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اس سے مراد انگریز قوم لی ہے اور جہاں دجال کا مسلمانوں اور مسیح کے مقابلے کا ذکر آیا ہے۔ وہاں اس کو عیسائی پادریوں سے مختص کر دیا ہے"

(احمدیہ تحریک صفحہ ۹۲-۹۳)

الجواب

اس کے جواب میں واضح ہو کہ اس عبارت میں دجال کے متعلق اکٹھا یہ ذکر موجود ہے۔ کہ یہ پادریوں اور عیسائی متکلمین کا گروہ ہے۔ ملک صاحب کی یہ بات درست نہیں۔ کہ ایک جگہ تو پادریوں کو دجال کہا ہو اور دوسری جگہ ان کے متکلمین کے گروہ کو حضرت اقدس کی دجال کے متعلق یہ توجیہہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نواس بن سمعان

والی حدیث کے مطابق ہے ۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

جو شخص دجال کے فتنہ سے بچنا چاہے اُسے سورۃ کہف کی پہلی دس آئتیں اور پچھلی دس آئتیں پڑھنی چاہئیں۔

سورۃ کہف کی پہلی دس آیتوں میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝

یعنی اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو انذار کرتا ہے جنہوں نے کہا کہ خدا نے بیٹا بنالیا ہے نہ اس امر کا انہیں کوئی علم ہے اور نہ ان کے باپ دادوں کو یہ ناپسندیدہ بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے ۔ وہ صرف ایک جھوٹ بات کہتے ہیں ۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ دجال کا تعلق پادریوں کے گروہ سے ضرور ہے جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خدا تعالےٰ کے بیٹے کی حیثیت میں دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں ۔

پھر سورۃ کہف کی آخری دس آیتوں میں فلاسفروں اور متکلّمین کا ذکر موجود ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۔ اَلَّذِيْنَ

ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا - اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا - ذَالِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا (کہف)

یعنی کیا وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو مددگار بنا سکیں گے۔ ہم نے ایسے کافروں کے (بدلہ) کے لئے جہنم تیار کر رکھا ہے۔ تو کہدے کیا ہم تمہیں ان لوگوں سے آگاہ کریں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے گھاٹا پانے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی تمام تر کوشش اس دنیا کی زندگی میں ہی کھوئی گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے نشانوں کا اور اس سے ملاقات کا انکار کر دیا ہے۔ اس لئے ان کے اعمال گر کر رہ گئے ہیں۔ چنانچہ قیامت کے دن ہم انہیں کچھ بھی وزن (وقعت) نہیں دیں گے۔

دجّال کی جو صفات حدیث نبوی میں بیان کی گئی ہیں وہ اکثر ان عیسائیوں کے مادہ پرست فلاسفروں اور سائینس دانوں اور متکلمین پر چسپاں ہوتی ہیں۔ پس حدیث نبوی میں مذکور دجّال ان آیات کی روشنی

میں صاف متعین ہو جاتا ہے کہ یہ درصل عیسائی پادریوں اور ان کے ان فلاسفروں کے ہی گروہ ہیں جن کی ساری کوششیں دنیاوی زندگی میں لگی ہوئی ہیں۔ اور جو مادہ پرستی کی وجہ سے آخرت کی طرف سے بالکل غافل ہیں۔

پھر ایک طرف حدیث نبوی میں دجّال کے مسیح موعود سے پہلے خروج کا ذکر ہے۔ جس کی علامات بموجب حدیث نبوی سورۃ کہف کی پہلی دس آیتوں اور پچھلی دس آیتوں میں مذکور ہیں۔ تو دوسری طرف صحیح بخاری اور مسلم کی حدیثوں میں مسیح موعود کا کام کسرِ صلیب بیان ہوا ہے۔ جس کے صاف یہ معنی ہیں کہ مسیح موعود کے وقت صلیبی مذہب کا دنیا پر غلبہ ہوگا۔ اور مسیح موعود علیہ السلام کو عیسائیوں کے عقائد سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اور اُن کے اس خیال کو باطل ثابت کرنا ہوگا کہ مسیح نے صلیب پر جان دی۔ اور وہ ان کے لئے اس طرح کفارہ ہو گئے۔ پس نواس بن سمعان والی حدیث میں اگر دجّال کے خروج اور زمین پر غلبہ پانے کا ذکر ہے۔ ان دونوں حدیثوں کی تطبیق سے یہ امر اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔ کہ وہ دجّال جو مسیح موعود سے پہلے خروج کرنے والا تھا اس کا تعلق عیسائی پادریوں اور فلاسفروں سے ہی تھا جو مسیح کو خدا کا بیٹا اور مصلوب قرار دیتے ہیں۔

ملک محمد جعفر خان صاحب کو اگر یہ تاویلات پسند نہ تھیں۔ اور وہ نواس بن سمعان والی روایت کو ظاہری الفاظ میں معارض قرآن ہونے

کی وجہ سے رد کرنے کے قابل ہی سمجھتے ہیں۔ تو پھر بھی نزول مسیح کا عقیدہ جو احادیث میں مذکور ہے۔ اس حدیث کو موضوع قرار دینے سے رد نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ اس کا ذکر صرف نواس بن سمعان والی روایت میں ہی موجود نہیں بلکہ اس کا ذکر تو صحیح بخاری کی دو حدیثوں میں بھی موجود ہے۔ جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ قرار دی گئی ہے۔ اور پھر یہ ہر دو حدیثیں سند کے لحاظ سے بھی صحیح سمجھی گئی ہیں۔ اور کسی محدث کو انہیں ضعیف قرار دینے یا رد کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

مالک صاحب کی صحیح بخاری کی نزولِ مسیح سے متعلق حدیث پر جرح

مگر مالک صاحب نے دیکھا جب تک ساری حدیثوں کو جو نزول مسیح سے متعلق ہیں رد نہ کیا جائے ان کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اس لئے انہوں نے بخاری شریف کی ایک حدیث کی سند کے متعلق بھی "رسالہ طلوع اسلام" کراچی سے ایک جرح نقل کی ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ بخاری کی پہلی حدیث حدثنا اسحاق حدثنا یعقوب بن ابراھیم کرکے شروع ہوتی ہے۔ یہ اسحٰق کون ہیں اللہ ہی جانے۔ امام بخاری بیشمار اسحٰق سے روایت کرتے ہیں۔ شارحین کہتے ہیں یہاں اسحٰق بن ابراہیم مراد ہیں۔ تو امام بخاری سات اسحٰق بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں .... غرض اگر کہیں امام بخاری حدثنا اسحٰق بن ابراہیم بھی لکھیں جیسا کہ متعدد جگہ ہے تو قطعی طور سے نہیں کہا جا سکتا کہ کون اسحٰق بن ابراہیم ہیں لیکن ابو علی الجبائی نے یہاں

اسحٰق بن راہویہ یا اسحٰق بن منصور میں سے کسی کے ہونے کا امکان ظاہر کیا ہے"

جرح کی تعدیل

یہ تنقید پیش کر کے ملک صاحب یہ اثر ڈالنا چاہتے ہیں۔ کہ نزولِ مسیح کے متعلق صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ اس کی سند میں اسحٰق بن ابراہیم کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون ہے۔ کیونکہ امام بخاری سات اسحٰق بن ابراہیم نامی راویوں سے روایت کرتے ہیں۔ مگر ملک صاحب کو یہ تنقید اس بات کا فائدہ ہرگز نہیں دے سکتی کہ اسناد کے لحاظ سے اس روایت کو ضعیف قرار دے سکیں۔ کیونکہ حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں جن سات اشخاص اسحٰق بن ابراہیم نام رکھنے والوں سے روایت کی ہے وہ سب کے سب ثقہ اور معتبر ہیں۔

لہٰذا اس حدیث میں اگر ہم یہ تعیین نہ بھی کر سکیں کہ ان ساتوں میں سے کون سا اسحٰق بن ابراہیم اس روایت کا راوی ہے تب بھی یہ حدیث صحت کے پایہ سے نہیں گرتی۔ کیونکہ اس نام کے جن سات اشخاص سے امام بخاری علیہ الرحمۃ روایت لیتے ہیں وہ سب کے سب عادل اور ثقہ راوی ہیں۔

اس حدیث کے علاوہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کی دوسری حدیث پر جو نزولِ مسیح سے تعلق رکھتی ہے۔ ملک صاحب نے کوئی جرح نہیں کی۔

پس کوئی وجہ نہیں کہ نواس بن سمعان کی روایت کو ردّ کرتے

ہوئے وہ صحیح بخاری کی ان حدیثوں کو بھی ردّ کر سکیں۔ جب کہ ان حدیثوں کو تعاملِ امت کی "تائید بھی حاصل ہے۔ جو تواتر کا درجہ رکھتا ہے اور اس زمانہ میں عیسائیت کے غلبہ پر مسیح موعود کے ظہور نے واقعات کے لحاظ سے بھی ان کی صحت ثابت کر دی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے۔ کہ اگر نزولِ مسیح کی بالفرض کوئی حدیث بھی موجود نہ ہوتی پھر بھی نزولِ مسیح کا عقیدہ امت کے تعامل قولی سے ثابت ہوتا۔ کیونکہ امت کے دونوں بڑے گروہ شیعہ اور سُنّی مسیح موعود کی آمد کے قائل ہیں۔ اب تو اس تعامل کو کئی احادیث نبویہ کی تائید بھی حاصل ہے۔ جو شیعہ اور سنّی دونوں کی کتب احادیث میں موجود ہیں۔ اگر قرآن مجید کی کوئی آیت صریحًا یہ بتاتی کہ آنحضرت صلعم کے بعد الہام الٰہی کا دروازہ قطعًا بند ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں بھی مقامِ نبوت کا پانا ممتنع ہے۔ تب تو ان حدیثوں اور تعامل کو بھی ردّ کیا جا سکتا تھا مگر قرآن مجید اس بات پر روزِ روشن کی طرح گواہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں مقامِ نبوت کا پانا ممتنع نہیں۔ سورۃ اعراف میں خدا تعالیٰ نے صاف ہدایت فرمائی ہے:۔

"یَا بَنِیْ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ" (اعراف)

یعنی اے بنی آدم آئندہ جب کبھی تم میں سے تمہارے پاس رسول آئیں جو میرے نشانات تم پر بیان کریں تو جو تقوی شعار ہو جائیں گے اور اپنی اصلاح کریں گے ان پر کوئی خوف و غم نہیں ہوگا۔

پس اس آیت کے رُو سے جب اُمّتی نبی کی بعثت از روئے قرآن مجید ممتنع نہیں۔ تو کسی اُمّتی نبی کو اگر یہ نام عیسائیوں کی اصلاح کے لحاظ سے اور حضرت مسیح ابن مریمؑ سے مماثلت کے پیش نظر دیا گیا ہو تو پھر کسی مثیل مسیح کا اُمت محمدیہ میں آنا قرآن مجید کے معارض نہ ہوا۔ بلکہ آیت استخلاف بھی اس کی مؤید ہے۔ اور اس امر کا قوی امکان ثابت کر رہی ہے کہ کوئی مثیل مسیح ظاہر ہو۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ سورۃ نور میں مومنوں سے خلافت کا وعدہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا۔ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (سورۃ نور)

یعنی اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لاکر اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا۔ ان لوگوں کی مانند جنہیں اس نے ان سے پہلے خلیفہ بنایا ہے۔ اور ضرور ان کے لئے ان کے دین کو مضبوط کرے گا اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ یہ خلفاء میری عبادت کرنے والے ہوں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو لوگ اس کے بعد (خلافت کی) نافرمانی کریں گے وہ فاسق ہوں گے۔

اس آیت میں امت محمدیہ کے خلفاء کو پہلی امتوں کے خلفاء کے (كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کے الفاظ میں) مانند قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری خلیفہ تھے اس لئے اس آیت کی رُو سے یہ بات نہایت ضروری تھی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا آخری خلیفہ حضرت مسیح ابن مریم کے مشابہ اور ان کا مثیل ہو پس نزولِ مسیح کی حدیثیں جو صحیح بخاری میں موجود ہیں۔ اس آیت قرآنیہ کے مطابق ہیں۔ اور اپنی حقیقت کے لحاظ سے کسی آیت قرآنی کے متعارض نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب شہادۃ القرآن میں سورۃ مزمل کی آیت اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا سے آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ علیہ السلام کا مثیل قرار دیا ہے اور سلسلہ خلافت محمدیہ میں ایک مثیل مسیح کے ظہور کا امکان آیت وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ سے ثابت فرمایا ہے۔ ملک صاحب موصوف نے دیکھا کہ ان آیتوں کی موجودگی میں نزولِ مسیح کی تمام احادیث سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور وہ ان حدیثوں کا انکار کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے ان آیتوں کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ لکھنے کے لئے مجبور تھے۔ چنانچہ حضرت اقدس کی ان آیات کے بارہ میں پیش کردہ تفسیر درج کر کے وہ لکھتے ہیں:۔

"ہم قارئین کرام کو مرزا صاحب کی تفسیر سے محظوظ ہونے میں آزاد چھوڑنا چاہتے ہیں اور اپنی طرف سے تنقید نہیں کرنا چاہتے۔ اور نہ اس کی یہاں گنجائش ہے۔ صرف یہ عرض کرنا ہے۔ کہ عربی کا معمولی علم رکھنے والا بھی جان سکتا ہے۔ کہ ان دو آیات میں کسی مماثلت کا ذکر نہیں اور دوسری آیت میں موسوی سلسلہ خلافت کی نسبت کوئی اشارہ و کنایہ تک نہیں"

(احمدیہ تحریک صفحہ ۱۲۱)

ملک صاحب تنقید کرنا بھی نہیں چاہتے۔ مگر پھر تنقید بھی کر رہے ہیں کیا ان کا یہ لکھنا تنقید نہیں کہ

"عربی کا معمولی علم رکھنے والا بھی جان سکتا ہے۔ کہ ان دو آیات

میں کسی مماثلت کا ذکر نہیں " اور دوسری آیت میں موسوی
سلسلہ خلافت کی نسبت کوئی اشارہ و کنایہ تک نہیں"

جناب ملک صاحب عربی دان تو کجا اس آیت کا اردو میں ترجمہ پڑھ لینے والا بھی اس آیت سے آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اس میں امت محمدیہ میں پہلی امتوں کی مانند خلیفے بنانے کا ذکر ہے ۔ اس آیت میں لفظ کَمَا ہے ۔ جو حرف تشبیہ ہے ۔ جس کے معنے جیسے یا مانند کے ہیں ۔ اور یہ آیت امت محمدیہ کے خلفاء کو پہلے خلفاء جیسے یا ان کی مانند قرار دیتی ہے ۔

پس اس آیت میں امت محمدیہ کے خلفاء کی مماثلت اس سے پہلے خلیفوں سے صاف بیان ہو رہی ہے ۔ اور پہلے خلیفوں میں سے قریب ترین خلفاء امت موسوی کے خلفاء ہی ہیں ۔ لہٰذا ملک صاحب کا یہ کہنا کہ دوسری آیت میں موسوی سلسلہ خلافت کی نسبت کوئی اشارہ و کنایہ تک نہیں سراسر ٹال مٹول ہے ۔ حالانکہ اشارہ اور کنایہ چھوڑ اس آیت میں صاف کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کے الفاظ موجود ہیں جو امت محمدیہ کے خلفاء کو پہلے خلفاء کی مانند قرار دیتے ہیں ۔ اور یہ حقیقت ہے کہ قوم بنی اسرائیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو خلفاء گزرے وہ بہرحال اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کے ذیل میں آتے ہیں ۔ جب یہاں پوری صراحت موجود ہے تو پھر ملک صاحب کو اور کون سا اشارہ اور کنایہ چاہیئے ۔؟

آیت اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (مزمل) ہیں صاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ قرار دیا گیا ہے۔ مگر ملک صاحب موصوف کو حضرت بانئے سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام کا اس آیت سے مثیل موسیٰ کا استنباط بھی مسلم نہیں۔ اب غور فرمائیے۔ کہ اگر یہ ثابت کرنا اس آیت کا مقصود نہ تھا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کی مانند صاحب شریعت رسول ہیں۔ تو پھر آپ کی بعثت کو موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے اس آیت میں کیوں تشبیہ دی گئی؟ کیوں قریب کے نبی حضرت عیسےٰ علیہ السلام یا موسیٰ علیہ السلام سے بعد کے غیر تشریعی انبیاء سے تشبیہ نہ دی گئی؟ ملک صاحب کو مسلم ہے کہ قرآن مجید اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ جب یہ بات ان کے نزدیک درست ہے۔ تو پھر وہ غور کریں قرآن مجید میں دوسری جگہ سورۃ احقاف میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَکْبَرْتُمْ (سورۃ احقاف) کہ ایک (عظیم الشان) گواہ نے بنی اسرائیل سے اپنے مثل کی گواہی دی۔ پس وہ تو (اس شہادت سے) ایمان لے آیا۔ اور تم (اس نبی کا انکار کر کے) تکبر کا اظہار کر رہے ہو۔

ملک صاحب غور کریں کہ یہ گواہی دینے والے موسیٰ علیہ السلام ہیں اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے مثل یعنی اپنا مثیل

ہونے کی گواہی دی ہے۔

یہ دونوں آیتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ علیہ السلام کا مثیل قرار دے رہی ہیں۔ بائیبل کی اس پیشگوئی کے بھی مطابق ہیں جو کتاب استثناء $\frac{18}{15}$ میں ان الفاظ میں درج ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا:۔

"خداوند خدا تم میں سے تمہارے بھائیوں میں سے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا۔ اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالے گا"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحفہ گولڑویہ میں ایک نظریہ پیش کیا ہے۔ جس کا مفاد آپ کے الفاظ میں یہ ہے

"کمال ہر ایک چیز کا استدارت کو چاہتا ہے ......
استدارت کے لفظ سے میری مراد یہ ہے۔ کہ جب ایک دائرہ پورے طور پر کامل ہو جاتا ہے تو جس نقطہ سے شروع ہوا تھا اسی نقطہ سے جا ملتا ہے اور جب تک اس نقطہ کو نہ ملے تب تک اس کو دائرہ کاملہ نہیں کہہ سکتے .... یہی وجہ ہے کہ تمام بسائط گول شکل میں پیدا کئے گئے ہیں تاکہ خدا کے ہاتھ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ناقص نہ ہوں۔ اسی بنا پر ماننا پڑتا ہے کہ زمین گول ہے .... نیز اس لئے بسائط کا گول رکھنا خدا تعالےٰ نے پسند کیا کہ گول میں کوئی جہت نہیں ہوتی اور یہ امر توحید کے بہت مناسب حال ہے۔ غرض صنعت کا کمال مدوّر شکل سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں

انتہائی نقطہ اسقدر اپنے کمال کو دکھلاتا ہے - کہ پھر اپنے
مبدا سے جا ملتا ہے "

اس نظریہ کی بنا پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے موسوی سلسلہ کے پہلے خلیفہ یوشع بن نون کی مشابہت اس سلسلہ کے آخری خلیفہ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے بیان کی ہے اور محمدی سلسلہ کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مشابہت اس سلسلہ کے آخری خلیفہ مسیح موعود سے بیان کی ہے -

ملک صاحب موصوف نے اس بارہ میں حضرت اقدس کے اقتباسات نقل فرمائے ہیں اور کہیں کہیں کچھ نکتہ چینی بھی کی ہے - چنانچہ اس دلیل کو وہ استہزاءً گول مول دلیل لکھتے ہیں -

پھر لکھتے ہیں - کہ " حضرت عیسٰی علیہ السلام اور یشوع بن نون میں نام کے تشابہ کے علاوہ اور کوئی وجہ مماثلت موجود نہ تھی " حالانکہ سب سے بڑی وجہ مماثلت اس جگہ یہ تھی - کہ یہ دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کے مجدد تھے ، کسی نئی شریعت کے حامل نہ تھے - تحفہ گولڑویہ میں کتابت کی غلطی سے استدارت کی بجائے استعدرات لکھا گیا ہے -

ملک صاحب لکھتے ہیں کہ

" ہم نہیں معلوم کر سکے کہ یہ استدرات کس سے مشتق ہے "

میں بتا چکا ہوں - یہ لفظ دراصل استدارۃ ہے - مادہ اس کا دور ہے - جس سے استدارۃ بوزن استقامۃ یا استشارۃ استفعال کے وزن پر ہے

ملک صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ :-

"مسیح ابن مریم کی زندگی ایسی غریب اور سادہ و رنگین داستان ہے کہ اس سے مماثلت ثابت کرنا مرزا صاحب کے لئے ممکن نہ تھا۔ اس لئے مرزا صاحب نے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا ہے اور اپنی مماثلت حضرت ابوبکر سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے"

جناب ملک صاحب! حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کئی جگہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام سے براہ راست اپنی مماثلتیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ جن میں سے پانچ درج ذیل ہیں :- (دیکھو تذکرۃ الشہادتین)

چنانچہ پہلی مماثلت تو یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ کے آخری خلیفہ تھے۔ اور آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ کے آخری خلیفہ ہیں۔

دوسری مماثلت یہ بیان فرمائی ہے۔ جس طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے چودہ سو سال بعد ہوئے۔ اسی طرح آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چودہ سو سال بعد ہوئے ہیں۔

تیسری مماثلت یہ ہے کہ جس طرح وہ غیر تشریعی نبی تھے۔ اسی طرح آپ بھی غیر تشریعی نبی ہیں۔

چوتھی مماثلت یہ ہے کہ وہ موسوی دین میں مجدد تھے اور آپ محمدی دین میں مجدد ہیں۔

پانچویں مماثلت یہ ہے کہ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام غیر حکومت کے ماتحت آئے تھے۔ ویسے ہی آپ بھی غیر حکومت کے ماتحت مبعوث ہوئے اسی طرح کی کئی وجوہ مماثلت آپ میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں موجود ہیں ملک صاحب! اگر عیسیٰ علیہ السلام غریب تھے تو حضرت مرزا صاحب رئیس گھرانے میں رہتے ہوئے بھی غریب تھے۔ آپ فرماتے ہیں :-

لفاظات المواعد کان اکلی

کہ گھر کے بچے کھچے ٹکڑے مجھے بھیجے جاتے تھے۔ یہ میری خوراک تھی۔

خرِ دجّال کی توجیہہ پہ اعتراض

ملک صاحب اپنی کتاب کے تاویل کے باب میں خرِ دجّال کی توجیہہ ریل قرار دینے پر بھی معترض ہیں۔ نا لکھتے ہیں:-

"دجّال کے گدھے پر سوار ہو کر آنے کی نسبت مرزا صاحب کی درایت یہ ہے کہ اس سے مراد ریل گاڑی ہے جو انگریزوں نے ایجاد کی ہے۔ گدھے کے کانوں کے درمیان ستر باع (قریباً ۱۴۰ گز) فاصلہ ہوتے سے گاڑی کی لمبائی کی طرف اشارہ ہے۔ (گویا گدھے کے کانوں سے مراد اس کا سر اور دم ہے"

(احمدیہ تحریک ص۹۵)

بریکٹ والے جملہ میں ملک صاحب نے اس توجیہہ پر اعتراض پیش کیا ہے کہ کانوں سے مراد سر اور دم کیسے لیا گیا ہے ؟

الجواب اس کے جواب میں واضح ہو کہ کان شنوائی کا ذریعہ

ہیں۔ ریل میں بھی فرسٹ گارڈ اور سیکنڈ گارڈ جن میں ایک آگے ہوتا ہے اور ایک پیچھے ریل میں سفر کرنے والوں کے کسی معاملہ کو سننے کیلئے کان ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے حدیث میں سر اور دم کی بجائے دو کانوں کا لفظ رکھنے میں سر اور دم کا فاصلہ بیان کرنے کے ساتھ انتظامی امر کے بارہ میں شنوائی کے دو ذریعوں کا بھی لطیف پیرایہ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

خرِ دجّال کے رنگ پر استہزا

آگے ملک صاحب لکھتے ہیں:۔

"حدیث میں گدھے کا رنگ بھی دیا ہے اور لکھا ہے۔ کہ وہ سفید براق ہوگا۔ اس کی تشریح مرزا صاحب نے ضروری خیال نہیں کی"۔

اس پر ملک صاحب استہزائً لکھتے ہیں:۔

"میں نے بڑے غور کے بعد فیصلہ کیا ہے۔ غالباً اس سے مراد گدھے کے نگہبان یعنی ریل کے گارڈ ہوں گے جن کی وردی عام طور پر سفید ہوتی ہے"۔

ہماری گذارش

ملک صاحب نے یہ بات سنجیدگی سے بیان نہیں کی۔ کیونکہ آگے خود لکھتے ہیں:۔

"تفنّن برطرف میرے لئے اس ضمن میں مزید کچھ کہنا ممکن نہیں"۔

اگر ملک صاحب اپنی کتاب کو استہزاء اور تمسخر سے پاک رکھتے تو اچھا تھا۔ مگر افسوس ہے وہ اپنی تنقید میں ضبطِ نفس سے کام نہیں لے سکے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر ہنسی اڑا رہے ہیں۔

ملک صاحب کے استہزاء کو نظرانداز کرتے ہوئے واضح ہو کہ حدیث میں نبوی دجال کے لئے اقمر کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنے ملک صاحب نے سفید براق کئے ہیں۔ اقمر کے معنے اس جگہ خوب روشن ہیں۔ اگر ملک صاحب ان لغوی معنوں کو مدنظر رکھتے تو اقمر کی توجیہ انہیں آسانی سے سمجھ میں آسکتی۔ قمر رات کو روشنی دیتا ہے۔ ریل کو اقمر قرار دے کر یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ یہ سواری رات کو روشن بھی ہوگی۔ ریل میں پہلے گیس کی روشنی کا انتظام ہوتا تھا۔ تو اب بجلی کی روشنی کا انتظام موجود ہے۔ اور اس کے انجن کے سامنے جو بتی روشن ہوتی ہے ملک صاحب دیکھ لیں وہ تو ریل کو صاف اقمر بنا رہی ہے۔ وہ ہر سمجھدار اگر انصاف سے کام لے تو اُسے صاف اقمر ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتا۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت سے پہلے اور بعد کے زمانہ کے محققین نے بھی خر دجال ریل ہی کو قرار دیا ہے۔ دیکھیں ہدیہ مہدویہ مؤلفہ مولانا محمد زمان خان شاہ جہاں پوری استاد والئے دکن حیدرآباد میر محبوب علی خان۔ نیز دیکھیں تفریح الاذکیاء مؤلفہ مولوی محمد حسن حسن صاحب ج نیز ملاحظہ ہو کواکب دریہ حکیم محمد حسن صاحب جلالی صاحب غایۃ البرہان امروہی ان کتابوں کے مطالعہ کی طرف متوجہ کرنے کے ساتھ ہی ہم انہی کتابوں میں سے ذیل کا اقتباس کواکب دریہ سے ملاحظہ کے لئے پیش کرتے ہیں۔

”سورہ کہف میں عوجا کہہ کے آیت وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝

فرماتا ہے: یعنی نہیں کوئی پیغمبر کے لئے مجھی جو دجال کے تئے ہے ہے۔
اس مقام سے ہے کہ جو پڑھے سورۂ کہف کے اوائل کو وہ فتنہ دجال سے بچے
کیونکہ بحسب روایت مسلم عمران بن حصین۔ آدم کی پیدائش سے تا قیام
ساعت کوئی بڑا فتنہ دجال سے نہیں یہاں تک کہ نوح علیہ السلام
نے خوف اس خبیث سے دلایا۔ فصل سیزدہم سفر مثنیٰ میں اس سے خوف
دلایا گیا ہے۔ اور نامۂ تسلیقیون مندرجہ مجموعہ انجیل میں بھی اس
کا ذکر ہے۔ اور سخت آفت اس کے ہونے کی وجہ سے کہ
اس کے ساتھ خر اقمر یعنی ریل سفید جس میں جنت یعنی آرام دال درجہ
اوّل کی گاڑی: آگ پانی ہے معہ بہت کچھ سامان کے۔" دیکھو الہدیہ صفحہ ۱۵)

الہامات کے معنوں پر اعتراض

حضرت مسیح موعود نے اربعین میں براہین احمدیہ کے بعض الہامات کو الہامی تفہیم کے ماتحت ایک خاص ترتیب سے درج فرمایا ہے۔ وہ الہامات یہ ہیں۔

"اذ یمکر بک الذی کفر۔ اوقد لی یا ھامان لعلی
اطلع علی الٰہ موسیٰ وانی لاظنہ من الکاذبین۔ تبت
یدا ابی لھب و تب ما کان لہ ان یدخل فیھا الا خائفا
وما اصابک فمن اللہ۔ الفتنۃ ھٰھنا فاصبر کما صبر اولوالعزم

یہ الہامات براہین احمدیہ کے زمانہ کے ہیں۔ جب کہ نہ آپ کی کوئی تکفیر کرنے والا تھا۔ نہ آپ کے مقابلہ میں کوئی شخص اس وقت ہامان کی طرح کسی فرعون کے لئے آگ جلانے والا تھا۔ اور نہ کوئی آپ کے خلاف

ابولہب کی طرح کھڑا تھا اس وقت آپ کے خلاف کوئی فتنہ پیدا نہ ہوا تھا۔ جس پر صبر ضروری ہوتا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ جب کہ سب سے پہلے کفر کا فتویٰ دینے والے مولوی محمد حسین بٹالوی بھی براہین احمدیہ اور اس کے مؤلف کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ جب اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعودؑ پر انکشاف فرمایا۔ کہ آپ ہی اس امت کے مسیح موعود ہیں۔ تو پھر مولوی محمد حسین صاحب آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ اور انہوں نے فتویٰ کفر دیا۔ اور ہندوستان کے علماء سے اس پہ مہریں لگوائیں۔ اور آپ کے خلاف سخت فتنہ اور اشتعال پیدا کیا۔ پس یہ الہامات جو واقعات کے ظہور سے کافی عرصہ پہلے ہوئے تھے آپ کے ملہم من اللہ ہونے کی روشن دلیل ہیں۔ لیکن ملک صاحب کو چونکہ تادیل میں کیڑے نکالنا تھے اس لئے وہ حضرت اقدس کی طرف سے ان الہامات کا ترجمہ درج کر کے معترض ہیں مگر یہ ترجمہ لفظی نہیں بلکہ تفسیری ہے۔ چونکہ الہامات میں تکفیر کا ذکر اور تکفیر کرنے والے کی تدبیر کا ذکر تھا۔ اس لئے جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی طرف سے فتویٰ کفر لکھا گیا۔ اور حضرت اقدس کیخلاف جوش واشتعال کا فتنہ پیدا کیا گیا۔ تو آپ سمجھے کہ ان الہامات میں اسی فتنہ کی طرف اشارہ تھا۔ اور اسی فتنہ کے بالمقابل آپ کو اولوالعزمی کے ساتھ صبر کی ہدایت کی گئی ہے۔ ان الہامات میں آپ نے ہامان اور ابی لہب کے الفاظ میں فتویٰ پہ پہلی مہر لگانے والے ایک بڑے مولوی اور فتوےٰ لکھنے والے کی طرف اشارہ سمجھا۔ ہامان اور ابولہب کی اس

معقول تاویل اور نہ تکفیر کی معقول تشریح پر ملک صاحب یوں معترض ہیں :-

"قیاس یہی ہے کہ مرزا صاحب کو یہ معانی تکفیر کے فتووں کے بعد سوجھے ہیں۔ اور غضب یہ ہے کہ الہامات کے ان معانی کو جو کسی کے وہم دگمان میں نہیں آسکتے تھے مرزا صاحب اپنے مخالفین کے لئے حجت قرار دیتے ہیں"

(احمدیہ تحریک علما)

الجواب جناب ملک صاحب! پیشگوئیوں کی پوری حقیقت عموماً ان کے پورا ہونے کے بعد کھلتی ہے۔ جیسا کہ اطولکنّ یداً والی پیشگوئی کے پہلے یہ معنے سمجھے گئے کہ حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کی وفات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے سب سے پہلے ہوگی۔ کیونکہ ان کے ہاتھ سب ازواج میں سے زیادہ لمبے تھے۔ لیکن جب سب سے پہلے وفات ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہوئی۔ اور وہ ہاتھ سے کام کرکے بہت صدقہ دیا کرتی تھیں۔ تو صحابہؓ نے پیشگوئی میں مذکور لمبے ہاتھوں کی تاویل صدقہ سے محبت رکھنا کی۔ اور اس پیشگوئی کو سچا سمجھا۔ پس پیشگوئیوں کی صحیح تعبیر اور تاویل دراصل واقعات کے ظہور پر ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر حضرت اقدس پر ان کے الہامات میں مذکور پیشگوئی کی حقیقت فتویٰ تکفیر تیار ہونے اور اس کے ذریعہ آپ کے خلاف فتنہ بپا کئے جانے پر کھلی ہو تو یہ امر

کیوں کر قابل اعتراض ہے۔ اور پھر اس موقعہ پر حضرت اقدس کا ان الہامات کو مخالفین کے لئے حجت قرار دینا ملک صاحب کے لئے کیوں قابل غضب ہے۔ مانا کہ پہلے یہ معانی کسی کے وہم و گمان میں نہ تھے لیکن جب واقعات کے ظہور نے ان الہامات کے معنی آپ پر کھول دیئے۔ تو اب ان الہامات کے ان معنوں کے لئے حجت ہونے میں کیا کلام ہے۔ جو واقعات نے اپنے ظہور سے آپ پر کھولے ہیں۔

الہامات کے معنی میں تحریف کا الزام

ملک صاحب نے حضرت اقدس پر اپنی کتاب کے تاویل کے باب میں اپنے الہامات کے ترجمہ میں بے بنیاد تاویل اور تحریف کا الزام بھی لگایا ہے۔ چنانچہ ملک صاحب احمدیہ تحریک کے صفحہ میں لکھتے ہیں:۔

"عربی زبان سے معمولی واقفیت رکھنے والے اصحاب بھی جان سکتے ہیں کہ محض ترجمہ میں ہی کس قدر تحریف کی گئی ہے اپنی طرف سے مضمون بڑھا دیا گیا ہے اور بالکل بے بنیاد تاویل سے کام لیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

کہ کس طرح تین دفعہ اور "تیرے دوست" کے الفاظ بغیر وجہ کے ترجمہ میں شامل کر لئے گئے ہیں اور بغیر کسی قرینہ کے آدم اور ابراہیم کے ساتھ "یعنی تجھ کو" اور "یعنی اس عاجز کو" زیادہ کر کے اس عبارت کا مخاطب اپنے آپ کو قرار

دے دیا ہے۔ اور اس تصرف کے لئے کوئی عذر پیش نہیں کیا گیا یہ امر بھی دل چسپ ہے کہ الہامی عبارت کو مکمل طور پر اپنی ذات سے وابستہ کرنے کے شوق میں مرزا صاحب نے زوجِ مریم کا ترجمہ بھی مریم کی بیوی کر دیا ہے "

وہ الہامات جن کے ترجمہ پر ملک صاحب نے مندرجہ بالا نکتہ چینی کی ہے۔ یہ ہیں :۔

اردت ان استخلف فخلقت آدم یا آدم اسکن انت وزوجك الجنة - یا احمد اسکن انت وزوجك الجنة - یا مریم اسکن انت وزوجك الجنة تموت وانا راض منك - فادخلوا الجنة انشاء الله آمنین سلام علیکم طبتم فادخلوھا آمنین ...... خلق آدم فاکرمہٗ جری الله فی حلل الانبیاء سلام علیٰ ابراھیم صافیناہ ونجّیناہ من الغم تفردنا بذالك فاتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ

ان الہامات کا ترجمہ ملک صاحب نے یہ کیا ہے :۔

میں نے ارادہ کیا کہ اپنا خلیفہ بناؤں۔ پس میں نے آدم کو پیدا کیا۔ اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔ اے احمد تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔ اے مریم تو اور تیرا زوج جنت میں رہو۔ تو مرے گا اور میں تجھ سے راضی ہوں گا۔ پس

داخل ہو جنت میں انشاء اللہ امن کے ساتھ۔ تم پر سلام ہو۔ تم نے اچھے کام کئے پس داخل ہو اس میں امن کے ساتھ۔۔ اس نے آدم کو پیدا کیا اور اس کو بزرگی دی اللہ کا جری انبیاء کے لباس میں ۔۔۔۔۔ سلام ہو ابراہیم پر ہم نے اس سے محبّت کی اس کو غم سے نجات دی ہم نے ہی یہ کیا۔ پس مقام ابراہیم سے جائے نماز بناؤ۔

الزام کا ردّ ہمیں ملک صاحب کے اس لفظی ترجمہ سے اتفاق ہے ملک صاحب اس ترجمہ کے بالمقابل حضرت اقدس کا ترجمہ جو تفسیری ترجمہ ہے۔ یوں درج کرتے ہیں:۔

میں نے ارادہ کیا ایک خلیفہ بناؤں۔ سو میں نے آدم کو بنایا (اتنے ترجمہ میں سوائے اپنا خلیفہ بناؤں یا ایک خلیفہ بناؤں کے لفظی فرق کے ملک صاحب کے ترجمہ سے کوئی فرق نہیں اور ترجمہ میں یہ فرق کوئی قابل اعتراض نہیں۔ من المؤلف) اے آدم تو اور تیرے دوست اور تیری بیوی بہشت میں داخل ہو۔ اے احمد تو اور تیرے دوست اور تیری بیوی بہشت میں داخل ہو اے مریم تو اور تیرے دوست اور تیری عورت بہشت میں داخل ہو۔ (اس ترجمہ میں ملک صاحب سے یہ فرق ہے۔ کہ ملک صاحب نے زوج کے معنی صرف بیوی کئے ہیں اور حضرت اقدس نے زوج کے معنی اس سے وسیع مراد لئے ہیں یعنی

دوست اور بیوی - اور عربی لغت سے واقف زوج کے ان
معنی سے انکار نہیں کر سکتا - مریم اس جگہ آپ کا نام رکھا گیا
ہے - جو سورۃ تحریم کی اس آیت کے مطابق ہے جس میں
خدا تعالیٰ نے مومنوں کو مریم سے تمثیل دی ہے - ملک صاحب
کے اعتراض کے آخری فقرہ سے کہ زوج مریم کا ترجمہ مریم کی
بیوی کر دیا ہے - ان کی قرآن دانی ظاہر ہے - من المؤلف)
تو اس حالت میں مرے گا - کہ میں تجھ سے راضی ہوں گا اور
خدا کے فضل سے تو بہشت میں داخل ہو گا سلامتی کے ساتھ
پاکیزگی کے ساتھ ...... اس نے اس آدم کو یعنی تجھ کو
پیدا کیا اور اس کو عزت دی یہ خدا کا رسول ہے نبیوں
کے حلّوں میں (تو اس حالت میں مرے گا کہ میں تجھ سے راضی
ہوں گا کے الہامی فقرہ نے یہ حقیقت کھول دی ہے کہ پہلے الہامات
میں آدم - احمد - اور مریم سے مراد خود حضرت اقدس ہیں اس
لئے آپ نے اس کے بعد کے الہام خلق آدم فاکرمہٗ کے
ترجمہ میں بلحاظ سیاق کلام "یعنی تجھ کو" کے تفسیری الفاظ
لکھے یہ ترجمہ میں تحریف کیسے ہو گئی - من المؤلف) ابراہیم پر
سلام (یعنی اس عاجز پر) ہم نے اس سے محبت کی اور غم سے
نجات دی ہم نے ہی یہ کیا - تم ابراہیم کے قدم پر چلو"
الہام کے آخری حصہ کے متعلق حضرت اقدس کی تفہیم یہ ہے

کہ آپ کو خدا نے اس زمانہ میں ابراہیم کا نام بھی دیا ہے۔ اس کا "ابراہیم پر سلام" ترجمہ کر کے آگے آپ نے بطور تفسیر بریکٹ میں "یعنی اس عاجز پر" کے الفاظ لکھے تو اس میں تحریف کیا ہوئی۔ جب کہ الہام کے سیاق تموت وانا راض منک کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ ان الہامات کے مخاطب آپ ہیں۔ اور آپ ہی کو ان الہامات میں آدم۔ احمد۔ مریم اور ابراہیم کے نام دیئے گئے ہیں۔ ان ناموں کے دیا جانے کے صرف یہ معنی ہیں۔ کہ آپ آدم۔ احمد اور ابراہیم علیہم السلام کی طرح خدا کا خلیفہ مقرر کئے جا رہے ہیں۔ اور مریم کا نام لے کر آپ کی عصمت اور پاکدامنی بیان کرنا مقصود ہے۔ امت محمدیہ کے کئی اولیاء اللہ کو انبیا کے نام ان کے الہامات میں دیئے گئے ہیں اور صوفیاء نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ انسان روحانی ترقی کر کے مریم بلکہ عیسیٰ بھی بن جاتا ہے۔ سو حضرت اقدس پر افسوس کرنے کی بجائے ملک صاحب موصوف کو اپنی ناواقفی پر افسوس کرنا چاہیئے۔

تاویل کی ایک اور مثال

ملک صاحب نے تاویل کی آخری مثال یہ پیش کی ہے:۔

"کتاب "اربعین جیسا کہ اس کا نام ظاہر کرتا ہے مرزا صاحب نے اس ارادہ کے ساتھ لکھنی شروع کی تھی۔ کہ اس میں اپنی صداقت

پر چالیس دلائل پیش کریں گے ...... بعد میں چار اشتہار یا رسالے لکھنے پر مرزا صاحب نے کتاب ختم کر دی اور چالیس اشتہار پورا کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں مصنفین کی بہترین کوششوں کے باوجود بعض کتب نامکمل رہ جاتی ہیں۔ بہرحال یہ ایک معمولی سا معاملہ تھا۔ اور معذرت کے چند الفاظ لکھ دینا کافی تھا۔ لیکن نہ معلوم اپنے فن کے تقاضے سے مجبور ہو کر یا مخالف مولویوں کے اعتراض سے ڈر کر مرزا صاحب نے اس امر کے لئے بھی سند تلاش کر کے پیش کر دی۔ یہ کہنے کے بعد کہ رسالے توقع سے زیادہ لمبے ہو گئے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"درحقیقت وہ امر پورا ہو چکا۔ جس کا میں نے ارادہ کیا تھا اس لئے میں نے ان رسائل کو صرف چار نمبر تک ختم کر دیا۔ اور آئندہ شائع نہیں ہوگا۔ جس طرح ہمارے خدائے عزّ و جل نے اول پچاس نمازیں فرض کیں۔ پھر تخفیف کر کے پانچ کو بجائے پچاس کے قرار دے دیا۔ اسی طرح میں بھی اپنے ربّ کریم کی سنّت پر ناظرین کی تخفیف تصدیع کر کے چار کو بجائے نمبر چالیس کے قرار دیتا ہوں۔"

(اتمامِ حجت... تحریک صـ ۱۰۷ـ۱۰۸)

ملک صاحب! آپ کی حیثیت کے لوگوں کے لئے بے شک معمولی سی معذرت

کافی ہوتی۔ لیکن حضرت اقدس کو ایسے لوگوں سے بھی واسطہ پڑتا تھا۔ جن کے لئے ایسے معمولی عذرات کافی نہ تھے۔ انہیں مدِ نظر رکھتے ہوئے اعتراض کے جواب میں سند درکار تھی۔ اس لئے حضرت اقدس نے بطور دفعِ دخلِ مقدر سند بھی پیش کردی۔ اور اس طرح ایسے لوگوں کی طرف سے متوقع اعتراض کا جواب ایسے طریق سے دے دیا جس سے آپ کا عذر ان کے نزدیک قابلِ قبول ہو سکے۔

دَرِ پردہ قیامت کا انکار

ملک صاحب نے آثارِ قیامت کی حدیثوں کا جو کتاب الفتن میں درج ہیں کھلے لفظوں میں انکار کر دیا ہے اس بنیاد پر کہ یہ سب احادیث مقصدِ تخلیق اور نظریۂ ارتقاء کے خلاف ہیں۔ اور ان میں بیان کردہ حالات انسان کے لئے کسی شاندار مستقبل کا نقشہ پیش نہیں کرتے۔ وہ تو ایک طرح کا Anti Climax ہیں۔ جس طرح ایک سنجیدہ اور پُرشکوہ ڈرامہ یکلخت اور غیر متوقع طور سے Farce کی صورت میں اختتام پذیر ہو جائے یہ ان کی کتاب کے صفحہ ۱۳۴ -- ۱۳۵ کا مفہوم ہے۔ اصل حوالہ جات پہلے پیش کئے جا چکے ہیں۔

یہ حوالہ جات اس بات پر صریح الدلالت ہیں کہ ملک صاحب کے دماغ پر مسئلہ ارتقاء غلط رنگ میں مسلط ہو چکا ہے۔ اور اس نے ان کے قوائے فکریہ کو اس طرح دبا رکھا ہے کہ وہ اس کے خلاف نظر آنے والی

ہر صداقت کا اندھا دھند انکار کرتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ احادیث میں بیان کردہ آثارِ قیامت کو مقصدِ تخلیق اور نظریۂ ارتقار کے خلاف قرار دینے اور Anticlimax ٹھہرانے اور دنیا کے ڈرامے کے Farce کی صورت میں اختتام پذیر ہو جانے کی بنا پر گویا ملک صاحب آثار قیامت کے انکار کے ضمن میں خود قیامت کے قائم ہونے کا انکار کرتے نظر آتے ہیں جس پر ایمان لانے کو قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ہم پہلو بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

جو لوگ اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں اور مناسب حال عمل کرتے ہیں ان کے لئے انکے رب کے پاس اجر ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہونگے

ملک صاحب کے نزدیک دنیا کا یک دم فنا ہو جانا جو آثارِ قیامت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کے بعد ہی قیامت قائم ہو سکتی ہے مقصدِ تخلیق اور مسئلہ ارتقاء کے خلاف ہے اور اس بناء پر وہ آثارِ قیامت سے متعلقہ احادیث کو موضوع ٹھہراتے ہیں۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ ملک صاحب نے قرآن دانی کے دعویٰ کے باوجود قرآن مجید کی ان آیات پر غور نہیں کیا جو آثارِ قیامت اور قیامت کے ظہور کی مؤید ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُوْرًا

(بنی اسرائیل)

ہم نے اس جگہ آثارِ قیامت میں سے یہ ایک آیت پیش کی ہے۔ ورنہ قرآن کریم میں آثارِ قیامت کے متعلق بیسیوں آیات موجود ہیں۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ

"کوئی بستی ایسی نہیں مگر ہم اسے قیامت کے دن سے پہلے یا تو (پورے طور پر) ہلاک کردیں گے یا اسے عذاب شدید میں مبتلا کریں گے۔ یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ یعنی ہو کر رہنے والی ہے۔۔ پھر اللہ تعالیٰ سورۃ القارعہ میں جس کا ترجمہ یہ ہے۔ قیامت کے بارہ میں فرماتا ہے:۔

"القارعۃ ۔ القارعہ کیا ہے۔ تجھے کیا پتہ کہ القارعہ کیا ہے۔ اس دن لوگ پراگندہ پروانوں کی طرح ہوں گے۔ اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح۔ پس جس کے بوجھ بھاری ہوں گے (یعنی ان کے اعمال وزنی ہوں گے)۔ وہ اچھی زندگی میں ہوں گے۔ اور جن کے بوجھ ہلکے ہوں گے (یعنی اعمال وزنی نہیں ہوں گے) ان کی ماں ہادیہ ہے اور تمہیں کیا پتہ کہ ہادیہ کیا ہے۔ وہ ایک شدید آگ ہے۔"

اس طرح کی اور بہت سی آیات آخری پاروں میں موجود ہیں۔ مثلاً اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۔ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ
اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ۔ لِکُلِّ
امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ۔ (سورۃ عبس)

یعنی جب کانوں کو پھاڑنے والی آواز آئے گی۔ اس دن انسان اپنے بھائی اپنی ماں اپنے باپ اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔ ہر آدمی اس دن ایسی حالت میں ہوگا جو اُسے (دوسروں سے) بے پرواہ کر رہی ہوگی۔

پھر قیامت کے معین دن کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ
اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۔ (سورۃ واقعہ)۔

یعنی سب پہلے اور پچھلے لوگ ایک مقررہ دن پر اکٹھے کئے جائیں گے۔

نیز فرماتا ہے:۔

یَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ
اَشْرَکُوْا مَکَانَکُمْ اَنْتُمْ وَشُرَکَآؤُکُمْ ۔ (یونس)

کہ اس دن ہم سب کا حشر کریں گے۔ پھر ہم مشرکوں کو کہیں گے تم اور تمہارے معبود اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔

پس قیامت کا ظہور اس دنیا کی تباہی کو بھی ضرور ساتھ لائے گا۔ یہ امر قرآن کریم کی نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے اگر آثارِ قیامت

پر مشتمل احادیث نبویہ مالک صاحب کے نزدیک مقصدِ تخلیق اور مسئلہ ارتقاء کے خلاف ہیں تو پھر ان آیات قرآنیہ کے متعلق ان کا کیا خیال ہے جو آثارِ قیامت اور قیامت کے وجود پر صریح الدلالۃ ہیں۔

ہمارے نزدیک آثارِ قیامت اور قیامت کا ظہور نہ درحقیقت مقصدِ تخلیق کے خلاف ہے اور نہ نظریہ ارتقاء کے خلاف جنتیوں کا جنت میں جانا اور دوزخیوں کا دوزخ میں پڑنا مسئلہ ارتقاء اور مقصدِ تخلیق کے خلاف نہیں۔ ہماری اس دنیا میں بھی نیک اور شریف لوگ عزت سے یاد کئے جاتے ہیں اور مجرموں کو سزائیں ملتی ہیں اور وہ لعن طعن کا شکار بھی بنتے ہیں۔ اگر اس دنیا میں ان دو گروہوں کا وشن پذیر پایا جانا مقصدِ تخلیق اور مسئلہ ارتقاء کے خلاف نہیں تو اخروی دنیا میں انتقال کو جہاں مومن غیر معمولی ترقی کر گے جائیں گے۔ اور برے سزا پائیں گے کس طرح مقصدِ تخلیق اور مسئلہ ارتقاء کے خلاف قرار دیا جا سکتا ہے۔ جہنم ہمارے نزدیک ایسے جیل خانے کی حیثیت رکھتا ہے جو بروں کی اصلاح کا موجب ہو گا۔ اور بالآخر وہ اس وقت جہنم سے نکل جائیں گے۔ جب ان کے بارے میں خدا کا مقصدِ تخلیق

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔ (ذاریات)

یعنی ہم نے سب بڑوں چھوٹوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ عبادتگزار ہوں، پورا ہو جائے گا۔ جب جہنم کے ذریعہ ان کی روحانی میل کچیل دور ہو جائے گی۔ تو یہ صورت وقوع میں آ جائے گی کہ جہنم ان سے

خالی ہو جائے گا جیسا کہ ایک حدیث نبوی میں وارد ہے یَأْتِیْ عَلٰی جَھَنَّمَ زَمَانٌ لَیْسَ فِیْھَا اَحَدٌ وَنَسِیْمُ الصَّبَا تُحَرِّکُ اَبْوَابَھَا (معالم التنزیل) کہ جہنم پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں کوئی نہیں ہوگا اور بادِ نسیم اس کے دروازوں کو ہلا رہی ہوگی۔

ملک صاحب! دنیا کے اس ڈرامے میں Farce نہیں پایا جائے گا۔ بلکہ تدریجاً لوگ آخری زمانہ میں بدی میں مبتلا ہونگے۔ شرفاء کو خدا تعالےٰ پہلے اٹھا لے گا۔ اور اشرار باقی رہ جائیں گے تو قیامت قائم ہوگی پس یہ حدیث سچی ہے کہ "قیامت صرف شریر لوگوں پر ہی قائم ہوگی" اور دنیا کا یہ ڈرامہ Farce کی صورت میں ختم نہیں ہوگا۔ بلکہ پہلی دنیا دوسری دنیا کے لئے بمنزلہ زینہ ہے یا بمنزلہ پُل جو اس دنیا کو دوسری دنیا سے ملاتا ہے۔ تاکہ مقصدِ تخلیق نظریہ ارتقاء کے مطابق پورا ہو۔ جو لوگ اس دنیا میں مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے سے بے نصیب رہے ہیں ان کو ایک دوسرے ماحول میں بھیج کر یہ مقصد پورا کرایا جانا مسئلہ ارتقاء اور مقصدِ تخلیق کا عین تقاضا ہے۔

پس جہنم ایک ایسا ماحول ہوگا جس میں وہ لوگ اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کریں گے جو اُسے دنیا میں پُورا کرنے سے محروم رہے۔ جہنم جہاں ایک طرف سزا کا منظر پیش کرتا ہے وہاں وہ ایک تربیت گاہ اور شفاخانہ بھی ہے۔ جو گنہ گاروں کے لئے علاج اور اصلاح کا مناسب ماحول پیدا کرے گا۔

فہم قرآن

فہم قرآن کے عنوان پر جو کچھ ملک صاحب نے لکھا ہے۔ اس میں تحریر کرتے ہیں:۔

"پیشوائیت اور دینی علوم کی اجارہ داری صریحاً غیر اسلام تصورات ہیں۔ لیکن مسلمان صدیوں سے ان تصورات ہی کا شکار ہے۔ سلاطین اور انکے ہوا خواہ علماء کا مفاد اسی میں تھا کہ عوام میں دو عقیدے راسخ کر دیئے جائیں۔ اوّل یہ کہ قرآن (اپنے دعوے کے باوجود) دین کی تکمیل نہیں کرتا۔ اس کی تکمیل کے لئے احادیث اور روایات کے ایک غیر متناہی سلسلے کی ضرورت ہے۔ جس میں استعداد پیدا کرنا ہر کسی کے بس میں نہیں۔ دوسرے یہ کہ خود قرآن کو سمجھنا مشکل کام ہے۔ اور اس کے لئے تفاسیر اور علماء کی راہ نمائی کی ضرورت ہے۔ فی الواقعہ دوسرا خیال پہلے سے زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ اگر اس وہم کو ترک کر کے ہم خود قرآن پڑھنا شروع کر دیں۔ تو ایک تو ہمیں معلوم ہو گا۔ کہ خدا کا اعلان کہ "ہم نے قرآن کو آسان بنایا"، کوئی استعارہ اور تمثیل نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت پر

مبنی ہے۔ قرآن واقعی آسان ہے۔ ہم سب اس کو سمجھ سکتے ہیں دوسرے قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے پر ہم حضرت عمرؓ کی طرح یہ کہنے کے قابل ہو جائیں گے کہ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے احمدیہ جماعت کے عقائد کے ضمن میں فہم قرآن کا تصور ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے...... یہ مفروضہ کہ عوام کے لئے اپنی عقل کی روشنی میں قرآن کو سمجھنا ممکن نہیں۔ مرزا صاحب کے دعاوی کے لئے بہت مفید ثابت ہوا...... جب آپ مانتے ہیں کہ قرآن کریم خدا کی آخری کتاب ہے۔ اس کے ذریعے دین کی تکمیل ہو گئی ہے۔ تمام زمانوں سب ملکوں اور ہر قسم کے حالات کے لئے ہدایت قرآن کریم میں موجود ہے۔ اس میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔ اور نہ ہو سکتی ہے۔ تو پھر کسی نبی، محدث، مجدد یا مامور من اللہ کی کیا حاجت ہے....... اس اعتراض کا جواب مرزا صاحب نے اپنی اکثر کتب میں دیا ہے۔ نمونہ کے طور پر کتاب نزول المسیح کا ایک حوالہ ملاحظہ ہو۔ مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:۔

قرآن شریف خدا کا کلام تو ہے بلکہ سب سے بڑا کلام مگر وہ تم سے بہت دور ہے۔ تمہاری آنکھیں اس کو دیکھ نہیں سکتیں۔ اب وہ تمہارے ہاتھ میں ایسا ہے جیسا کہ توراۃ یہودیوں کے ہاتھ میں۔ اس وجہ سے اگر تم انصاف کرو۔ تو

گواہی دے سکتے ہو کہ بباعث اس کے کہ اس پاک کلام کے یقینی انوار تمہاری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ تم اس کے باطنی تقدس کا کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے"۔

آگے چل کر اسی کتاب میں اس موقف کی مزید تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

"قرآن شریف اگرچہ عظیم الشان معجزہ ہے۔ مگر ایک کامل کے وجود کو چاہتا ہے جو قرآن کے اعجازی جواہر پر مطلع ہو۔ اور وہ اس تلوار کی طرح ہے جو درحقیقت بے نظیر ہے لیکن اپنا جوہر دکھلانے میں ایک خاص دست و بازو کی محتاج ہے اس پر دلیل شاہد یہ آیت ہے لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ۔ پس وہ ناپاکوں کے دلوں پر معجزہ کے طور پر اثر نہیں کر سکتا۔ بجز اس کے کہ اس کا اثر دکھلانے والا بھی قوم میں ایک موجود ہے اور وہ وہی ہوگا جس کو یقینی طور پر نبیوں کی طرح خدا تعالیٰ کا مکالمہ اور مخاطبہ نصیب ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہاں قرآن شریف معجزہ ہے مگر وہ اس بات کو چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ ایک ایسا شخص ہو کہ جو اس معجزہ کے جوہر ظاہر کرے۔ اور وہ وہی ہوگا جو بذریعہ الہامی کلام کے پاک کیا جائے گا"۔

(احمدیہ تحریک صفحہ ۱۴۱ تا ۱۴۲)

ہم نے ملک صاحب کا یہ لمبا اقتباس جو ان کے خیالات کا

پورا آئینہ دار ہے۔ درج کر دیا ہے۔ اس اقتباس میں حضرت مسیح موعودؑ کی عبارتیں بھی آگئی ہیں۔ جو ملک صاحب کے سوال کا جواب ہیں مگر ملک صاحب اس جواب سے مطمئن نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس کے جواب پر وہ بطور تنقید لکھتے ہیں :۔

ملک صاحب کی تنقید

"کیا قرآن کے اعجاز کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو سمجھنے اور اُس کا اثر قبول کرنے کے لئے ہر وقت ایک ایسے وجود کا ہونا لازم قرار دیا جائے جو بذریعہ الہامی کلام کے پاک کیا گیا ہو۔ کیا کلام کی عظمت اس میں ہے کہ اس کا مطلب کوئی نہ سمجھ سکے یا اس میں کہ اس کو پڑھتے یا سننے کے ساتھ ہی اس کے معانی دل و دماغ کی گہرائیوں تک پہنچ جائیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کو سمجھنے کی استعداد بہت کم لوگوں کو ہے تو قرآنی قانون اور احکام کی پابندی کا دائرہ بھی بالکل محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ دنیا میں انسانوں نے خود جو قانون وضع کئے ہیں۔ ان کی پابندی بھی اس قیاس پر مبنی ہے کہ قانون ہر کوئی سمجھتا یا سمجھ سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ کئی صورتوں میں یہ قیاس حقیقت سے عاری ہوتا ہے اور وہ لوگ بھی قانون میں ماخوذ ہو جاتے ہیں۔ جو اسے کو نہیں سمجھتے اور شاید سمجھ سکتے بھی نہیں۔ لیکن اس صورت حال سے خدائی

قانون کی نسبت کوئی استدلال قائم نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن میں نیکی اور بدی کی نسبت صرف بنیادی حقیقتیں بیان کی گئی ہیں اور ان حقیقتوں کی بنا پر چند اہم اور غیر متبدل احکام مقرر کئے گئے ہیں جو انسان کی فطرت سلیم کے عین مطابق ہیں اور ان کا بیان کر دینا ہی ان کو سمجھ لینا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ بات کہ قرآن میں رموز و معارف ہیں اس سے یہاں انکار نہیں کیا جا رہا۔ لیکن وہ ایسے معارف نہیں ہو سکتے۔ کہ انسان کی سمجھ سے ہی بالا ہوں۔ ان معارف کو سمجھنے کے لئے عقل، علم، کوشش اور غور و فکر کی ضرورت ہے نہ کسی خاص روحانی درجے کی آیت لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کے کئی معانی ہو سکتے ہیں۔ عام طور پر اس سے یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ اس میں قرآن کے چھونے کے لئے جسمانی پاکیزگی کی ہدایت کی گئی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں یہ امر واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ پاکیزہ خیال لوگوں کے سوا دوسروں کو قرآنی تعلیم سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ لیکن مرزا صاحب کا بیان کیا ہوا مفہوم اس سے بالکل الگ ہے۔ اُن کے نزدیک قرآن کے سمجھنے کے لئے پاک ہونا نہیں بلکہ پاک کیا جانا ضروری ہے۔ ان کے مسلک کے مطابق جسمانی طہارت تو ایک عامیانہ خیال ہے۔ اپنی سعی سے روحانی تزکیۂ

نفس کبھی فہم قرآن کی غایت سے غیر متعلق ہے۔ قرآن سمجھنے کے لئے الہامی کلام کے ذریعہ پاک کیا جانا اور نبیوں کی طرح خدا تعالےٰ کا مکالمہ اور مخاطبہ نصیب ہونا ضروری ہے۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر لاکھوں عرب عوام کے لئے بغیر کسی الہام کی امداد کے قرآن کو سمجھنا اور اس کی تعلیم کے ذریعے اپنے آپ میں اور دنیا میں ایک عملی اور نظریاتی انقلاب برپا کرنا ممکن تھا تو ہمارے لئے کیوں ضروری ہو گیا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے ہم میں ایک ایسا شخص موجود ہو۔ جس کو یقینی طور پر نبیوں کی طرح خدا تعالےٰ کا مکالمہ اور مخاطبہ نصیب ہو۔"

(احمدیہ تحریک صفحہ ۱۴۶ تا صفحہ ۱۴۸)

الجواب ملک صاحب کی تنقید کے بعض حصّوں کا جواب خود ان کی اپنی ہی تنقید میں موجود ہے۔ بے شک قرآن میں خدا نے بیان کیا ہے کہ ہم نے اسے سمجھنے کے لئے آسان بنایا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کو کما حقہٗ سمجھنے کے لئے عوام کے لئے علوم ضروریہ کی حاجت نہیں۔ خود ملک صاحب کو اس بات کا اعتراف ہے کہ ان (قرآنی) معارف کو سمجھنے کے لئے عقل، علم، کوشش اور غور و فکر کی ضرورت ہے۔ مگر ملک صاحب کہتے ہیں کہ کسی خاص روحانی درجے کی ضرورت نہیں۔ ملک صاحب بتائیں کہ کیا روحانی

درجہ عقل و علم کے خلاف ہے یا اُسے تیز کرتا ہے۔ اور کیا یہ غور و فکر کے بڑھانے کا سبب ہے یا اُسے کم کرنے کا۔ اگر روحانی مدارج ایسے ہی مضر ہوتے تو پھر قرآن مجید کسی کامل روحانی انسان پر نازل نہیں ہونا چاہیئے تھا۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہ نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن مجید نازل ہوا۔ اپنے روحانی مدارج اور خدا تعالیٰ کے ذریعہ پاک کئے جانے کے نتیجہ میں ہی دنیا کے مزکّی بنے اور آپ نے قرآن مجید کی بنیادی حقیقتوں اور اس کے غیر مبدل احکام کی روشنی میں ہی ایک بے نظیر عدل و انصاف سے پُر قانون اپنے قول و فعل کے ذریعہ (جو احادیث کہلاتی ہیں اور ملک صاحب ان کے منکر ہیں) پیش کیا اور ساتھ ہی لوگوں کا اپنے فیضِ صحبت سے ایسا تزکیۂ نفس کیا کہ عرب کے لوگ وحشی سے انسان اور انسان سے باخدا انسان بن گئے۔ پس خدا کے ہاتھ سے ایک تزکیہ یافتہ مزکّی کے ذریعہ ہی اسلامی انقلاب دنیا میں برپا ہوا تھا۔ جس پر آیہ کریمہ

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (جمعہ)

شاہد ناطق ہے۔ پس محض آیات قرآنیہ کا پڑھ دینا کافی نہ تھا۔ اس لئے ملک صاحب کے لئے اس سے انکار کی کیا گنجائش ہے کہ آخری زمانہ کی موجودہ شدید گمراہی کے وقت بھی کسی ایسے مزکّی کی ضرورت

ہے جو خدا کے ہاتھوں سے پاک کیا گیا ہو۔ قرآن کریم اور آثارِ نبویہ تو ایسے مزکّی کے آنے کی خبر دیتے ہیں۔ مگر واسئے قسمت کہ ملک صاحب کی عقل کا فیصلہ یہ ہے۔ کہ ایسے سب آثارِ نبویہ موضوع اور بے بنیاد ہیں۔ اور قرآن مجید سے کسی مزکّی کی ضرورت ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ مجدد دین کی بعثت کی حدیث بھی ان کے نزدیک ناقابلِ اعتبار ہے۔ لہٰذا مجدد دین جیسے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ یا حضرت ولی اللہ شاہ صاحب محدث دہلوی کے تجدید دین کے دعاوی بھی ان کے نزدیک بغیر کسی صحیح شرعی دلیل کے تھے یا معاذ اللہ افتراء علی اللہ یا وہم تھے۔

اگر یہ تجدید دین کے مدعی بھی معاذ اللہ مفتری یا اپنے دعاوی میں وہم کا شکار تھے۔ (اور ملک صاحب انہیں ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ اور ان کو دینی رہنما ماننے سے انکاری ہیں) تو پھر اگر وہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی راہ نمائی سے اپنے تئیں بے نیاز سمجھیں۔ تو یہ امر ان سے قابلِ تعجب نہیں۔

ملک صاحب! اگر روحانی مدارج کا قرآن فہمی میں کچھ دخل نہیں تو پھر آپ نے آیت "لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ" کا مطلب یہ کیوں بیان کیا۔ کہ پاکیزہ خیال لوگوں کے سوا دوسروں کو قرآنی تعلیم سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اگرچہ آیت ہذا کے یہ معنی پورے طور پر درست نہیں۔ مگر اس کا جو مفہوم ملک صاحب نے پیش کیا ہے اسے ملحوظ رکھتے ہوئے اب ملک صاحب خود ہی سوچیں۔ کہ اسے درست ماننے کی صورت

پھر ان غیر پاکیزہ عوام کی قرآن دانی کا کیا حال ہوگا جن کی دنیا میں آجکل اکثریت ہے۔ اصل حقیقت یہی ہے کہ اس آیت کے متعلق حضرت اقدس کے بیان کردہ معنی ہی درست ہیں۔ اگر ملک صاحب کے معنی ہی درست ہوتے تو آیت میں المطھرون کی بجائے الطاھرون ہونا چاہیئے تھا۔ مگر آیت میں تو المطھّرون کا لفظ ہے جو تطہیر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اور اس کے معنی ہیں پاک کئے ہوئے لوگ۔ پس مراد اس سے ایسے لوگ ہی ہیں جن کو خدا نے اپنے دست قدرت سے پاک کیا ہو۔ اور یہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو خدا تعالےٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوتے ہیں۔ ملک صاحب کی قرآن دانی کا جب یہ حال ہے کہ وہ الطاھر اور المطھر کا فرق نہیں سمجھتے تو بیچارے عوام الناس سے قرآن فہمی کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔

قرآن مجید بے شک سمجھنے کے لحاظ سے آسان ہے لیکن اس کے سمجھنے کے لئے تفقّہ کو بھی قرآن مجید از بس ضروری قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ

لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ

(سورۃ التوبہ)

یعنی کیوں ہر گروہ میں سے کچھ لوگ (اس لئے) الگ نہیں ہوتے کہ دین میں تفقہ (سمجھ) پیدا کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ہوشیار کریں

اس آیت کریمہ سے ظاہر ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں سے چاہتا ہے کہ ان میں سے ایک گروہ ہر قسم کے لوگوں سے الگ ہو کر خاص طور پر دین کو سیکھے اور لوگوں کی راہنمائی کرے۔ پس قرآن کریم کا آسان ہونا بھی ہمیں ان عالمانِ دین کی راہ نمائی سے بے نیاز نہیں کرتا۔ جن کی اہمیت اور ضرورت سے ملک صاحب انکاری ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید ان کی ضرورت کو صاف الفاظ میں پیش کر رہا ہے۔

بے شک قرآن کریم سمجھنے کے لئے آسان ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کے کمالات اور رموز و معارف سمجھنے کے واسطے ہمیں علم معانی بیان اور بدیع صرف و نحو، اصول، فقہ اور علم لغت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور ہر عامی ان علوم کی مدد کے بغیر قرآن کریم کے رموز و معارف اور کمالات کو کما حقہٗ کو سمجھ سکتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو عوام بھی ماہرینِ علوم دین اور روحانی لوگوں کے وجود سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔

بے شک اندھی تقلید کو ہم بھی جائز نہیں سمجھتے۔ لیکن عوام الناس علماء کی تقلید سے مستغنی بھی نہیں ہو سکتے۔ دیکھئے علماء اہل حدیث نے ائمہ اربعہ کی تقلید سے تو انکار کیا۔ لیکن یہ علماء جو کچھ خود کہتے تھے۔ اس کا مانا جانا از بس ضروری سمجھتے تھے۔ گویا آئمہ اربعہ کی فقاہت سے خود منکر تھے۔ لیکن عوام کو اپنی فقاہت کا قائل کرنا چاہتے تھے۔ ملک محمد جعفر خاں صاحب بھی اسی قسم کی ناؤ پر سوار ہیں۔ وہ علماء سے بینا

کی راہ نمائی سے تو انکار کرتے ہیں۔ لیکن اپنی باتیں ضرور منوانا چاہتے ہیں اور پھر خود ان کا اپنا یہ حال ہے کہ اپنی عقل اور فہم کو علامہ اقبال کی نذر کر چکے ہیں۔ جیسا کہ ان کی کتاب کے آخری باب "ختم نبوت" کے مضمون سے ظاہر ہے:-

تارکِ مے بودن نہ ہم رنگ مستاں زیستن

کا مصداق بننا اسی کو کہتے ہیں۔

ملک صاحب کی قرآن دانی کا تو یہ عالم ہے کہ انہوں نے موجودہ دورِ عقل میں مسئلہ ارتقاء کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن کی ضرورت ہی سے انکار کر دیا ہے اور اسے بطور نشان راہ بھی استعمال کرنا دورِ عقل کے انسان کی توہین سمجھتے ہیں۔ ان کے اس خیال کو آخری باب میں ہم وضاحت سے پیش کر رہے ہیں تا ہماری کتاب کے پڑھنے والے ملک صاحب کے ملحدانہ خیالات سے پورے طور پر واقف ہو جائیں۔ ایسے دور الحاد میں تو از بس ضروری تھا۔ کہ خدا کے دستِ قدرت سے تزکیہ یافتہ کوئی شخص مامور کیا جاتا اور اس کے ذریعہ الحاد کی جڑیں اکھاڑی جاتیں۔ یہ جڑیں آسمانی مدد کے بغیر نہ کبھی پہلے اکھڑی ہیں اور نہ اب اکھڑ سکتی ہیں۔ اسی لئے اسلام ہر صدی میں ایک مجددِ دین کا بھیجا جانا ضروری قرار دیتا ہے۔ مجددِ دین کی پیشوائی کے بغیر الحاد کے سمندر سے اسلام کی ناؤ کو پار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسلام بے شک کامل دین ہے۔ اور قرآن مجید معجزانہ کلام ہے مگر جب بھی اس کی دینی حیثیت پر منکرین اسلام نے حملہ کیا تو خدا تعالیٰ

کی طرف سے اس کے دفاع کا انتظام مجدد دین کی صورت میں ہی کیا گیا۔ ہمارے زمانہ میں چونکہ عیسائیت کا غلبہ تھا اور وہ اسلام پر حملہ آور تھی۔ اس لئے اس صدی کے مجدد کا نام عیسائیوں کی اصلاح کے پیش نظر مسیح رکھا گیا۔ چونکہ یہ زمانہ ایسے فتنہ کا زمانہ تھا جس سے تمام نبی ڈراتے آئے ہیں۔ اس لئے اس زمانہ میں روحانی درجہ کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے ایک امتی نبی کا بھیجا جانا ضروری قرار دیا گیا۔ جس کی پیشوائی درحقیقت کسی انسان کی پیشوائی نہیں۔ کیونکہ وہ مامور من اللہ اور خلیفۃ اللہ ہے۔ اس کی تقلید کوئی اندھی تقلید نہیں۔ کیونکہ وہ خدا تعالےٰ سے خاص تائید یافتہ ہے۔

پس جماعت احمدیہ تو اس اسلام کی قائل ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر زمانہ میں ایک مجدد کے خدا تعالےٰ کی طرف سے بھیجا جانے کی پیشگوئی فرماتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ خود قرآن مجید کی شجرہ طیبہ سے تمثیل دیتے ہوئے فرماتا ہے:۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ
اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا
كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا (ابراہیم)

یعنی اللہ تعالےٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال ایک پاک درخت سے دی ہے جس کی جڑ اپنی جگہ پر قائم ہو اور جس کی شاخیں آسمان میں پہنچی ہوئی ہوں۔ جو ہر زمانے میں خدا تعالےٰ کے

اذن سے اپنا پھل دے۔

قرآن مجید کے ان ثمرات میں سے بموجب حدیث نبوی بالخصوص مجددین اُمت ہی ہیں۔ جن کے ذریعہ قرآن کریم کے کمالات دنیا میں ظاہر ہوتے رہے۔

ملک صاحب! احمدیت پر تمام آور اپنے خود ساختہ مفروض اور مزعوم اسلام کی بنا پر تو ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ اسلام جو قرآن و حدیث نے پیش کیا ہے۔ وہ آپ کا ساتھ دینے کو تیار نہیں۔ کیونکہ آپ الہام کی ضرورت کے منکر ہیں۔ مگر قرآن مجید الہام الٰہی کو تقرب الی اللہ کی خاص علامت قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ
عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ
اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔
نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ
(حٰم۔ السجدہ)

یعنی یقیناً جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اس پر استقامت دکھائی۔ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ تم کوئی خوف اور غم نہ کرو۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں بھی۔

ملک صاحب! آپ کا یہ فقرہ:۔

"دینی علوم کی اجارہ داری صریحاً غیر اسلامی تصورات ہیں"
ایک معنی میں درست ہے۔ اور ایک معنی میں صریحاً غلط ہے۔ ان معنی میں تو درست ہے۔ کہ دین میں ہر شخص کو ترقی کرنے کا حق ہے۔ لیکن ان معنوں میں درست نہیں۔ کہ ہر شخص قرآن و حدیث کو علوم ضروریہ حاصل کئے بغیر کماحقہٗ سمجھ جاتا ہے۔ اور یہ کہ مسلمان علمائے دین کی راہنمائی سے بے نیاز ہیں۔ ان علمائے دین سے جو اپنے زمانہ کے مجدد وقت کے "تابع ہوں۔ مسلمان ہرگز بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

مجددین امت سے استغنا تو صریح الحاد ہے۔ قرآن مجید کی صاف ہدایت ہے — كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝ — (سورہ توبہ)

شہادت القرآن

ملک صاحب فہم قرآن کے بارے میں نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"مرزا صاحب پر متشابہات کی ناجائز تاویل کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں ان آیات سے چنداں سروکار نہیں رکھا۔ ان کا کارنامہ اس سے بالکل الگ ہے۔ اور اپنی شان میں نت۔ رئیبا منفرد ہے۔ انہوں نے اپنی تاویل کے ذریعے محکم آیات کو متشابہات میں داخل کر دیا ہے۔ اس عمل کی چند مثالیں اگلے باب میں لکھی جائیں گی"۔

ملک صاحب نے اپنے اس دعدہ کو بزعم خود اگلے باب شہادت القرآن میں پورا کیا ہے۔ آپ نے شہادت القرآن کے باب میں چند مثالیں حضرت اقدس کی طرف سے آیات قرآنیہ کی تفسیر کے متعلق درج کی ہیں تا اپنی اس طرز کو جو اوپر لکھی گئی ہے صحیح ثابت کریں۔

مجھے ان کے جواب میں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ملک صاحب نے سخن شناسی سے کام نہیں لیا۔ سب سے پہلے انہوں نے اس بات پر نکتہ چینی کی ہے کہ حضرت اقدس نے آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

سے اپنی صداقت پر استدلال کرتے ہوئے مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّآلِّيْن کے معنوں کو محدود کر دیا ہے۔ مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ سے مراد عام یہود نہیں لئے بلکہ یہود کا وہ خاص گروہ مراد لیا ہے جس نے حضرت مسیح کو بہت ستایا اور دکھ دیا تھا اور ان کا نام کافر اور لعنتی رکھا تھا۔ اور ان کے قتل کرنے میں کچھ فرق نہ رکھا تھا اور توہین کو ان کی مستورات تک پہنچا دیا تھا اور الضَّآلِّيْن کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ قرار دیا ہے۔ کہ اس زمانہ میں جب کہ مسیح موعود ظاہر ہوگا عیسائیوں کا بہت زور ہوگا اور عیسائیت کی ضلالت ایک سیلاب کی طرح زمین پر پھیلے گی۔ اور اس قدر طوفانِ ضلالت جوش مارے گا۔ کہ بجز دعا کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔

اسی سلسلے میں ملک صاحب کو اس بات پر بھی اعتراض ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے یہ لکھا ہے:-

> "اور یہ معنی جو ابھی میں نے سورۃ فاتحہ کی دعا غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے متعلق بیان کئے ہیں انہی کی طرف قرآن شریف کی آخری چار سورتوں میں اشارہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ تبت کی پہلی آیت تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ اس موذی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جو مظہر جمال احمدی یعنی احمد مہدی کا مکفر و مکذب اور مہین ہوگا۔"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ میں اس امت کے دو گروہوں یعنی اولین جو جماعت نبویؐ ہے۔ اور آخرین جو جماعت مسیح موعود ہے۔ کی طرف اشارہ قرار دیا ہے۔ ملک صاحب حضرت مسیح موعود کی اس دلیل کو نہایت پیچ در پیچ قرار دیتے ہیں۔

(دیکھو احمدیہ تحریک صفحہ ۱۶۹)

الجواب ملک صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۸ - ۱۵۹ پر سورۃ فاتحہ کی اہمیت کے متعلق مولانا ابو الکلام آزاد کا ایک نوٹ بھی درج کیا ہے جس میں لکھا ہے :-

"اس سورۃ کو ام القرآن کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ایک ایسی سورۃ ہے جس میں مطالب قرآنی کی جامعیت اور مرکزیت ہے باعث قرآن میں تمام سورتوں میں اپنی نمایاں اور مقدم جگہ رکھتی ہے ...... چنانچہ اس سورۃ کے مطالب پر نظر ڈالنے میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں اور قرآن کے بقیہ حصے میں اجمال اور تفصیل کا سا تعلق پیدا ہو گیا ہے یعنی قرآن کی تمام سورتوں میں دین حق کے جو مقاصد بیان کئے گئے ہیں سورۃ فاتحہ میں انہی کا بشکل اجمال بیان موجود ہے۔ اگر ایک شخص قرآن میں سے اور کچھ نہ پڑھ سکے اور صرف اس سورۃ کے مطالب ذہن نشین کر لے جب بھی وہ دین حق اور خدا پرستی کے بنیادی مقاصد معلوم کر لے گا۔"

اور ملک صاحب کو خود قرآن مجید میں رموز و معارف کے موجود ہونے سے بھی انکار نہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"یہ بات کہ قرآن میں رموز و معارف ہیں۔ اس سے یہاں انکار نہیں کیا جا رہا۔ لیکن وہ ایسے معارف نہیں ہو سکتے۔ کہ وہ انسان کی سمجھ سے ہی بالا ہوں"

جب سورۃ فاتحہ کی یہ شان ہے کہ وہ اجمالی طور پر تمام قرآن مجید کا مضمون اپنے اندر رکھتی ہے تو ماننا پڑے گا۔ کہ وہ قرآنی رموز و معارف کے سمندر کو اپنی سات آیتوں میں بند رکھتی ہے۔ لہٰذا حضرت اقدس نے سورۃ فاتحہ سے اپنے زمانہ کے لئے مسیح موعود اور اس کی جماعت کے لئے پیشگوئی کے متعلق اشارات قرار دیئے تو اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ آپ نے کوئی ہیچ در ہیچ راہ اختیار کی ہے یا

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ

کے وسیع معنی کو اپنے زمانہ کے لوگوں سے مخصوص کر دیا ہے۔ حضرت اقدس کو یہ خاص معنی بیان کرتے وقت ان الفاظ کے عام معنی سے انکار نہیں صرف محل استدلال میں اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق جن گروہوں کا حضرت مسیح موعود نے ان الفاظ سے استنباط فرمایا ہے۔ اُن کی طرف حضرت اقدس نے ان الفاظ میں صرف اشارہ قرار دیا ہے۔ گویا

مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ

کے الفاظ حضرت اقدس کے زمانہ کے دو گروہوں کی طرف بھی اشارہ

کر رہے ہیں۔ اور صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ میں جماعت نبوی اور جماعتِ مسیح موعود کی طرف اشارہ ہے۔ آیات محکمات سے بعض ایسے رموز و معارف کا استنباط کرنا جن کی تائید میں دوسری نصوص قرآنیہ و حدیثیہ بھی موجود ہوں۔ آیات محکمات کو متشابہ بنانے دینے کے مترادف نہیں۔ یہ فیصلہ ہم قارئین ہی پر چھوڑتے ہیں اور صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ خود حدیث نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے المغضوب علیھم سے مراد یہود اور الضالین سے مراد عیسائی لئے ہیں۔ اور قرآن مجید بھی ان معنوں کا مؤید ہے۔ کیونکہ یہودیوں کے متعلق غضب اللہ علیھم کے الفاظ اور عیسائیوں کے آخری گروہ کے متعلق جس کا فتنہ دجال سے تعلق رکھتا ہے۔ سورۂ کہف میں اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کے الفاظ وارد ہیں۔ گویا قرآن مجید یہودیوں کو مغضوب علیہم اور نصاریٰ کو الضالین قرار دیتا ہے۔ اور حدیث نبوی میں مسیح موعود کا کام کسر صلیب بیان ہوا ہے۔ پس قرآن و حدیث کی رو سے حضرت اقدس کا اپنے زمانہ کے خاص گروہوں کی طرف ان آیات میں اشارہ قرار دینا بالکل درست ہے۔ اسی طرح قرآن کی آخری سورتوں کا سورۂ فاتحہ سے ان اشارات کے لحاظ سے تعلق ظاہر کرنا بھی محکمات کو متشابہات قرار دینے کے مترادف نہیں۔ کیونکہ آپ نے ان رموز و معارف کو بیان کرتے ہوئے ان سورتوں کے عام معنی سے انکار نہیں کیا۔ چونکہ ملک صاحب بدظنی میں مبتلا ہیں اس لئے ان کو سیدھی باتیں بھی جن میں در اصل کوئی

پیچ و خم نہیں ۔ٹیڑھی نظر آرہی ہیں ۔ قرآن مجید کے اول کا آخر سے تعلق ظاہر کرنا کوئی پیچیدار امر نہیں ۔

ایک ضمنی امر

ملک صاحب نے اس موقعہ پر ایک ضمنی بات یہ لکھی ہے کہ :۔

"سورۃ فاتحہ کی اس تشریح کے مطابق عیسائیوں کی پوزیشن کچھ عجیب و غریب سی ہے ۔ ایک طرف ان کو الضالین قرار دیکر مسلمانوں کو ان کے فتنہ سے بچنے کی دعا سکھائی گئی ہے اور دوسری طرف مرزا صاحب کے نزدیک انہی عیسائیوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے کہ قیامت تک ان کی یہود پر بالادستی رکھی جائیگی اس کی تائید میں مرزا صاحب نے یہ آیت پیش کی ہے ۔ کہ

جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (آل عمران)

گویا عیسےٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دینا اس نبی کی تعلیم کی کی پیروی کرنا ہے ۔" (احمدیہ تحریک صفحہ ۱۶۴)

ضمنی امر کا جواب

آیت قرآنیہ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۔

سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ پیشگوئی مستنبط فرمائی ہے ۔ کہ اس آیت میں خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آپ کے متبعین یعنی عیسائیوں کو آپ کے منکرین یعنی یہود پر قیامت

تک غالب رکھے گا۔ چونکہ یہ خبر جو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کو دی تھی۔ اس کے بارہ میں واقعات ہمارے زمانہ تک اس کے سچا ہونے
کی تصدیق کر رہے تھے۔ کیونکہ عیسائی یہودیوں پر غالب چلے آ رہے
تھے۔ اس لئے اس واقعاتی شہادت کی بنا پر حضرت اقدس نے
عیسائیوں کے یہودیوں پر غلبہ کو اس زمانہ میں بھی اس پیشگوئی کے
مطابق حاصل شدہ ٹھہرایا۔ گو یہ درست ہے کہ عیسائیوں کے عقائد
سخت بگڑ چکے ہیں۔ اور وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بلکہ الوہیت
کی ایک اقنوم قرار دے رہے ہیں۔ لیکن چونکہ بظاہر وہ حضرت مسیح علیہ السلام
کی اتباع کے دعویٰ کے مدعی ہیں۔ اس لئے گو حقیقی متبع تو حضرت عیسیٰ
کے مسلمان ہیں۔ اور وہ اس پیشگوئی کا مصداق بھی ہیں لیکن واقعاتی
شہادت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے عیسائیوں کے
اتباع کے ظاہری دعویٰ کو بھی پیشگوئی میں ملحوظ رکھا ہے۔ اور
انہیں یہود پر غلبہ دے رکھا ہے۔ آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ
صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ
عیسائیوں کے غلبہ کی پیشگوئی کے خلاف نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ
نے قرآن مجید میں یہود کی یہ پوزیشن بطور پیشگوئی بیان کر رکھی ہے۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ
مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ (اعراف)

کہ (اے نبی) تیرے رب نے یہ اعلان کر دیا ہے۔ کہ ضرور یہودیوں

پر ایسے لوگوں کو بھیجتا رہے گا۔ (یعنی مسلط کرتا رہے گا) واقعات کی شہادت سے یہ پیشگوئی سچی ثابت ہو رہی ہے۔ اور ہمارے زمانہ تک یہودی عیسائیوں کے بالمقابل مغلوب چلے آرہے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ۔ (سورۃ آل عمران)

کہ یہود پر ذلت اور مسکنت کی مار ماری گئی ہے۔ جہاں کہیں بھی یہ پائے جائیں بجز اس صورت کے کہ اللہ کی رسی کو پکڑ لیں (یعنی مسلمان ہو جائیں) یا لوگوں کی رسی کو پکڑ لیں یعنی کسی حاکم قوم سے معاہدہ کر لیں۔ یہ اس ذلت اور مسکنت سے نکل نہیں سکتے۔

پس قرآن مجید کی دوسری آیات بھی عیسائیوں کے بالمقابل ان کی مغلوبیت پر نص صریح ہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان آیات کی روشنی میں اگر

جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

سے یہ استدلال فرمایا کہ اس میں اس خدائی وعدہ کا ذکر ہے کہ عیسائی قیامت تک یہودیوں پر غالب رہیں گے تو اس میں کیا قباحت ہے۔ عیسائیوں کو آپ نے حضرت مسیح علیہ السلام کا حقیقی متبع تو قرار نہیں دیا۔ اور آیت کے حکم میں انہیں صرف ادعائی متبع کی حیثیت میں داخل سمجھا ہے اور یہ معنی واقعاتی شہادت کے عین مطابق ہیں۔ واقعات سے قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر کرنا خصوصاً ایسی آیت کی جو پیشگوئی پر مشتمل ہو ایک صحیح

طریق تفسیر ہے۔ اگر ملک صاحب کو یہ ناپسند ہو تو ہو۔ ہم تو اس طریقِ تفسیر کو ازبس ضروری سمجھتے ہیں۔

دوسری آیت جس سے استدلال پر ملک صاحب معترض ہیں یہ ہے

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (سورۃ نور)

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے خلفاء کی خلافت کو كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہہ کر موسوی سلسلہ کے خلفاء کے مشابہ اور مماثل قرار دیا گیا ہے۔ ان دونوں آیتوں کے متعلق ملک صاحب کی نکتہ چینی کا جواب ہم اپنے مضمون میں ایک پہلے باب میں دے چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد ملک صاحب نے حضرت اقدس کی خلافت کی مماثلت کے متعلق تحفہ گولڑویہ میں بیان کردہ فلسفیانہ استدلال پر کہ

"کمال ہر ایک چیز کا استدارت کو چاہتا ہے"

یہ جو نکتہ چینی کی ہے۔ اس کا جواب بھی ہم قبل ازیں دے چکے ہیں۔

چاند سورج کو گرہن والی حدیث پر اعتراض

اس کے بعد ملک صاحب نے مسیح موعود کے زمانہ میں چاند اور سورج کو رمضان کے مہینہ میں خاص تاریخوں پر گرہن لگنے کی روایت کو لیا ہے۔ ملک صاحب اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں

اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی اپنے ظاہری الفاظ کے لحاظ سے پوری نہیں ہوئی۔

اعتراض کا جواب

ملک صاحب! جو پیشگوئی پوری ہو جائے اس سے تعلق رکھنے والی حدیث کو اگر روایتاً ضعیف بھی ہو۔ ہمیں درایتاً سب سے قوی سمجھنا چاہیئے۔ آپ تو درایت اور عقل کو سند حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کا یہ لکھنا درست نہیں کہ یہ پیشگوئی ظاہری الفاظ میں پوری نہیں ہوئی۔ کیونکہ حدیث کے ظاہری الفاظ میں ماہ رمضان میں چاند کو ۱۳ تاریخ کو اور سورج کو ۲۸ تاریخ کو گرہن لگنے کے متعلق خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کے مطابق صاف اشارہ موجود ہے۔ اور حضرت اقدس سے پہلے لوگوں نے بھی اس اشارہ کو سمجھا ہے۔

آیت قرآنیہ سے استدلال پر اعتراض

اس جگہ ملک صاحب کو اس بابت پر بھی اعتراض ہے کہ آیت جمع الشمس والقمر میں حضرت مرزا صاحب نے تحفہ گولڑویہ میں لکھا ہے:۔

"میں نے آیت جمع الشمس والقمر کی نسبت لکھا ہے کہ یہ اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ آخری زمانہ میں مسیح موعود کے ظاہر ہونے کے وقت سورج اور چاند کو ایک ہی مہینہ اور وہ بھی رمضان میں گرہن لگے گا"

اس پر نکتہ چینی کرتے ہوئے بلکہ استہزاء کرتے ہوئے ملک صاحب لکھتے ہیں:۔

یہاں مرزا صاحب نے آیت مذکور کی اس تفسیر کے لئے
کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود مرزا صاحب
کو اس معاملے پر پورا اطمینان حاصل نہیں ہوا۔ چنانچہ تحفہ گولڑویہ
کی تصنیف کے چند ماہ بعد جب وہ ایک رسالہ بعنوان ریویو
بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی تحریر فرما رہے تھے۔ تو انہیں
قرآن کی ایسی آیت مل گئی۔ جس میں واضح طور پر رمضان میں
سورج اور چاند کے گرہن کا ذکر تھا۔ اور وہ آیت یہ ہے:۔

خسف القمر والشمس فی رمضان
فبای آلاء ربکما تکذبان

آپ کہیں گے کہ یہ عبارت تو قرآن میں موجود نہیں یہ درست
ہے۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ مرزا صاحب
کی زبان سے اس کا شان نزول سنئے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا" کے ثبوت میں ملک صاحب نے حضرت
مرزا صاحب کے ایک خواب کا ذکر کیا ہے۔ جس میں آپ نے مولوی
محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کو مخاطب
کر کے یہ الفاظ کہنے کا ذکر کیا ہے۔ اور اس بات کا بھی ذکر فرمایا
ہے کہ میں خواب میں اخویم مولوی عبدالکریم صاحب کو کہتا ہوں کہ
آلاء سے مراد اس جگہ میں ہوں۔

یہ خواب ذکر کرنے کے بعد ملک صاحب لکھتے ہیں:۔

"اگر یہ محض خواب ہوتا تو بھی اس کا مقام نہایت ارفع ہوتا۔ کیونکہ ایک نبی کا خواب ہے۔ لیکن مرزا صاحب نے خود اس خواب کا مقام بھی متعین کر دیا ہے۔

فرماتے ہیں :-

"پھر میں نے ایک دالان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا کہ اس میں چراغ روشن ہے گویا رات کا وقت ہے۔ اور اسی الہام مندرجہ بالا کو چند آدمی چراغ کے سامنے قرآن شریف کھول کر اس سے یہ دونوں فقرے نقل کر رہے ہیں۔ گویا اسی ترتیب سے قرآن شریف میں وہ موجود ہیں۔ اور ان میں سے ایک شخص کو میں نے شناخت کیا کہ یہ نبی بخش صاحب امرتسری ہیں۔"

(احمدیہ تحریک ص۱۷۸، ص۱۷۹)

ہماری کتاب کے پڑھنے والے اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ آخری حصہ بھی خواب کا حصہ ہی ہے۔ جس میں آپ نے ایک دالان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا کہ چند آدمی قرآن شریف سے یہ دونوں فقرے نوٹ کر رہے ہیں۔ ملک صاحب کا اس خواب کی بنا پر ان فقروں کو قرآن کی آیت قرار دینا ان کے کسی اچھے ذوق پر دال نہیں بلکہ یہ بے ذوقی ان کی تنقید کے مرتبہ کو بہت گرا رہی ہے۔

وہ استہزاءً لکھتے ہیں :-

"کہ اگر مرزا صاحب سورۃ الرحمٰن میں اس زائد ٹکڑے کا خاص مقام بھی بتا دیتے تو ان کے معتقد قاری کے لئے زیادہ آسانی ہو جاتی" (احمدیہ تحریک ص۱۶۹)

ملک صاحب! حضرت اقدس نے اس خواب سے یہ استدلال تو نہیں کیا۔ کہ درحقیقت یہ دونوں فقرے قرآن کی سورۃ الرحمٰن میں موجود ہیں۔ تاکہ ان کے خاص مقام کے بتا دینے کا سوال پیدا ہوتا۔ کیا آپ نہیں جانتے۔ کہ خواب تعبیر طلب ہوتا ہے۔ اگر جانتے ہیں تو پھر آپ کی یہ ساری نکتہ چینی محض تمسخر اور ایک بے حقیقت تنقید ہے۔ اس خواب کی تعبیر صرف یہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں بہر حال اس پیشگوئی کا ذکر کسی نہ کسی رنگ میں ضرور موجود ہے۔ حضرت مسیح موعود نے وہ آیت جس میں اس پیشگوئی کا ذکر موجود ہے جمع الشمس والقمر بیان فرمائی ہے اور یہی اس خواب کی تعبیر ہے۔ اہل اللہ پر خوابوں میں معارف قرآنی کا کھولا جانا کوئی نئی بات نہیں۔ آخر آیت جمع الشمس والقمر کے معنی ملک صاحب کے نزدیک کیا ہیں۔ سورج اور چاند کس طرح جمع ہوں گے؟ سورۃ القیامت کی اس آیت میں تو صاف لکھا ہے:-

بَلْ يُرِيدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ۔ يَقُولُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ۔ كَلَّا لَا وَزَرَ۔ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس جگہ قیامت صغریٰ کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ جب لوگ خدا کے سامنے فسق وفجور میں مبتلا ہوں گے تو پوچھیں گے کہ قیامت کا دن کون سا ہے یعنی زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں گے کہ ہماری تباہی یا ترقی کی گھڑی کب آئے گی۔ اس کا اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے۔ کہ جب ان کی نگاہ خیرہ ہو جائے گی۔ اور چاند کو گرہن لگے گا اور شمس وقمر (سورج چاند) کو جمع کر دیا جائے گا۔ یعنی گرہن میں تو اس وقت انسان (خود) کہے گا۔ کہ آج کہاں جائے فرار ہے۔ خدا کہے گا کہ کوئی جائے پناہ نہیں آج صرف تیرے رب کی طرف ٹھکانا ہے۔ آیت کے اس آخری حصہ میں اشارہ ہے کہ چاند کے گرہن اور سورج اور چاند کے گرہن میں جمع ہو جانے کے بعد انسان کے لئے صحیح راستہ سے کوئی جائے فرار نہیں ہوگی۔ اور دنیا طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہوگی۔ اور یہ عذاب کوئی بوجھ نہیں بلکہ ان کے اعمال کا نتیجہ ہوں گے۔

غرض سورۃ القیامت میں قیامت کبریٰ کے ذکر کے بعد قیامت صغریٰ یعنی آثار قیامت بیان ہوئے ہیں۔ اور مسیح موعود کی بعثت اور اس کے زمانہ کی علامات بھی آثار قیامت میں سے ہیں۔ انہی میں سے سورج وچاند کا گرہن ہیں۔

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ

اس میں بتایا گیا ہے کہ قیامت صغریٰ کے عذابوں سے نجات کا راستہ ایک ہی ہے کہ انسان اس دن یعنی اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف کامل طور پر

پر رجوع کریں۔ قیامت کبریٰ سے پہلے قیامت صغریٰ کا ظہور ضروری ہے۔
جس سے غرض یہ ہوگی۔ کہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ
اللہ تعالیٰ دوسری جگہ قرآن مجید میں فرماتا ہے :-

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ
الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ (سورہ سجدہ)

کہ ہم عذاب اکبر سے پہلے انہیں اس سے قریب کا عذاب ضرور
چکھائیں گے تاکہ وہ رجوع کریں۔ یہ عذاب ادنیٰ آثار قیامت کبریٰ
میں سے ہی ہے۔

ملک صاحب جب اپنے نظریہ تخلیق اور ارتقاء کو غلط طریق پر سمجھنے
کی وجہ سے آثار قیامت سے ہی منکر ہیں۔ تو ان آیات کے حقائق و معارف
پر کیسے اطلاع پا سکتے ہیں۔ ایسی آیات کے سمجھنے کے لئے تو ذوق سلیم اور
روحانی بصیرت کی ضرورت ہے۔ لفظی ترجمہ کر لینا کوئی بڑی بات نہیں
ہمارا ملک صاحب سے سوال ہے کہ اگر ان آیات میں قیامت صغریٰ
یعنی آثار قیامت کا ذکر نہیں تو وہ بتائیں کہ قیامت کبریٰ کے دن چاند کے
گرہن لگنے اور سورج اور چاند کے جمع ہونے سے وہ کیا سمجھتے ہیں؟ آخر حضرت
اقدس کی تفسیر پر آپ کو اعتراض ہے تو چاہیئے تھا کہ اس کے بالمقابل کوئی
تفسیر ان آیات کی آپ بھی پیش کرتے تا قارئین کتاب کو دونوں تفسیروں میں
موازنہ کا موقع مل سکتا۔ دوسروں کی تفسیر پر اندھا دھند اعتراضات کرنا تو
کوئی بڑا کمال نہیں۔ یہ کام تو ہر عامی بلکہ جاہل بھی کر سکتا ہے۔ ملک صاحب نے

جب حضرت اقدس کی تفسیر کو رد کیا تھا تو دوسری طرف اگر وہ اس موقعہ پر اس آیت کی تفسیر اپنے خیالات کی رو سے بھی تحریر فرماتے۔ تو احمدیہ تحریک کا قاری دونوں تفسیروں میں موازنہ کر کے کسی ایک کو اہم اور مناسب قرار دیتا۔

ملک صاحب! چاند اور سورج کا ایک رنگ سے جمع ہونا تو ہر ماہ سلخ کی راتوں میں ہوتا ہی ہے۔ اس صورت میں نہ یہ آثارِ قیامت میں سے ہو سکتا کہ نہ اس کا ذکر ضروری تھا اور ایک دوسرے معنوں میں ان دونوں کا جمع ہونا قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (سورۃ یٰس)

یعنی سورج کے لئے یہ بات مناسب ہی نہیں کہ وہ چاند کے ساتھ اکٹھا ہو جائے۔ اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ چاند اور سورج میں سے ہر ایک اپنے اپنے فلک میں گردش کر رہا ہے۔ گویا اپنے محور کو چھوڑ کر ان کا اکٹھا ہونا محال ہے۔ وہ اپنے مقررہ حیّز کو ترک نہیں کر سکتے تو پھر قیامت کے دن سورج کا چاند کے ساتھ جمع ہونا کس طرح ہوگا؟

حضرت اقدس نے تو سیاقِ کلام کے قرینہ خَسَفَ الْقَمَرُ کے لحاظ سے ان کا خسوف (گرہن) میں جمع ہونا قرار دیا ہے۔ گویا یہ جمع ہونا ایک وصف میں ہے۔ جو بطور علامتِ قیامت ہوگا۔ اگر اس دن جمع ہونے سے مراد آپس میں ٹکرا جانا لیا جائے تو اس کے تو ملک صاحب قائل ہی نہیں۔ کیونکہ اس بات کو وہ مقصدِ تخلیق اور نظریہ ارتقاء کے خلاف سمجھتے

ہیں۔ اور اسی لئے وہ آثارِ قیامت سے متعلقہ احادیث کو موضوع قرار دے رہے ہیں۔ اور ہم لوگ یہ مضمون خود نفس آیت سے سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ایسی تباہی سے خود انسان کا وجود باقی نہیں رہ سکتا۔ تو وہ اَیْنَ الْمَفَرُّ کا قول کیسے کہیگا پھر قیامت کے دن تو انسان نئی زندگی میں ہوگا۔ اور اس کے بعد اس کے لئے ضرورت نہیں۔ پس ملک صاحب کے ذہن میں اس آیت کے جو معنے ہیں افسوس ہے کہ ہم اس کے جاننے سے محروم ہیں۔ غالبًا ملک صاحب اپنے معنے بتانے سے ڈرتے ہیں۔ تاکہ وہ خود نکتہ چینی کا نشانہ نہ بن جائیں۔ اس لئے انہوں نے حضرت اقدس کی تفسیر کا مضحکہ اڑانے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ملک صاحب کو بدگمانی سے بچائے۔ اور قرآن مجید کا صحیح ذوق بخشے۔

آخری اعتراض

شہادۃ القرآن کے باب میں ملک صاحب کا آخری اعتراض یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے آیات مندرجہ ذیل میں لکھا ہے کہ آدم چھٹے دن پیدا ہوا۔ وہ آیات یہ ہیں:۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ؕ

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً الخ

اس پر ملک صاحب معترض ہیں۔ کہ

متذکرہ بالا آیات میں جمعہ کے دن اور عصر کے وقت کا کوئی ذکر

نہیں .... قرآن کے ساتھ مرزا صاحب کی اس
آزادی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جماعت احمدیہ میں اس طرح کی تفسیر کرنا
ایک بڑا کارنامہ اور قابل قدر کام سمجھا جاتا ہے" (احمدیہ تحریک صفحہ ۱۸۶/۱۹۳)

الجواب واضح ہو کہ قرآن کریم سے یہ امر صاف ظاہر ہے کہ زمین
و آسمان اور مابین کی تخلیق چھ دنوں میں ہوئی ہے بے شک یہ دن چوبیس
گھنٹے کے نہ تھے۔ مگر جب دنیا کی تکمیل ہو گئی۔ اور آدم کا وجود ظہور میں آیا
تو چونکہ آدم موجودات میں سے اکمل تھا۔ اس لئے اس کا ظہور زمین و آسمان
کی پیدائش میں سب سے بعد ہوا۔ اس پر

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً

کے الفاظ دال ہیں۔ یعنی زمین و آسمان کی پیدائش پر جب خدا نے فرشتوں
سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بناؤں گا۔ تو فرشتوں نے کہا کیا ایسے
شخص کو خلیفہ بناؤ گے جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا اور ہم تیری
حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں۔ اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ تو خدا تعالےٰ
نے جواب دیا ہے۔ میں خوب جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اذ قال میں حرف اذ ظرف ہے۔ اور ترتیب آیت صاف بتا رہی ہے۔ کہ
آدم کی پیدائش زمین و آسمان کی تخلیق کرنے کے بعد ہوتی ہے اور قرآن مجید
سے یہ بھی ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں
میں پیدا کیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ

سِتَّۃِ اَیَّامٍ (سورۃ سجدہ)

یعنی خدا نے آسمان و زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا ہے۔ چھٹے دن کو جو آدم کی پیدائش کا دن تھا معلومات عرفیہ کے لحاظ سے جمعہ کا دن قرار دیا گیا ہے۔ پس ان آیات کی تفسیر میں سِتَّۃِ اَیَّام کی آیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت اقدس نے آدم کی پیدائش کا چھٹے دن میں ہونے کا استنباط فرمایا ہے۔ عصر کے وقت پیدا ہونے کا ذکر آیت میں صریح طور پر موجود ہونے کا دعویٰ نہیں مگر اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں اس کے لئے ایک اشارہ ضرور موجود ہے۔ جس کی تائید میں علم ہیئت کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ملک صاحب اگر اپنے خود ساختہ فلسفہ کے نظریات کے موافق قرآن کی تفسیر کریں تو اُن کے لئے سب کچھ جائز ہے مگر حضرت اقدس اگر قرآن کریم کی تفسیر میں بعض دوسرے علوم کو ملحوظ رکھیں۔ تو وہ آپ کے نزدیک مطعون ہیں۔ افسوس کہ ملک صاحب کا لینے کا پیمانہ اور ہے اور دینے کا اور۔

نکاحِ ثانی اور حضرت مسیح موعودؑ کا کردار

ملک محمد جعفر خان صاحب نے اپنی کتاب میں "مرزا صاحب اور مصنف مجبور" کے عنوان سے جو باب لکھا ہے۔ اس میں پہلے تو عورتوں کے حقوق کے متعلق مسلمان فقہاء اور بالخصوص حنفی فقہ پر تنقید کی ہے اور اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰۶ پر لکھا ہے:-

"عظیم ترین ظلم یہ ہے کہ جن قواعد کو اسلامی قانون کہا جا رہا ہے۔ ان میں سے اکثر یا تو قرآنی احکام کے صریحاً خلاف ہیں یا ان احکام میں ناجائز تحریف اور ان کی غلط تفسیر کر کے وضع کئے گئے ہیں۔ انہی قواعد میں سے تعددِ ازدواج کا مسئلہ ہے۔ عام طور پر فرض کر لیا گیا ہے۔ کہ مسلمانوں کو غیر مشروط طور پر بیک وقت چار تک بیویاں نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے۔ اور اس کے لئے سورۃ نساء کی ایک آیت پر انحصار کیا جاتا ہے۔ لیکن اس آیت کا سیاق و سباق اور الفاظ واضح طور پر ظاہر کر رہے ہیں کہ یہاں تعددِ ازدواج کے لئے عام قاعدہ مقرر نہیں کیا گیا۔ بلکہ ایک خاص قومی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک استثنائی صورت کی اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ متعلقہ دو آیات کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

" اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور اچھی چیز کو ردی سے

نہ بدلو۔ اور ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر مت کھاؤ۔ کیونکہ یہ بڑا گناہ ہے اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے۔ تو ایسی عورتوں سے نکاح کر لو۔ دو تین چار تک۔

(ملک صاحب کے ترجمہ کے آخری حصہ میں سقم ہے۔ ترجمہ یوں ہونا چاہیے۔ کہ ایسی عورتوں سے نکاح کر لو۔ جن کو تم اپنے لیے پسند کرو۔ دو۔ تین۔ چار تک من المصنّف)

آیتوں کا ترجمہ دے کر ملک صاحب لکھتے ہیں:۔

"گویا اصل مقصد ان بیوگان کی حفاظت ہے جن کے ساتھ یتیم بچے ہیں اور حالات ایسے ہیں کہ سوائے تعدّد ازدواج کے ان بیوگان اور یتیم بچوں کی کما حقہٗ نگہداشت کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ مثال کے طور پر اس طرح کی صورت جنگ کے نتیجہ میں پیدا ہو سکتی ہے۔ جب مرد ایک کثیر تعداد میں مارے جائیں اور ملک میں ایک بھاری تعداد یتیم بچوں اور ان کی ماؤں کی رہ جائے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مذکورہ بالا آیات سے عیاں ہے۔ کہ سوائے اس صورت کے کہ یہ اندیشہ ہو کہ یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے مال کی حفاظت کا اور کوئی ذریعہ نہیں، تعدد ازدواج کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ اور پھر ایک بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری ایسی عورت سے نکاح قطعاً ناجائز ہے۔ جس کے ساتھ یتیم بچے نہ ہوں۔ (احمدیہ تحریک ص ۲۰۶/۲۰۷)

ملک صاحب نے یہ عبارت حضرت اقدس کے نکاح ثانی پر اعتراض کرنے کے لئے بطور تمہید لکھی ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت کی رُو سے نکاح ثانی کی بجز اس صورت کے کہ عورت اپنے ساتھ یتیم بچہ رکھتی ہو ہرگز اجازت نہیں۔ مگر ملک صاحب نے سوچا نہیں۔ کہ یہ تفسیر کر کے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے تعامل امّت کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوا یکسر نظر انداز کر رہے ہیں۔ حالانکہ نکاح ثانی معاشرہ اسلامی کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اُس زمانہ کے حالات پر نظر رکھنے والا کبھی باور نہیں کر سکتا۔ کہ قرنِ اول میں ہی مسلمانوں نے باوجود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے براہ راست مستفیض ہونے کے ان آیات کی تفسیر صحیح طور پر نہیں سمجھی۔ اور آیت کے مفاد کے خلاف ایسی عورتوں سے بھی نکاح ثانی کیا۔ جو اپنے ساتھ یتیم بچے نہیں رکھتی تھیں۔ اور پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن مجید کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے یتیم بچہ نہ رکھنے والی عورت سے نکاح ثانی کرنے پر کوئی گرفت نہیں فرمائی۔ جس سے ظاہر ہے کہ ملک صاحب کی تفسیر درست نہیں۔ ہر عقلمند جانتا ہے کہ جو مسائل معاشرہ سے تعلق رکھتے ہیں ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل قرآن مجید کی حقیقی تفسیر ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے قرآن مجید کے عملی مسائل پر اس شاندار طریق سے عمل کر کے دکھایا ہے۔ جس کی نظیر کسی نبی کی امت میں نہیں ملتی۔

قطع نظر تعامل کے جب آیت کے نفسِ مضمون پر غور کیا جائے۔ تو

وہ بھی ملک صاحب کے محاورہ معنوں کو صریحاً رد کر رہا ہے۔ بے شک یہ آیت یتامیٰ کی خبرگیری کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس میں یتامیٰ کی خبرگیری کی ایک تجویز اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ مگر اس میں یہ شرط ہرگز نہیں لگائی گئی۔ کہ یتیم بچہ رکھنے والی بیوہ کے سوا اور کسی عورت سے کسی بھی صورت میں نکاح ثانی کی ہرگز اجازت نہیں۔ اس آیت کے ایسے معنی تب درست ہوتے۔ اگر اس میں فانکحوا ما طاب لکم من النساء کے بعد التی ھنّ ذوات الاولاد یا اس کی بجائے الثیبات التی ھنّ ذوات الاولاد کے الفاظ ہوتے النساء (عورتوں) کا لفظ ثیبات (بیوہ عورتوں) کے بالمقابل عام ہے۔ اس لئے آیت کے عموم کو نظرانداز کر کے اس کو بلاوجہ بیوہ عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جاسکتا۔

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر یتامیٰ کی خبرگیری کے متعلق تمہیں ڈر ہو (خواہ اس کی کچھ بھی وجوہات ہوں۔ مثلاً تمہاری پہلی بیوی ان کی خاطرخواہ نگرانی نہ کر سکتی ہو) تو اس صورت میں تم دو یا تین یا چار تک عورتوں سے حسب ضرورت دلپسند نکاح کر کے یتامیٰ کی خبرگیری کا انتظام ان کے سپرد کر دو بشرطیکہ تم اپنی بیویوں میں مساوات قائم رکھ سکو اور تمہیں یہ خوف نہ ہو کہ تم مساوات قائم نہیں رکھ سکو گے۔ غرض اس آیت میں عدل قائم رکھنے کی شرط کے ساتھ یتامےٰ کی مناسب خبرگیری کے لئے جب کہ یہ خوف ہو کہ بجز نکاح ثانی کے خبرگیری نہیں ہو سکتی، یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ اس صورت میں کسی پسندیدہ اخلاق و اطوار والی عورت سے نکاح ثانی کر لیا جائے۔ یہ نکاح اس حال میں

واجب ہوگا۔ نہ یہ کہ صرف اس کی اجازت ہوگی۔ کیونکہ یتامیٰ کا مسئلہ معاشرہ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور یتامیٰ کی خبرگیری قوم پر واجب ہے۔ اس لئے جن ذرائع سے یہ خبرگیری صحیح اور مناسب طور پر انجام پاسکتی ہے وہ ذرائع بھی واجب ہونے چاہئیں۔ ان میں رخصت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ آیت منطقی طور پر ایک قضیۂ شرطیہ ضروریہ کے حکم میں ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ یتامیٰ کی خبرگیری کے متعلق خوف ہو تو پسندیدہ اخلاق و اطوار عورتوں سے حسب ضرورت دو تین چار عورتوں تک نکاح ثانی ضروری ہے۔ اور اس قضیہ کا مفہوم مخالف یا اس کی نقیض یہ نہیں کہ اگر یتامیٰ کی خبرگیری تمہارے ذمہ نہ ہو تو تم نکاح ثانی نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کی نقیض یہ ہے کہ اگر یتامیٰ کی خبرگیری کے متعلق تمہیں کوئی خوف نہ ہو تو پھر تم پر دو تین یا چار عورتوں سے نکاح واجب نہیں۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ اس صورت میں نکاح ثانی کی چار عورتوں تک صرف رخصت ہے۔ بشرطیکہ اپنی بیویوں میں عدل قائم رکھ سکو۔ پس ملک صاحب جس منطق کے دلدادہ ہیں وہ بھی اس آیت میں نکاح ثانی کی شرط عدل کے ساتھ رخصت دیتی ہے۔ اصول فقہ کے لحاظ سے تو بہرحال یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ گو عبارت النص یتامیٰ کی خبرگیری کے بارے میں ہے۔ لیکن یہ نص اپنے حکم میں اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عدل کی شرط کے ساتھ چار عورتوں سے نکاح کی اسلام نے رخصت دی ہے۔ کیونکہ نکاح ثانی کے لئے صرف جنگ کی وجہ سے یتامیٰ کی موجودگی کے علاوہ اور موجبات بھی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً پہلی بیوی دائم المرض

ہو یا جُذام وغیرہ عوارضِ خبیثہ میں مبتلا ہو یا عقیمہ ہو یا اتنی کمزور ہو کہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو یا مرد قوی الطاقت ہو اور تقویٰ کو قائم رکھنے کے لئے اس کے لئے نکاح ثانی ضروری ہو۔ کامل دین کا فرض ہے کہ ایسے طبعی حالات کے لئے نکاح ثانی کی رخصت دے۔ اسلام چونکہ دینِ کامل ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور فقہائے اسلام نے اس آیت سے بعض ایسے موجبات کی وجہ سے نکاح ثانی کی رخصت کا قرآن مجید سے استنباط کیا ہے۔ تاریخ کا یہ اہم واقعہ کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو اس وقت ان صحابہ نے جن کی بیویوں کی تعداد چار سے زیادہ تھی۔ چار کو رکھ کر باقیوں کو رخصت کر دیا۔ کیا ملک صاحب اس بات کا کوئی ثبوت دے سکتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے صرف انہی چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھا۔ جن کے ساتھ یتیم بچے تھے۔ اور باقی سب ایسی عورتوں کو رخصت کر دیا۔ جن کے ساتھ یتیم بچے نہ تھے۔ جب کہ ملک صاحب کے پاس اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ اور صحابہ کے تعامل سے وہ اپنے معنوں اور تفسیر کو موافق ثابت نہیں کر سکتے۔ تو ان کی تفسیر محض اُن کی ذاتی رائے ہے جو قرنِ اوّل کے تعاملِ امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے محض الحاد کا حکم رکھتی ہے۔ لہٰذا ملک صاحب کی اس غلط تفسیر کی بنا پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نکاح ثانی پر اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

ملک صاحب کا حضرت مسیح موعودؑ کے نکاح ثانی پر

اعتراض

ملک صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نکاحِ ثانی پر ذیل کے الفاظ میں معترض ہیں:۔

لبعض لوگ میری اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں کہ نکاح ثانی کی غرض صرف یتیم بچوں کی رعایت سے ہے۔ لیکن اس میں تو سب متفق ہوں گے کہ انصاف کی شرط ضروری ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حکم یہ ہے کہ ایک بیوی کے ہوتے ہوئے اگر دوسری شادی کا خیال پیدا ہو۔ تو اس وقت اپنے حالات کا جائزہ لو اور دل کو ٹٹولو۔ اگر تم کو خوف ہو کہ انصاف نہ کرسکو گے۔ تو ایک ہی بیوی رکھو۔ اور دوسرا نکاح کرنے سے باز رہو۔ اگر مرزا صاحب قرآنی حکم کے ماتحت دیانت داری سے غور کرتے۔ تو یقیناً وہ اس نتیجہ پر پہنچتے۔ کہ اس عمر میں وہ اپنی نئی دلہن اور ادھیڑ عمر کی بیوی کے درمیان انصاف نہ کرسکیں گے۔

۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مرزا صاحب کی نسبت ہمارے پاس ایسی شہادت موجود ہے۔ جو ظاہر کرتی ہے۔ کہ اپنے حالات

کے ماتحت ان کو یقین تھا۔ کہ دوسری شادی کے بعد وہ اپنی پہلی بیوی سے انصاف نہیں کر سکیں گے۔"

اس شہادت کے ثبوت میں ملک صاحب سیرت المہدی سے ذیل کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ جس میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں:۔

"والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ کہ میری شادی کے بعد حضرت صاحب نے انہیں (یعنی پہلی بیوی کو) کہلا بھیجا کہ آج تک تو جس طرح ہوتا رہا۔ ہوتا رہا۔ اب میں نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اس لئے اب اگر دونوں بیویوں میں برابری نہ رکھوں گا تو میں گنہگار ہوں گا۔ اس لئے اب دو باتیں ہیں یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو۔ یا مجھے اپنے حقوق چھوڑ دو۔ میں تم کو خرچ دیئے جاؤں گا۔ انہوں نے کہلا بھیجا۔ اب میں بڑھاپے میں کیا طلاق لونگی۔ بس مجھے خرچ ملتا رہے میں اپنے باقی حقوق چھوڑتی ہوں۔"

(سیرۃ المہدی حصہ اول روایت ۳۳)

یہ روایت درج کر کے ملک صاحب لکھتے ہیں:۔

"متذکرہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ مرزا صاحب اس امر کے معترف تھے۔ کہ وہ دو بیویوں میں برابری کا سلوک کرنے کے اہل نہیں ہیں۔"

الجواب اس اعتراض کے جواب میں عرض ہے کہ ملک صاحب نے

اس روایت کی بناء پر جو اعتراض کیا ہے ۔ وہ درست نہیں ۔ افسوس ہے کہ ملک صاحب نے اس جگہ اس روایت کا پہلا حصّہ اپنی کتاب میں درج نہیں کیا ۔ جس میں صاف ان کے اعتراض کا جواب موجود تھا ۔ وہ اگر اس حصّہ کو درج کر دیتے ۔ تو ان کی کتاب پڑھنے والوں کو فوراً یہ رائے قائم کرنا پڑتی ۔ کہ ملک صاحب کا اعتراض سراسر بے جان ہے ۔ ہم اس جگہ روایت کا پہلا حصّہ درج کر دیتے ہیں ۔ جس سے ملک صاحب کے پیش کردہ حصّہ کا ماحول سامنے آجاتا ہے اور ہر دیانتدار کے لئے آسانی سے یہ فیصلہ کرنے میں مدد ملتی ہے کہ ملک صاحب کا اعتراض محققانہ ہے یا معاندانہ ۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ اپنی کتاب سیرۃ المہدی جلد اوّل کے صہ۳۳ پر روایت ملا۴ میں درج فرماتے ہیں جس کا پہلا حصّہ یوں ہے :۔

"بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو اوائل میں ہی مرزا فضل احمد کی والدہ سے بے تعلقی سی تھی ۔ جس کی وجہ یہ تھی ۔ کہ حضرت صاحب کے رشتہ داروں کو دین سے سخت بے رغبتی تھی ۔ اور اُن کا اُن کی طرف میلان تھا ۔ اور وُہ اسی رنگ میں رنگین تھیں ۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان سے مباشرت ترک کر دی تھی ۔ ہاں آپ ان کے اخراجات باقاعدہ دیا کرتے تھے ۔"

اس کے بعد روایت کا وہ حصّہ آتا ہے جسے درج کر کے ملک صاحب نے اپنے

اعتراض کی بنیاد رکھتی ہے۔ روایت کا جو حصہ ہم نے درج کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت اقدس نکاح ثانی سے پہلے ایک عرصہ سے اپنی پہلی بیوی کے دین کی طرف سے لاپرواہی اور بے رغبتی کی وجہ سے عملاً مجردانہ زندگی گذار رہے تھے۔ کیونکہ آپ کی اس بیوی کو آپ سے اخلاقی اور روحانی لحاظ سے کوئی مناسبت نہیں تھی۔ اور وہ آپ کے لئے اس سکون قلبی کا موجب نہ تھیں۔ جسے قرآن مجید نے لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا کے الفاظ میں نکاح کی غرض بیان کیا ہے۔ اس حالت نشوز کے علاج کے لئے حضرت اقدس قرآن مجید کے واضح حکم کی تعمیل میں اپنی بیوی کا خرچ باقاعدہ جاری رکھنے کے ساتھ اس لاتعلقی کے لئے مجبور تھے۔ جو آپ نے اختیار فرمائی تھی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ صریح الفاظ میں ہدایت فرماتا ہے:۔

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ
فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا
عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۔ (سورۃ نساء)

کہ جن عورتوں کی طرف سے تمہیں نشوز کا خوف ہو۔ انہیں نصیحت کرو اور انہیں بستروں میں الگ کردو اور ان کو ضرب لگاؤ پس اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو اُن کے خلاف کوئی راستہ تلاش نہ کرو (یعنی طلاق نہ دو)

اس حکم قرآنی کی تعمیل میں حضرت اقدس نے پہلی بیوی کے نشوز کی وجہ سے ان کے خرچ کو باقاعدہ جاری رکھتے ہوئے اپنے بستر سے الگ کر رکھا تھا۔ اب

چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ آپ کی یہ بیوی آپ کی اس لاتعلقی سے سبق لیتیں اور اپنی حالت میں مناسبِ حال خوشگوار تبدیلی پیدا کر کے حضرت اقدس کے میلان کو حاصل کر کے اس لاتعلقی کو دور کرا لیتیں۔ مگر اس کے لئے انہوں نے کوئی کوشش نہ کی۔ گویا کہ وہ اپنے نشوز سے پیدا شدہ حالات پر مطمئن تھیں۔ اس طرح اس لاتعلقی کی ذمہ داری ازروئے شرعِ اسلام حضرت اقدس کی بیوی پر عائد ہوتی ہے نہ کہ حضرت اقدس پر۔

حضرت اقدس انہی حالات میں سے گذر رہے تھے۔ کہ اللہ تعالے نے آپ کو نکاح ثانی کرنے اور اس کے بابرکت ہونے کی بشارت دی۔ اس سے آپ کے لئے منشاء الٰہی کو پورا کرنے کے لئے نکاح ثانی ضروری ہوگیا اس نکاح میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق خود متکفل ہو کر آپ کے لئے آسانی پیدا کر دی اور خواجہ میر درد مرحوم علیہ الرحمۃ کے خاندانِ سادات میں حضرت میر ناصر نواب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیّدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ سے دہلی میں آپ کی شادی ہوگئی۔ کہاں پنجاب کا گورداسپور کا علاقہ اور کہاں دہلی کا مثالی شہر۔ مگر اللہ تعالےٰ کی ازلی سکیم آسانی سے وقوع میں آگئی۔ کیونکہ حضرت میر ناصر نواب صاحب اپنی ملازمت کے سلسلہ میں گورداسپور کے علاقہ میں رہنے کی وجہ سے حضرتِ اقدس اور آپ کے خاندان سے واقف تھے۔ حضرت اقدس چونکہ اپنی پہلی بیوی کے نشوز کی وجہ سے عملاً مجردانہ زندگی گذار رہے تھے۔ اور آپ نے ازراہِ احسان انہیں طلاق نہیں دی تھی۔ اور ان کے خرچ کو

باقاعدہ جاری رکھا ہؤا تھا۔ حالانکہ حضرت اقدس اگر اپنی پہلی بیوی میں خوشگوار تبدیلی نہ پانے پر انہیں طلاق دے دیتے تو حق بجانب تھے۔ لیکن نکاح ثانی کر لینے پر بھی آپ نے از خود طلاق دینے کو پسند نہ فرمایا۔ نکاح ثانی ہو جانے پر چونکہ دو بیویوں میں عدل قائم کرنے کا سوال پیدا ہو رہا تھا اور قرآنی حکم کے ماتحت منقطع تعلقات کو آپ حالتِ نشوز کے ختم ہوئے بغیر قائم نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے از خود انہیں طلاق دینے کی بجائے آپ نے اپنے بلند اخلاق کا اظہار اس نرم طریق کے اختیار کرنے کی صورت میں کیا۔ کہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق لینے یا حقوق چھوڑنے پر باقاعدہ خرچ حاصل کرتے رہنے کا اختیار دے دیا۔ انہوں نے بڑھاپے کی وجہ سے طلاق کے اختیار سے فائدہ اٹھانے کی بجائے خرچ ملتا رہنے کی شرط کے ساتھ باقی حقوق چھوڑ دیئے جو ان کی حالت نشوز کی وجہ سے عملاً پہلے ہی چھوٹے ہوئے تھے۔ یہ طریق اختیار کرنے پر اصلاحِ حال کا دروازہ اب بھی ان کے لئے کھلا تھا۔ اور وہ اپنے وجود میں خوشگوار تبدیلی سے حضرت اقدس سے منقطع تعلقات کو دوبارہ بحال کرا سکتی تھیں۔ لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے حضرت اقدس کے اس احسان سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا۔ بلکہ اصلاحِ حال کی بجائے حضرت اقدس کے دینی مخالفین سے اپنے تعلقات اور بھی استوار کر لئے۔ اور محمدی بیگم صاحبہ کے نکاح کے معاملہ میں مخالفین کی پیٹھ ٹھونک کر حضرت اقدس کے خلاف نشوز سے بڑھ کر تظاہر کا طریق اختیار کر لیا۔ اور حضرت اقدس کی طرف

سے پورے طور پر سمجھایا جانے کے بعد بھی وہ اپنے تظاہر کے طریق کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوئیں۔ اور بالآخر حضرت اقدس کو طلاق دینے پر مجبور کر دیا

قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی طرف سے تظاہر کا طریق اختیار کرنے کی صورت میں طلاق کی اجازت دی گئی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَ
جِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ
ذٰلِكَ ظَهِيْرًا۔ عَسٰى رَبُّهٗٓ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُّبْدِلَهٗٓ
أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ (سورۃ تحریم)

ترجمہ:۔ اگر تم دونوں بیویاں نبی کے خلاف تظاہر کا طریق اختیار کرو (یعنی نبی کے خلاف ایک دوسرے کی پشت پناہی کے لئے کھڑی ہو جاؤ) تو یاد رکھو کہ اللہ اس کا (رسول کا) دوست ہے اسی طرح جبریل اور سب سچے مومن اور علاوہ اس کے فرشتے بھی اس کی پشت پر ہیں۔ اس کے رب کے لئے بالکل ممکن ہے کہ اگر وہ (رسول) تم کو طلاق دے دے تو وہ تم سے زیادہ اچھی بیویاں بدل کر اس کو دیدے

بڑھاپے میں عورت کو خرچ ملتا رہنے کی شرط کے ساتھ خاوند کو باقی حقوق چھوڑنے کی اجازت ہے۔ چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باری کے حقوق چھوڑ دیئے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا خرچ باقاعدہ دیتے رہتے۔ پس جن

حالات میں حضرت اقدس کی پہلی بیوی نے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے خرچ ملتا رہنے کی شرط کے ساتھ حضرت اقدس کو اپنے باقی حقوق چھوڑ دیئے۔ ان میں شریعت اسلامیہ کی رُو سے حضرت اقدس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا

نکاحِ ثانی کی وجہ

الہام کے ذریعے اللہ تعالےٰ نے آپ کو ۱۸۸۱ء میں بشارت دی کہ وہ ایک شریف خاندان میں آپ کی شادی کا انتظام کرے گا۔ اور اس بیوی کو خدا مبارک کریگا اور ۱۸۸۳ء میں آپ کو الہام ہوا "دنیں کو پیار کرنے والی مبارک" (نزول المسیح) یعنی خدا تعالےٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ آپ کو چار لڑکے دے گا۔ اور چوتھے کا نام بھی الہام الٰہی میں مبارک رکھ دیا گیا۔

حضرت اقدس طبعًا نکاح ثانی پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں آپ بعض عوارضِ بدنیہ میں مبتلا تھے۔ اور اپنی صحت کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے اس حالتِ طبع کے تصور کے وقت آپ کو الہام ہوا۔

"ہرچہ باید نوعروسے را ہمہ ساماں کنم"

یعنی خدا نے فرمایا اس شادی کا تمہیں کچھ فکر نہیں کرنا چاہیئے۔ ان تمام ضروریات کا رفع کرنا میرے ذمے رہے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ دوسری شادی خدا تعالےٰ کا ایک عظیم الشان نشان ہے۔ جو آپ کو اعجازی رنگ میں عطا کیا گیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام "تریاق القلوب" کے صفحہ ۳۱ و ۳۲ طبع کلاں پر خود رقمطراز ہیں:-

تخمیناً سولہ برس کا عرصہ گذرا ہے کہ میں نے شیخ حامد علی اور

لالہ شرمپت کھتری ساکن قادیان و لالہ ملاوامل کھتری ساکن قادیان اور جان محمد مرحوم ساکن قادیان اور بہت سے اور لوگوں کو یہ خبر دی تھی - کہ خدا نے اپنے الہام سے مجھے اطلاع دی ہے کہ ایک شریف خاندان میں وہ میری شادی کرے گا ۔ اور وہ قوم کے سیّد ہوں گے - اور اس بیوی کو خدا مبارک کرے گا - اور اس سے اولاد ہو گی - اور یہ خواب ان ایام میں آئی تھی - کہ جب میں بعض عوارض اور امراض کی وجہ سے بہت ہی ضعیف اور کمزور تھا - بلکہ قریب ہی وہ زمانہ گذار چکا تھا - جب کہ مجھے دق کی بیماری ہو گئی تھی اور بباعث گوشہ گزینی و ترک دنیا اہتمامات تاہل سے دل سخت کارہ تھا - اور عیال داری کے بوجھ سے طبیعت متنفر تھی - تو اس حالت پرملامت کے تصور کے وقت یہ الہام ہوا تھا

"ہرچہ باید نو عروسے را ہمہ سامان کنم"

یعنی اس شادی میں تجھے کچھ فکر نہیں کرنا چاہیئے - ان تمام ضروریات کا رفع کرنا میرے ذمے رہے گا - سو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے وعدہ کے موافق اس شادی کے بعد ہر ایک بار شادی سے مجھے سبکدوش رکھا - اور مجھے بہت آرام پہنچا - کوئی باپ دنیا میں کسی بیٹے کی پرورش نہیں کرتا جیسا کہ اس نے میری کی - اور کوئی والدہ پوری ہوشیاری سے دن رات اپنے بچّہ کی خبر نہیں رکھتی - جیسا کہ اس نے میری رکھی - اور جیسا کہ

اس نے بہت عرصہ پہلے براہین احمدیہ میں یہ وعدہ کیا تھا کہ یَآ اَحْمَدُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ایسا ہی وہ بجا لایا۔ معاش کا غم کرنے کے لئے کوئی گھڑی اس نے میرے لئے خالی نہ رکھی۔ اور خانہ داری کے مہمات کے لئے کوئی اضطراب اس نے میرے نزدیک آنے نہ دیا۔ ایک ابتلا مجھ کو اس شادی کے وقت یہ پیش آیا۔ کہ بباعث اس کے کہ میرا دل اور دماغ کمزور تھا اور میں بہت سے امراض کا نشانہ رہ چکا تھا اور دو مرضیں یعنی ذیابیطس اور دردِ سر مع دورانِ سر قدیم سے میرے شامل حال تھیں۔ جن کے ساتھ بعض اوقات تشنج قلب بھی تھا۔ اس لئے میری حالت مردمی کالعدم تھی۔ اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی تھی۔ اس لئے میری اس شادی پر میرے بعض دوستوں نے افسوس کیا۔ اور ایک خط جس کو میں نے اپنی جماعت کے بہت سے لوگوں کو دکھلا دیا ہے جیسے اخویم مولوی نور دین صاحب اور اخویم مولوی برہان الدین وغیرہ مولوی محمد حسین صاحب ایڈیٹر اشاعۃ السنّہ نے ہمدردی کی راہ سے میرے پاس بھیجا۔ کہ آپ نے شادی کی ہے۔ اور مجھے حکیم محمد شریف صاحب کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ بباعث کمزوری کے اس کے لائق نہ تھے۔ اگر یہ امر آپ کی روحانی قوت سے تعلق رکھتا ہے۔ تو میں اعتراض نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں اولیاء اللہ کے خوارق اور روحانی

قولوں کا منکر نہیں - ورنہ ایک بڑے فکر کی بات ہے ایسا نہ ہو
کوئی ابتلا پیش آئے - یہ ایک چھوٹے سے کاغذ پر رقعہ ہے
جو اب تک اتفاقاً میرے پاس محفوظ رہا ہے اور میری
جماعت کے پچاس کے قریب دوستوں نے بچشم خود اس کو
دیکھ لیا ہے - اور خط پہچان لیا ہے - اور مجھے امید نہیں کہ مولوی
محمد حسین صاحب اس سے انکار کریں - اور اگر کریں تو پھر حلف
دینے سے حقیقت کھل جائے گی - غرض اس ابتلا کے وقت
میں نے جناب الٰہی میں دعا کی - اور اس نے مجھے دفع مرض کے
لئے اپنے الہام کے ذریعہ دوائیں بتلائیں - اور میں نے کشفی طور
پر دیکھا - کہ ایک فرشتہ وہ دوائیں میرے منہ میں ڈال رہا ہے
چنانچہ وہ دوا میں نے تیار کی اور اس میں خدا نے اس قدر برکت
ڈال دی - کہ میں نے دلی یقین سے معلوم کیا کہ وہ پر صحت
طاقت جو ایک پورے انسان کو دنیا میں مل سکتی ہے وہ مجھے
دی گئی اور چار لڑکے مجھے عطا کئے گئے - اگر دنیا اس بات کو
مبالغہ نہ سمجھتی - تو میں اس واقعہ کو جو اعجازی رنگ میں ہمیشہ
کے لئے مجھے دیا گیا بتفصیل بیان کرتا تا معلوم ہوتا کہ ہمارے
قادر وقیوم کے نشان ہر رنگ میں ظہور میں آتے ہیں - اور ہر
رنگ میں اپنے خاص لوگوں کو وہ خصوصیت عطا کرتا ہے - جس
میں دنیا کے لوگ شریک نہیں ہو سکتے - میں اس زمانہ

جب اپنی کمزوری کیوجہ سے ایک بچے کی طرح تھا۔ اور پھر اپنے تئیں خدا داد طاقت میں پچاس مرد کے قائم مقام دیکھا۔ اس لئے میرا یقین ہے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے!!

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدسؑ نے نکاح ثانی منشاء الٰہی کو پورا کرنے کے لئے کیا ہے۔ اور اس نکاح کا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خود ہی انتظام فرما دیا۔ اور پھر خدا تعالیٰ نے اپنے ارشاد کے مطابق آپکی بیوی کو آپ کیلئے بہت بابرکت بنایا کیونکہ آپکو اس بیوی سے بابرکت اولاد عطا فرمائی اور سادات کے خاندان میں آپکا یہ نکاح ہو جانے پر الہاماً فرمایا

اُشْکُرْ نِعْمَتِیْ رَأَیْتَ خَدِیْجَتِیْ

لہٰذا ملک صاحب کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نکاحِ ثانی کی بناء پر آپکے کردار پر حملہ محققانہ نہیں۔ بلکہ محض معاندانہ ہے اللہ تعالیٰ انہیں صحیح اندازِ فکر عطا فرمائے۔

میں قبل ازیں بتا چکا ہوں کہ حضرت اقدسؑ کو پہلی بیوی نے خرچ ملتا رہنے کی شرط کے ساتھ بڑھاپے کی وجہ سے باقی حقوق حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی طرح چھوڑ دیئے تھے یہ روایت بخاری اور مسلم کی متفق علیہ ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

متفق علیہ: ([illegible])

عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ سَوْدَۃَ بِنْتَ زَمْعَۃَ وَھَبَتْ یَوْمَھَا لِعَائِشَۃَ وَکَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْسِمُ لِعَائِشَۃَ یَوْمَھَا وَیَوْمَ سَوْدَۃَ

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سودہ بنت زمعہ نے اپنا باری کا دن عائشہ رضؓ کو ہبہ کر دیا تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باری کی تقسیم یوں کرتے تھے کہ عائشہ کی باری کا دن بھی اُسے دیتے تھے اور سودہ رضی اللہ عنہا کا دن بھی اسے دیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی پیشکش کو قبول کر لینا ثابت کرتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں بوڑھی عورت اپنے خاوند کو باری کا حق چھوڑ سکتی ہے۔

نکاحِ ثالث کی پیشگوئی پر اعتراضات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نکاحِ ثانی پر اعتراض کے علاوہ ملک صاحب نے اپنی کتاب " احمدیہ تحریک" میں حضرت اقدس کے نکاح ثالث سے متعلق پیشگوئی پر بھی جو وعیدی پیشگوئی ہونے کی وجہ سے مشروط بشرط توبہ تھی ایک نئے رنگ میں اعتراض اٹھایا ہے۔ اور بحث کے سابق رُخ کو بدل کر ایک نئی طرز اختیار کی ہے۔ جو لوگ اس پیشگوئی اور اس کی شرائط اور وقوع کی حقیقت کو کماحقہٗ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں ہماری کتاب "پیشگوئی دربارہ مرزا احمد بیگ اور اس کے متعلقات کی وضاحت" کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ یہ کتاب مہتمم نشر و اشاعت نظارت اصلاح و ارشاد سے مل سکتی ہے۔ اس جگہ ہم پیشگوئی کے متعلق تفصیلی بحث کرنے کی بجائے ملک صاحب کے مخصوص اعتراضات کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ جو انہوں نے اس پیشگوئی پر کئے ہیں۔ اُن کے پہلے دو اعتراض اور آخری اعتراضات سوائے دو ایک اعتراضوں کے پرانی طرز کی بحث سے ہی تعلق رکھتے ہیں اب ہم ملک صاحب کے اعتراضات کا جواب ذیل میں درج کرتے ہیں :-

اعتراض اوّل ملک صاحب احمدیہ تحریک کے صفحہ ۱۴۲ پر لکھتے ہیں :-

"میں اس پیشگوئی کے ان پہلوؤں پر زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا جن کا تعلق محض اس امر سے ہے کہ آیا پیشگوئی سچی تھی یا

جھوٹی۔ ویسے اس ضمن میں میرے لئے یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اس پیشگوئی کے پورا ہو جانے کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے مرزا صاحب کی پیشگوئی یہ تھی۔ کہ بالآخر ان کا نکاح محمدی بیگم سے ضرور ہو گا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ یہ بات وہ خدا سے خبر پا کر کہہ رہے ہیں۔ یہ ٹل نہیں سکتی۔ چنانچہ ۱۸۹۱ء میں اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں لکھتے ہیں:۔

عرصہ قریباً تین برس کا ہوا کہ بعض تحریکات کی وجہ سے جن کا مفصل ذکر اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے خدا تعالیٰ نے پیشگوئی کے طور پر اس عاجز پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ ولد گاماں بیگ ہوشیار پوری کی دختر کلاں انجام کار تمہارے نکاح میں آئے گی۔ اور وہ لوگ بہت عداوت کریں گے۔ اور بہت مانع ہوں گے اور کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو۔ لیکن آخر کار ایسا ہی ہو گا۔ اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہر طرح سے اس کو تمہاری طرف لائے گا۔ باکرہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ کر کے۔ اور ہر ایک روک کو درمیان سے اٹھا دے گا۔ اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا۔ کوئی نہیں جو اس کو روک سکے"

یہی نہیں مرزا صاحب کے کہنے کے مطابق کبھی انہیں اس پیشگوئی کی نسبت کوئی شبہ پیدا ہوا تو خدا تعالیٰ نے جدید وحی کے ذریعہ اُن کے تمام شکوک دور کر دیئے۔ اور انہیں یقین دلا دیا کہ خدا کا وعدہ ضرور پورا

ہوگا۔ اس طرح کے دیگر الہام کا ذکر اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں ہے فرماتے ہیں :۔

"جب یہ پیشگوئی معلوم ہوئی۔ اور ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ (جیسا کہ اب تک جو ۱۶ اپریل ۱۸۹۱ء ہے۔ پوری نہیں ہوئی) یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی۔ بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی گئی۔ اس وقت گویا یہ پیشگوئی آنکھوں کے سامنے آگئی۔ اور یہ معلوم ہو رہا تھا۔ کہ اب آخری دم ہے۔ اور کل جنازہ نکلنے والا ہے۔ تب میں نے اس پیشگوئی کی نسبت خیال کیا۔ کہ شاید اس کے اور معنی ہوں گے۔ جو میں سمجھ نہ سکا۔ تب اسی حالت قریب الموت میں مجھے الہام ہوا۔

"اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ"۔

یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے۔ تو کیوں شک کرتا ہے"۔

الجواب اس اعتراض کے جواب میں واضح ہو کہ اس پیشگوئی کے بارے میں جو الہامات حضرت اقدس پر نازل ہوئے ان میں سے ایک الہام کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا بِھَا یَسْتَھْزِءُوْنَ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ وَیَرُدُّھَا اِلَیْکَ تھا۔ اور دوسرا الہام زَوَّجْنٰکَھَا لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِیْ تھا۔ ان الہامات کے آخری الفاظ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ اور لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِیْ کے

ظاہری معنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھے کہ نکاح والا حصّہ ضروری الوقوع ہے اور کوئی درمیانی روکیں پیدا بھی ہوئیں تو خدا تعالیٰ نے انہیں ضرور اٹھا دے گا۔ درمیانی روکوں کو اٹھا دینے کے بارہ میں آپ کو ان الہامات سے کوئی الگ الہام نہیں ہوا تھا۔ بلکہ انہی الہامات کے آخری الفاظ کے ظاہری معنی سے صرف آپؑ کا استنباط تھا کہ نکاح ایک اٹل امر ہے۔ لہٰذا کوئی روک بھی پیدا ہوئی۔ تو وہ ہٹا دی جائے گی۔ ازالہ اوہام کی یہ عبارت اس زمانہ کی ہے۔ جب کہ ابھی پیشگوئی کا کوئی حصّہ بھی وقوع میں نہیں آیا تھا۔ مگر اس زمانہ میں ان دونوں الہاموں کے علاوہ آپؑ کو یہ الہام بھی ہو چکا ہُوا تھا جس میں محمدی بیگم کی نانی کو مخاطب کر کے کہا گیا تھا:۔

"اَيَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِيْ تُوْبِيْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰى عَقِبِكِ
وَالْمُصِيْبَةُ نَازِلَةٌ عَلَيْكِ"

"کہ اے عورت توبہ کر توبہ کر کیونکہ بلا تیری اولاد بلکہ اولاد در اولاد پر پڑنے والی ہے۔ اور تجھ پر مصیبت نازل ہونے والی ہے"!

یہ الہام آپؑ نے پہلے الہام لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ کے ساتھ ہی تتمہ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء میں درج فرما دیا تھا۔ اس میں محمدی بیگم صاحبہ کی نانی کو تلقین کی گئی تھی۔ کہ وہ توبہ کرے تا اس کی اولاد اور اولاد در اولاد سے یعنی لڑکی اور لڑکی کی لڑکی سے بلا ٹل جائے اور عذاب دور ہو جائے۔

اس الہام کے بعد مرزا احمد بیگ صاحب نے اپنی لڑکی محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح دوسری جگہ مرزا سلطان محمد صاحب ساکن پٹی سے کر دیا۔ تو اس کے بعد مرزا احمد بیگ صاحب پیشگوئی کے مطابق میعاد کے اندر چھ ماہ میں ہلاک ہو گئے۔ ان کی موت سے متاثر ہو کر محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند اور اس خاندان کے افراد نے توبہ کر لی۔ اور حضرت اقدسؑ کو بھی دعاؤں کے لئے خط لکھے گئے۔ (دیکھو اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ و حقیقۃ الوحی ص۱۸۷)

اس توبہ کے نتیجہ میں محمدی بیگم صاحبہ کا خاوند وعید کی پیشگوئیوں کے اصول کے مطابق توبہ و استغفار کرنے اور الہام کی شرطِ توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے موت سے بچ گیا۔ کیونکہ توبہ کی شرط والا الہام بتاتا تھا۔ کہ توبہ سے محمدی بیگم صاحبہ کی نانی کی اولاد در اولاد یعنی محمدی بیگم صاحبہ سے بلا ٹل سکتی ہے۔ اور یہ بلا اس کی بیوگی تھی جو اس پر نازل ہونے والی تھی۔ یہ بیوگی کی بلا محمدی بیگم صاحبہ سے ان کے خاوند کی توبہ کی وجہ سے ٹل گئی۔ اور پیشگوئی کا ظہور شرطِ توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے دوسرا رنگ پکڑ گیا۔ اور اب محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کی موت بشرطیکہ وہ حضرت اقدسؑ کی زندگی میں توبہ پر قائم رہیں ضروری الوقوع نہ رہی۔ اور اسی طرح نکاح کا مرحلہ بھی جو محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کی موت اور ان کی بیوگی سے متعلق تھا ضروری الوقوع نہ رہا۔

پس حضرت اقدسؑ کا الہام کے ظاہری معنی کے لحاظ سے یہ اجتہاد کہ سب روکیں اُٹھا دی جائیں گی۔ دوسرے الہام کی شرطِ توبہ کے وقوع

میں نہ آنے سے مشروط ہوگا۔ یعنی اگر محمدی بیگم صاحبہ کا خاوند توبہ نہ کرے یا توبہ کر کے اس پر قائم نہ رہے۔ تو نکاح کے وقوع میں اگر کوئی اور روک پیدا ہوتی تو خدا تعالےٰ اسے ضرور اٹھا دے گا۔ لیکن اس کے توبہ پر قائم رہنے کی صورت میں حسب الہامات نکاح کا وقوع ضروری ہی نہیں رہتا تھا۔ اور خدا تعالیٰ کا یہ قانون نہیں کہ جو توبہ پر قائم ہو۔ اسے زبردستی توبہ پر قائم نہ رہنے دے۔ کیونکہ یہ ظلم ہے جس کا خدا تعالےٰ مرتکب نہیں ہو سکتا پس روکوں کا دُور ہونا صرف اس شرط سے مشروط تھا کہ محمدی بیگم صاحبہ کا خاوند توبہ نہ کرے۔ یا توبہ کر لینے کے بعد پھر کسی وقت حضرت اقدسؑ کی زندگی میں اس توبہ پر قائم نہ رہے۔ کیونکہ توبہ کی شرط تو خود الہام بتاتا ہے جس کے پُورا ہونے پر نہ محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کی موت حضرت اقدسؑ کی زندگی میں بموجب شرطِ الہام ضروری رہتی ہے اور نہ نکاح کا وقوع ضروری رہتا ہے۔ کیونکہ یہ نکاح محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند مرزا سلطان محمد صاحب کی موت سے معلق تھا۔ اور موت توبہ پر قائم رہنے کی صورت میں ضروری نہیں رہتی۔ پس درمیانی روکوں کا اٹھانا صرف اس شرط سے مشروط تھا۔ کہ محمدی بیگم کا خاوند توبہ نہ کرے یا اگر توبہ کرلے تو پھر اس پر قائم نہ رہے۔ اس صورت میں اگر کوئی روک نکاح میں پیدا کی جاتی تو اس کے اٹھانے کا خدا تعالےٰ ذمہ دار تھا۔

الہام اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ

واضح ہو۔ کہ "ازالہ اوہام" جس میں مندرجہ بالا الہام درج ہے

۱۸۹۱ء کی کتاب ہے۔ اس زمانہ میں ابھی اس پیشگوئی کا کوئی مرحلہ وقوع میں نہیں آیا تھا۔ کیونکہ محمدی بیگم صاحبہ کے والد مرزا احمد بیگ صاحب نے اپنی اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ۷ر اپریل ۱۸۹۲ء کو کیا۔ اس کے بعد پیشگوئی کا وہ حصّہ جو اس نکاح کے دوسری جگہ کرنے کی وجہ سے تین سال کے اندر بلکہ قریب زمانہ میں ان کی موت واقع ہونے سے تعلق رکھتا تھا۔ ۳۰ر ستمبر ۱۸۹۲ء کو پورا ہو گیا۔ کیونکہ اس تاریخ کو مرزا احمد بیگ صاحب پیشگوئی کے مطابق وفات پا گئے۔ چونکہ الہام

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ

۱۸۹۱ء کی کتاب "ازالہ اوہام" میں درج ہے۔ اور اس جگہ یہ لکھا ہے کہ ۱۶ر اپریل ۱۸۹۱ء کے بعد جب آپ شدید بیمار ہوئے۔ اور آپ کو بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ موت قریب ہے۔ تو اس وقت آپ کی توجہ اس پیشگوئی کی طرف ہوئی۔ کہ شاید اس کے کچھ اور معنی ہوں جو میری سمجھ میں نہیں آتے تو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ

سے آپ کو تسلی دی کہ یہ پیشگوئی میری طرف سے برحق ہے۔ اس لئے اس میں کوئی شک نہ کریں۔ مراد یہ تھی کہ یہ پیشگوئی اپنے الہامی الفاظ کے مطابق ضرور ظہور پذیر ہوگی۔ در اصل اس الہام کے ذریعہ خدا تعالیٰ اس شدید بیماری کے موقع پر آپ کو یہ بشارت دینا چاہتا تھا۔ کہ آپ اس بیماری سے ضرور بچ جائیں گے۔ اور اس پیشگوئی کا ظہور بشرط توبہ سے فائدہ اٹھانے

یا نہ اٹھانے کی صورت میں الہامی الفاظ کے مطابق ضرور ہوگا۔اس سے زیادہ اس الہام کا کچھ مقصد نہ تھا۔اس الہام کے بعد مرزا احمد بیگ صاحب نے اپنی لڑکی کا نکاح مرزا سلطان محمد صاحب ساکن پٹی سے کر دیا۔ تو وہ اس کے بعد پیشگوئی کی میعاد کے اندر چھ ماہ کے اندر ہلاک ہو گئے۔اور اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ کے الہام کا وہ حصہ جو مرزا احمد بیگ صاحب کی وفات سے تعلق رکھتا تھا پورا ہو گیا۔اور مرزا احمد بیگ صاحب اپنی وفات سے اس الہام کے منجانب اللہ ہونے پر زبردست شہادت مہیا کر گئے۔کیونکہ سابقہ الہامات کے رُو سے مرزا احمد بیگ صاحب کی وفات کو اُن کے اپنے ہاتھ سے اپنی بڑی لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرنے کے بعد تین سال کے اندر بلکہ قریب زمانہ میں شروع ہونے سے وابستہ کر دیا گیا تھا۔اور الہام اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ اس پیشگوئی کی تاکید مزید کے لئے تھا۔پس جب یہ عظیم الشان نشان وقوع میں آگیا۔تو اس سے مرزا احمد بیگ صاحب کے خاندان پر سخت ہیبت طاری ہوئی اور خود مرزا سلطان محمد صاحب کو ان کے خسر کی موت نے سخت خوفزدہ کر کے توبہ کی طرف مائل کر دیا۔چونکہ الہامات میں توبہ کی شرط مذکور تھی۔اس لئے مرزا سلطان محمد صاحب توبہ کی وجہ سے موت سے بچ گئے۔چونکہ محمدی بیگم صاحبہ کا حضرت اقدس کے نکاح میں آنا ان کے خاوند کی موت پر موقوف تھا۔اور ان کے خاوند کی موت توبہ کی شرط سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے واقع نہ ہوئی۔اس لئے حضرت اقدس سے محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح ضروری الوقوع نہ رہا۔اور پیشگوئی الہامی شرط کے مطابق دوسرے رنگ

میں ظہور پذیر ہو گئی۔ اب حضرت اقدس سے محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح صرف اسی صورت میں ضروری ٹھہرتا تھا۔ کہ ان کا خاوند کسی وقت حضرت اقدس کی زندگی میں شوخی اور بے باکی دکھاتا۔ اور پیشگوئی کی تکذیب کا اعلان کرتا۔ پس اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ ..... کے الفاظ پر مشتمل الہام کو مرزا احمد بیگ صاحب کی موت اور مرزا سلطان محمد صاحب کے رجوع نے پورا کر دیا۔ کیونکہ یہ الہام تو صرف پہلے الہامات کے مضمون کو برحق قرار دیتا تھا۔ اور پیشگوئی کا جس رنگ میں ظہور ہوا۔ وہ الہامات کے عین مطابق تھا۔ لہٰذا اس الہام کی بناء پر حضرت اقدس کی اس پیشگوئی پر توبہ کی الہامی شرط اور پیشگوئیوں کے اصول کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

ایک ضروری اعلان

اس جگہ ہم بڑی تحدّی سے یہ اعلان کرتے ہیں۔ کہ اس پیشگوئی کے معترضین میں سے کوئی معترض محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند مرزا سلطان محمد صاحب کے توبہ کر لینے اور ان کی موت کی میعاد گذر جانے کے بعد حضرت اقدس کا کوئی جدید الہام پیش نہیں کر سکتا۔ جس کا مفہوم یہ ہو کہ محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند مرزا سلطان محمد صاحب کی موت ایک اٹل امر ہے۔ یا اس میں یہ ذکر ہو کہ مرزا سلطان محمد کی توبہ ناپائیدار ہو گی۔ یا یہ ذکر ہو کہ مرزا سلطان محمد آپ کی زندگی میں مریگا۔ اور اس کے بعد محمدی بیگم صاحبہ کا حضرت اقدس سے نکاح تقدیر مبرم یا ضروری الوقوع ہوگا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ پیشگوئی کے

مخالفین میں سے کوئی بھی ایسا الہام ہرگز ہرگز پیش نہیں کر سکتا جو مرزا سلطان محمد کے توبہ کر لینے کے بعد نازل ہوا ہو۔ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔

پس یہ پیشگوئی اپنے الہامی الفاظ اور اپنی الہامی شرط کے مطابق بالکل سچی ہے اور الہامات کے الفاظ کے مطابق ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اور اس پر مخالفین کے اعتراضات محض پیشگوئیوں کے اصول کو مدنظر نہ رکھنے اور قلتِ تدبر کا نتیجہ ہیں۔

الہام زَوَّجْنٰکَھَا لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِیْ کی تشریح

چونکہ یہ نکاح ایک وعیدی پیشگوئی کا حصہ تھا۔ اس لئے اس الہام سے مراد صرف یہ تھی کہ یہ نکاح آسمان پر اس وعیدی پیشگوئی کا ایک ضروری حصہ قرار پا چکا ہے اور الہام اَیَّتُھَا الْمَرْاَۃُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِکِ کے مطابق اس کا ظہور بہ وقوع صرف اس صورت میں ضروری تھا کہ مرزا سلطان محمد صاحب کی طرف سے توبہ وقوع میں نہ آئے۔ یا توبہ کر لینے پر وہ پیشگوئی کی کسی وقت حضرت اقدس کی زندگی میں تکذیب کر دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجام آتھم صفحہ ۶۰ میں اس الہام کا ترجمہ یہ کیا ہے:۔ "کہ بعد واپسی کے ہم نے اس سے تیرا نکاح کر دیا۔"

گویا یہ الہام نکاح کو ایک مقدر امر قرار دیتا تھا۔ اور یہ تقدیر واپسی کی شرط سے مشروط تھی۔ اور یہ واپسی توبہ والی الہامی شرط کے مطابق اسی صورت میں ضروری تھی کہ محمدی بیگم صاحبہ کا خاوند توبہ نہ کرے یا توبہ کر کے کسی وقت حضرت

اقدس کی زندگی ہیں اس توبہ کو توڑ دے۔ چونکہ مرزا سلطان محمد صاحب نے اپنے خسر کی الہام کے مطابق موت کے بعد اپنے متعلق موت کی پیشگوئی سے خائف ہو کر پاسیدار توبہ کرلی۔ اس لئے یہ نکاح زمین پر ضروری الوقوع نہ رہا۔

دوسرے معنے اس الہام کے یہ کئے گئے ہیں۔ کہ نکاح آسمان پر پڑھا گیا ہے۔ ان معنوں سے بھی مراد یہی تھی۔ کہ یہ نکاح آسمان پر مقدر ہو چکا ہے۔ ورنہ ایسا نہیں ہؤا۔ کہ خدا تعالیٰ نے آسمان پر یہ نکاح درحقیقت پڑھا ہو۔ بلکہ یہ معنی ایک مجازی کلام کے طور پر تھے۔ جس سے مراد یہی تھی۔ کہ نکاح مقدر امر ہے مگر یہ نکاح والی پیشگوئی چونکہ توبہ کی شرط سے مشروط تھی۔ اس لئے حضرت اقدس نے ان دوسرے معنوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنا اجتہاد اس الہام کے بارہ میں یہ قرار دیا:۔

"یہ امر کہ الہام میں بتایا گیا تھا کہ اس عورت کا نکاح آسمان پر میرے ساتھ پڑھا گیا۔ یہ درست ہے۔ مگر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس نکاح کے ظہور کے لئے جو آسمان پر پڑھا گیا۔ خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی۔ جو اسی وقت شائع کی گئی تھی۔ اور وہ یہ ہے۔ اَیَّتُھَا الْمَرْأَۃُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِکِ۔ پس جب ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا۔ تو نکاح فسخ ہو گیا۔ یا تاخیر میں پڑ گیا (یعنی ضروری الوقوع نہ رہا۔ بلکہ صرف ممکن الوقوع ہو گیا۔ ناقل)

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۲)

ہر آسمانی نکاح کا زمین پر وقوع ضروری نہیں

یہ واضح رہے کہ ہر آسمانی نکاح کے لئے یہ امر ضروری نہیں کہ وہ زمین پر بھی وقوع پذیر ہو۔ بلکہ آسمانی نکاح تعبیر طلب ہوتا ہے۔

چنانچہ طبرانی اور ابن عساکر نے ابی امامہ سے روایت کی ہے:-

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ لِخُدَیْجَۃَ اَمَا شَعُرْتِ اَنَّ اللّٰہَ زَوَّجَنِیْ مَرْیَمَ اَبْنَتَ عِمْرَانَ وَکُلْثُوْمَ اُخْتَ مُوْسٰی وَامْرَأَۃَ فِرْعَوْنَ قَالَتْ ھَنِیْئاً لَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (تفسیر فتح البیان جلد ۸ صفحہ ۱۷ مطبوعہ مصر)

کہ طبرانی اور ابن عساکر نے ابو امامہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نے میرا نکاح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں مریم بنت عمران اور موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثوم اور فرعون کی بیوی کے ساتھ کر دیا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس پر کہا۔ یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو۔

اس حدیث نبوی میں زَوَّجَنِیْ کا لفظ ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب کے الہام میں زَوَّجْنَا کا لفظ یہ دونوں لفظ بصیغہ ماضی ہیں۔ اور یہ دونوں نکاح آسمانی ہونے کے باوجود زمین پر وقوع میں نہیں آسکتے تھے کیونکہ یہ خواتین جن سے آپ کے نکاح ہوئے قبل ان نکاحوں کے وفات پا چکی ہوئی تھیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ نکاح ظاہری طور پر زمین پر اس لئے وقوع میں نہیں آیا کہ محمدی بیگم صاحبہ کا خاوند پا ئیدار توبہ کی وجہ سے وعیدی موت سے بچنے کی الہامی شرط سے فائدہ اٹھا کر موت سے بچ چکا تھا۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے ان آسمانی نکاحوں کی تعبیر یہ تھی کہ جن خواتین سے آپ کے یہ نکاح ہوئے اُن کے خاندان اور قومیں آپ پر ایمان لے آئیں گی ۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس آسمانی نکاح کی یہ تعبیر یوں نکلی کہ محمدی بیگم صاحبہ کا خاندان بالخصوص ان کی والدہ اور ہمشیرگان اور ان کا بیٹا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لے آئے ۔ پس جن لوگوں پر اس پیشگوئی کا براہ راست اثر تھا ۔ ان میں سے رجوع نہ کرنے والے تو تباہ ہو گئے اور دوسرے ایمان لے آئے ۔ اس طرح زَوَّجْنٰکَھَا لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِیْ کے الفاظ میں جس آسمانی نکاح کا ذکر تھا ۔ اس کی تعبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان نکاحوں کی تعبیر کے رنگ میں ظاہر ہو گئی ۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا ایک طریق ہے کہ اگر کوئی پیشگوئی کسی وجہ سے خدا تعالیٰ کے نزدیک اپنے ظاہری الفاظ میں وقوع میں نہ آسکتی ہو ۔ تو خدا تعالیٰ اسے تعبیری رنگ میں ضرور پوری کر دیتا ہے ۔ جیسا کہ اَطْوَلُکُنَّ یَدًا والی پیشگوئی ظاہری لفظوں میں تو وقوع میں نہیں آئی ۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے لمبے ہاتھوں والی زوجہ مبارکہؓ کی سب سے پہلے وفات نہیں ہوئی مگر تعبیری رنگ میں یوں پوری ہو گئی ۔ کہ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا سب سے پہلے وفات پا گئیں جو صدقہ بہت دیا کرتی تھیں اور صدقہ بہت دینا لمبے ہاتھوں کے تعبیری معنے تھے ۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کی شان میں آیا ہے بَلْ یَدَاہُ مَبْسُوْطَتٰنِ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَآءُ (مائدہ ع ۹) کہ خدا تعالیٰ کے دونوں ہاتھ فراخ ہیں ۔ وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے ۔

اسی طرح نکاح علم التعبیر کے لحاظ سے منصب جلیل پر بھی دلالت کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو تعطیر الانام جلد ۲ صفحہ ۲۷۹ "النکاح فی المنام تدل علی المنصب الجلیل" لہذا زَوَّجْنَاکَھَا اِنَّہٗ مُبَدِّلٌ لِکَلِمَاتِی کا الہام تعبیری رنگ میں مسیح موعود کا منصب پانے سے بھی پورا ہوا۔ اور اس خاندان کے ذیل کے افراد بھی خدا کے فضل سے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے:۔

(۱) والدہ محمدی بیگم صاحبہ یعنی اہلیہ مرزا احمد بیگ صاحب۔

(۲) مرزا محمود بیگ صاحب بھتیجا محمدی بیگم صاحبہ۔

(۳) محمودہ بیگم صاحبہ ہمشیرہ محمدی بیگم صاحبہ۔

(۴) عنایت بیگم صاحبہ ہمشیرہ محمدی بیگم صاحبہ۔

(۵) مرزا احمد حسن بیگ داماد مرزا احمد بیگ۔

(۶) مرزا اسحاق بیگ صاحب محمدی بیگم صاحبہ کا لڑکا۔

(۷) دختر مرزا نظام الدین صاحب اور ان کے گھر کے سب افراد۔

(۸) مرزا گل محمد صاحب پسر مرزا نظام الدین صاحب۔

(۹) اہلیہ مرزا غلام قادر صاحب (یعنی تائی صاحبہ مرزا سلطان احمد صاحب)

(۱۰) مرزا محمد بیگ صاحب پسر مرزا احمد بیگ صاحب۔

محمدی بیگم صاحبہ کے پسر مرزا اسحاق بیگ ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ (حضرت مرزا صاحب) وہی مسیح موعود ہیں جن کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی"

(ماخوذ از اعلان احمدیت مندرجہ الفضل ۲۶ فروری ۱۹۲۳ء)

جس خاندان کے ساتھ اس پیشگوئی کا براہ راست تعلق تھا وہ تو اس پیشگوئی کے مصدق ہیں۔ اور انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ وہ علیٰ وجہ البصیرت جانتے تھے۔ کہ مرزا سلطان محمد صاحب توبہ اور پیشگوئی کی تصدیق کرنے کی وجہ سے وعیدی موت سے بچے تھے۔ اس لئے محمدی بیگم صاحبہ کا حضرت اقدس سے نکاح جو بیوگی کی شرط سے مشروط تھا۔ مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ کے پائیدار ہونے کی وجہ سے وعیدی پیشگوئیوں کی شرط توبہ کے مطابق ضروری الوقوع نہیں رہا تھا۔ اور یہ پیشگوئی شرط توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے الہامی شرط کے مطابق دوسرا رنگ پکڑ کر ظاہر ہوگئی ہے۔

اس پیشگوئی کا ایک حصہ مرزا احمد بیگ صاحب کی موت سے تعلق رکھتا تھا جو مرزا احمد بیگ صاحب کے شرط توبہ سے فائدہ نہ اٹھانے پر میعاد پیشگوئی کے اندر ان کی موت واقعہ ہو جانے کی صورت میں پورا ہوا پس یہ پیشگوئی عظیم الشان تھی۔ جس میں خداتعالیٰ کی صفت غضب اور صفت رحم دونوں کا اظہار ہوا ہے۔

اعتراض دوم میں ملک صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں :-

> اور یہ امر کہ الہام میں یہ بھی تھا کہ اس عورت کا نکاح آسمان پر میرے ساتھ پڑھا گیا ہے درست ہے۔ مگر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس نکاح کے ظہور کے لئے جو آسمان پر پڑھا گیا۔ خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی جو اسی وقت شائع کی گئی تھی۔ وہ یہ کہ اَیَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِکِ۔ جب ان لوگوں نے

شرط کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہو گیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص۱۳۲)

اور اس پر لکھتے ہیں:۔

"اب یہ امرِ واقعہ ہے۔ کہ آسمان پر پڑھا ہوا یہ نکاح زمین پر عمل میں نہیں آسکا۔ اس کے باوجود احمدی مولوی صاحبان کو اصرار ہے کہ یہ پیشگوئی پوری شان کے ساتھ پوری ہو گئی ہے۔ میں ایک سوال پیش کرتا ہوں فرض کیجئے محمدی بیگم صاحبہ کے ساتھ مرزا صاحب کا نکاح ہو جاتا۔ کیا اس صورت میں یہ پیشگوئی پوری نہ ہوتی؟ اس کا جواب یہی ہوگا۔ کہ یقیناً پوری ہو جاتی۔ تو پھر پیشگوئی کے پورا نہ ہونے کی کونسی صورت تھی؟"

(احمدیہ تحریک ص۱۱۵)

الجواب

اس سوال کے جواب میں واضح ہو کہ ملک صاحب بصورت تو ماشاء اللہ ایڈووکیٹ ہیں۔ پھر تعجب ہے کہ وہ پیشگوئی کے پورا نہ ہونے کی صورت کیوں نہیں سمجھ سکے۔ یہ تو وہ جانتے ہیں کہ پیشگوئی شرطی تھی۔ اور الہام الٰہی زَوَّجْنٰکَهَا کے الہام کے علاوہ اَیَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِکِ کا الہام بھی موجود تھا۔ جس میں صاف طور پہ شرط توبہ مذکور تھی۔ چونکہ محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند نے اپنے خسر مرزا احمد بیگ صاحب کی پیشگوئی میں بیان کردہ میعاد کے اندر وفات پا جانے پر اپنے متعلق ہلاکت کی پیشگوئی سے خائف ہو کر توبہ کر لی۔ اس لئے وہ وعیدی موت سے شرط توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے بچ گئے۔ اور ان کی توبہ کی وجہ

سے حضرتِ اقدس سے محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح الہامی شرط کے مطابق
ضروری نہ رہا۔ چونکہ یہ پیشگوئی شرطی تھی۔ اس لئے اس کے پورا ہونے کی

دو صورتیں ہوسکتی تھیں اور نہ پورا ہونے کی بھی دو صورتیں ہوسکتی تھیں
پیشگوئی کے پورا نہ ہونے کی پہلی صورت یہ ہوسکتی تھی کہ محمدی بیگم صاحبہ
کے خاوند مرزا سلطان محمد صاحب اگر توبہ سے کام نہ لیتے۔ تو اس صورت میں
پیشگوئی کے مطابق حضرت اقدس سے محمدی بیگم کا نکاح اُن کے خاوند کی ہلاکت
کے بعد ضروری تھا۔ لہٰذا اگر مرزا سلطان محمد صاحب محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند
توبہ نہ کرتے اور حضرت اقدس سے محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح ان کے خاوند کی ہلاکت
کے بعد وقوع میں نہ آتا۔ تو پھر کہا جا سکتا تھا کہ یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔
ان کے توبہ کر لینے کی صورت میں نکاح ضروری نہیں رہتا اور پیشگوئی کا ظہور شرط
توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے دوسرا رنگ پکڑ لیتا تھا۔

دوسری صورت پیشگوئی کے پورا نہ ہونے کی یہ تھی کہ اگر مرزا سلطان محمد
توبہ کر لینے کے بعد اس توبہ کو توڑ دیتے۔ اور پیشگوئی کی تکذیب کرتے تو پھر اس
نئے جرم پر حق کو اشتباہ سے بچانے کے لئے ان کی ہلاکت حضرت اقدس کی زندگی
میں ضروری ہو جاتی۔ اور حضرت اقدسؑ کا محمدی بیگم صاحبہ سے نکاح بھی اس کے
بعد ضروری ہوتا۔ لہٰذا تکذیب کر دینے کی صورت میں اگر ان کی ہلاکت اور اس
کے بعد محمدی بیگم صاحبہ سے حضرت اقدسؑ کا نکاح وقوع میں نہ آتا تو پھر کہا جا
سکتا تھا۔ کہ یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ چونکہ توبہ کر لینے کے بعد انہوں
نے پیشگوئی کی کبھی تکذیب نہ کی اور ان کی توبہ پائیدار رہی۔ اس لئے

شرطاً توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے چونکہ نکاح ضروری نہیں رہتا تھا لہٰذا ان کی توبہ کے پائیدار رہنے کی صورت میں نکاح کا وقوع میں نہ آنا ضروری تھا نہ کہ نکاح کا وقوع میں آنا۔ اس لئے جس طرح اس پیشگوئی کے جھوٹا ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی تھیں۔ یہی طرح ان دونوں صورتوں کے بالمقابل اس کے پورا ہونے کی بھی دو ہی صورتیں تھیں۔ توبہ کر لینے پر نکاح کی پیشگوئی کا ٹل جانے کی صورت میں وقوع اور توبہ نہ کرنے یا توبہ کر کے پھر اسے توڑ دینے کی صورت میں نکاح کے وقوع میں آنے کی صورت میں پیشگوئی کا وقوع ضروری تھا۔ پس احمدی علماء کا مرزا سلطان محمد صاحب کے توبہ کر لینے اور ان کی توبہ کے پائیدار رہنے پر یہ بیان کہ پیشگوئی اپنی الہامی شرط کے مطابق پوری ہو گئی ہے کسی سمجھدار اور غور کرنے والے انسان کے لئے قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شرطِ توبہ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے دو طریق پیدا کر رہی تھی جن میں سے ایک طریق پر یہ پیشگوئی وقوع میں آگئی ہے۔ اور کوئی ایسی صورت پیدا نہیں ہوتی جس نے کسی شخص کو اس پیشگوئی کو جھٹلانے کا حق پہنچتا ہو۔

اعتراض سوم

ملک صاحب لکھتے ہیں :-

"محمدی بیگم والا معاملہ مرزا صاحب کی جماعت اور ان کے مخالفین کے درمیان ہمیشہ ایک تلخ اور نہ ختم ہونے والی بحث کا موضوع رہا ہے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ بحث اس نکتہ پر مرکوز رہی ہے کہ پیشگوئی کیا تھی۔ اُس کی

شرائط کیا تھیں۔ کون سی شرط کس طرح پوری ہوگی وغیرہ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اس قسم کی پیشگوئی خدائی حکم کے ماتحت ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟

بڑھے مردوں کی کنواری نوعمر لڑکیوں سے شادی کی خواہش کسی پیچیدہ اور ناقابل فہم جذبہ سے متعلق نہیں ہے اور ہماری سوسائٹی کے امراء کے طبقہ میں یہ بات کوئی ایسی غیر معمولی بھی نہیں۔ لیکن اس طرح کے عزائم میں خدا کو شریک کرنا زیادتی ہے۔ یہ مانا کہ زندگی محض رومانی نہیں ہو سکتی۔ اور اس میں ٹھوس حقیقتوں سے دوچار ہونا ہوتا ہے۔ لیکن آخر ہر عمر کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ خدا کی یہ منشا کیوں کر ہو سکتی ہے کہ مرد تو بڈھے ہو کر بھی جوانی کے خواب دیکھیں ہی نہیں ان کو پورا کرنے کا سامان بھی مہیا کر لیں اور عورت اپنی حقیقی جوانی کے جائز تقاضوں کا بھی گلا گھونٹنے پر مجبور کی جائے۔"

(احمدیہ تحریک ص ۲۲۱ و ۲۲۲)

الجواب یہ وہ جدید طرز کا سوال ہے جسے پیش کر کے ملک صاحب بحث کا رُخ بدلنا چاہتے ہیں۔ ہم اس کتاب کے شروع میں ملک صاحب کی اس کتاب کے متعلق یہ رائے ظاہر کر چکے ہیں کہ بظاہر انہوں نے یہ کتاب احمدیت کے خلاف لکھی ہے۔ لیکن درپردہ ان کا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو اسلام سے ہی بدظن کر کے لادینی کا شکار

بنایا جائے۔

اس جگہ حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ کے کردار پر حملہ کے پردہ میں وہ دراصل معروف اسلام پر معترض ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے ثابت ہے۔ اسلام تعیش کی خاطر بوڑھوں کی نوعمر لڑکیوں سے شادی کرنے کی خواہش کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اسلام کے مدّنظر معاشرہ کے لئے تقویٰ کی راہ پر قائم ہونا ضروری ہے۔ لیکن کسی اہم دینی غرض کے ماتحت کسی روحانی انسان کے لئے ایسی شادی میں ہرگز ممانعت نہیں۔ یہ کہنا کہ کسی بوڑھے کی نوجوان لڑکی سے شادی خدائی حکم یا پیشگوئی کے ماتحت نہیں ہو سکتی اور اس میں خدا کو شریک کرنا یا سمجھنا زیادتی ہے۔ تاریخ اسلام سے آنکھیں بند کر لینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے۔ کہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ نے رویا میں فرشتہ کے ذریعہ ریشم کے کپڑے میں حضرت عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کو دکھایا جس سے خدا تعالےٰ کا مقصد یہ تھا۔ کہ یہ آپ کی بیویوں میں داخل ہوں گی۔ چنانچہ اس رویا کے مطابق حضرت ام المومنین عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ عنہا چھوٹی عمر ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں آگئیں۔ یہ شادی اس اہم دینی غرض کے ماتحت تھی۔ کہ وہ ابتدائی عمر میں ہی آپکے فیض تربیت سے مستفیض ہو کر دین اسلام کو اچھی طرح سیکھ لیں چنانچہ ام المومنین حضرت عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

فیض صحبت سے معلمہ نصف الدین بن گئیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی ایک لمبے عرصہ تک امّت کو دین سکھاتی رہیں۔

جزاھا اللہ عنّا خیرا ورفع درجاتھا فی اعلیٰ علیّین۔

یہ تاریخی واقعہ حدیث نبوی کی سب سے معتبر کتاب صحیح بخاری کی کتاب التعبیر باب الحریر فی المنام جلد ثانی مطبوعہ مطبع مجتبائی کے صفحہ ۱۰۳۲ پر یوں منقول ہے:۔

حدثنا محمد قال اخبرنا ابو معاویہ قال اخبرنا ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ اریتک قبل ان اتزوّجک مرتین رایت الملک یحملک فی سرقۃ من حریر فقلت لہ اکشف فکشف فاذا ھی انت فقلت ان یکن ھذا من عند اللہ یمضہ۔ ثم اریتک فی سرقۃ من حریر فقلت اکشف فکشف فاذا ھی انت فقلت ان یکن ھذا عند اللہ یمضہ۔

ترجمہ:۔ حدیث بیان کی ہمارے پاس محمد نے۔ اس نے کہا خبر دی ہمیں ابو معاویہ نے۔ اس نے کہا۔ خبر دی ہمیں ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے اور اس نے (حضرت) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھے میرے خواب میں شادی سے پہلے دو دفعہ دکھائی گئیں

ہمارے فرشتہ کو دیکھا کہ وہ تمہیں ایک ریشم کے کپڑے میں اٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے اسے کہا اس کپڑے سے پردہ ہٹاؤ۔ اس نے پردہ ہٹایا تو ناگاہ وہ تم تھیں۔ پس میں نے کہا اگر اللہ کی طرف سے یہی مقدر ہے (یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہونا) تو خدا تعالےٰ اسے پورا کر دے گا۔ پھر تم مجھے ریشم کے کپڑے میں دکھائی گئیں۔ میں نے کہا پردہ ہٹاؤ تو اس نے پردہ ہٹا دیا۔ پس ناگاہ وہ تم تھیں۔ میں نے کہا اگر اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہی مقدر ہے۔ (یعنی اس کی تعبیر عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہے) تو خدا اس کو پورا کر دے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رویا حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کے آپ کی زوجیت میں آنے سے لفظاً لفظاً پوری ہوگئی۔ صدق اللہ وصدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر عیسائیوں کا ایک طبقہ اس پر اسی لب ولہجہ میں معترض ہوا۔ جو لب ولہجہ ملک صاحب نے اختیار کیا ہے

تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے اس واقعہ سے یہ سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں۔ کہ روحانی لوگوں کی بڑی عمر میں کسی کم سن لڑکی سے شادی ضروری طور پر نفسانی خواہشات کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ پاک اور خاص دینی اغراض کے لئے ایسی شادی کا جواز اسوۂ نبوی سے ثابت ہے۔

حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ سے بھی خدا تعالیٰ نے بعض دینی اغراض

کے لئے نکاح ثالث کی پیشگوئی مشتہر طریق پر کروائی تھی۔ بظاہر آپ کو کسی اور نکاح کی ضرورت ہی نہ تھی کہ اس تیسرے نکاح کی پیشگوئی کسی نفسانی جذبہ پر محمول کیا جائے کیونکہ جو شخص ایک لمبے عرصہ تک پہلی بیوی کی موجودگی میں بھی عملاً تجرد کی زندگی بسر کر رہا تھا نکاح ثانی کی بشارت سے پہلے اس کے دل میں نکاح ثانی کے لئے از خود کوئی خیال پیدا نہیں ہوا تھا۔ تو ایسے شخص کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ نکاح ثالث کسی نفسانی جذبہ کے ماتحت کرنا چاہتا تھا۔ صریح بدظنی اور عناد کا نتیجہ ہے۔ حضرت مرزا صاحب زیر بحث نکاح کے متعلق خود فرماتے ہیں:۔

"ہمیں اس رشتہ کی درخواست کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ سب ضرورتوں کو خدا نے خود پورا کر دیا تھا۔ اولاد بھی عطا کی اور ان میں سے وہ لڑکا بھی جو دین کا چراغ ہوگا اور ایک اور لڑکا ہونے کا قریب مدت میں وعدہ دیا گیا۔ جس کا نام محمود احمد ہوگا۔ وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا۔ پس یہ رشتہ جس کی درخواست محض بطور نشان ہے تا خدا تعالیٰ اس کنبے کے منکرین کو اعجوبۂ قدرت دکھائے۔ اگر وہ قبول کریں تو برکت اور رحمت کے نشان ان پر نازل کرے۔ اور ان بلاؤں کو دفع کر دے جو نزدیک ہیں۔ لیکن اگر وہ رد کر دیں۔ تو ان پر قہری نشان نازل کرکے ان کو متنبہ کرے۔"

(اشتہار ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء)

یہ وہ دینی غرض تھی۔ جس کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے آپ سے محمدی بیگم صاحبہ کے نکاح کی پیشگوئی کرائی۔ یہ پیشگوئی درحقیقت اس کنبہ کے لئے ایک دعیدیہ پیشتمل تھی۔ اور خدا تعالیٰ اپنے علم ازلی میں جانتا تھا۔ کہ درحقیقت یہ نکاح وقوع میں نہیں آئے گا۔ چونکہ یہ پیشگوئی آپ کے بے دین رشتہ داروں کے لئے بطور وعید کے تھی۔ جو ان کے نشان طلب کرنے پر بطور اتمامِ حجت کی گئی۔ وعیدی پیشگوئی ہمیشہ مشروط بشرطِ توبہ ہوتی ہے۔ چونکہ محمدی بیگم صاحبہ کے والد مرزا احمد بیگ صاحب نے توبہ نہ کی۔ بلکہ ضد میں آکر محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح مرزا سلطان محمد صاحب ساکن پٹی سے کر دیا۔ اس لئے وہ وعید کے مطابق پکڑے گئے اور محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح کرنے کے بعد پیشگوئی کی میعاد کے اندر چھ ماہ میں ہی ہلاک ہو گئے۔ اب از روئے پیشگوئی محمدی بیگم صاحبہ کو بیوہ ہو کر حضرت اقدس کے نکاح میں آنا چاہیئے تھا۔ مگر ان کے خاوند مرزا سلطان محمد صاحب پر اپنے خسر کی موت سے گہرا اثر پڑا۔ اور باقی خاندان پر بھی خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ اس لئے یہ لوگ توبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت اقدس کو ان کی طرف سے دعا کے لئے خط بھی لکھا گیا اس لئے محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند سے وعیدی پیشگوئی کی شرط توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے وعید کی موت ٹل گئی۔ اور حضرت اقدس سے محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح وعیدی پیشگوئی کی شرط توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے ضروری الوقوع نہ رہا۔ یہ پیشگوئی حضرت

یونس علیہ السلام کی اس پیشگوئی کی طرح وعیدی تھی۔ جس میں حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم پر چالیس دن میں عذاب نازل ہونے کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ مگر قوم کے رجوع الی اللہ اور توبہ سے یہ عذاب ٹل گیا تھا۔

اعتراض چہارم ملک صاحب کے الفاظ میں یہ ہے کہ:۔

"کوئی نہیں کہتا کہ نکاح تو مرزا صاحب اور محمدی بیگم کا ہونا ہے۔ اتنے بڑے ہنگامے کی کیا بات ہے۔ محمدی بیگم سے پوچھو۔ اگر وہ مرزا صاحب سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اور کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے؟" (احمدیہ تحریک ص۲۲۶)

الجواب واضح ہو کہ اس نکاح کے معاملہ میں محمدی بیگم صاحبہ کے والدین کی طرف سے کبھی اس بات کا اظہار نہیں کیا گیا کہ محمدی بیگم صاحبہ حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ سے نکاح پر رضامند نہیں اگر وہ نارضامند ہوتیں۔ تو اُن کے والدین سب سے پہلے حضرت اقدس کے سامنے یہی عذر پیش کرتے۔ مگر اس کی بجائے اور عذرات تراشے گئے

اعتراض پنجم ملک صاحب احمدیہ تحریک کے صفحہ ۲۲۴ تا ۲۲۶ میں لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے پیشگوئی کو پورا کرنا مسنون ہے۔ اگر یہ بات کسی فتنہ یا ناجائز طریق کے بغیر ہو سکے۔ دیکھنا یہ ہے کہ انہوں نے محمدی بیگم کے ساتھ

نکاح میں کامیابی حاصل کرنے کے لیئے کون کون کوششوں کو جائز اور فتنہ سے پاک قرار دیا۔

سب سے پہلے وہ حالات بیان کرنے مناسب ہوں گے۔ جن میں کہ مرزا صاحب نے نکاح کی درخواست مرزا احمد بیگ کے سامنے پیش کی ۔ اس کی تفصیل مرزا صاحب کے اپنے الفاظ میں سنئیے۔ ۱۸۸۸ء کے ایک اشتہار میں لکھتے ہیں :"

" خدا تعالیٰ نے یہ تقریب قائم کی ۔ کہ اس لڑکی کا والد ایک ضروری کام کے لیئے ہماری طرف ملتجی ہوا ۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نامبردہ کی ایک ہمشیرہ ہمارے ایک چچازاد بھائی غلام حسین نامی کو بیاہی گئی ۔ غلام حسین عرصہ پچیس سال سے کہیں چلا گیا اور مفقود الخبر ہے اس کی زمین کا حق ہمیں پہنچتا ہے۔ مرزا احمد بیگ کی ہمشیرہ کے نام کاغذات سرکاری میں درج کرادی گئی تھی ۔ اب حال کے بندوبست میں جو ضلع گورداسپور میں جاری ہے نامبردہ یعنی ہمارے خط کے مکتوب الیہ نے اپنی ہمشیرہ کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ زمین جو چار پانچ ہزار روپیہ قیمت کی ہے ۔ اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبہ منتقل کرادیں۔ چنانچہ ان کی ہمشیرہ کی طرف سے یہ ہبہ نامہ لکھا گیا ۔ چونکہ وہ ہبہ نامہ بغیر ہماری رضامندی کے بیکار تھا ۔ اس لئے مکتوب الیہ نے بہ تمام عجز و انکساری ہماری طرف رجوع کیا تا کہ ہم راضی ہو کر اس ہبہ نامہ

پر دستخط کر دیں۔ اور قریب تھا کہ دستخط کر دیتے۔ لیکن یہ خیال آیا۔ کہ جیسا کہ ایک مدت سے بڑے بڑے کاموں میں ہماری عادت ہے جناب الٰہی میں استخارہ کر لینا چاہیئے۔ سو مکتوب الیہ کے متواتر اصرار سے استخارہ کیا گیا۔ وہ استخارہ کیا تھا۔ گویا آسمانی نشان کی درخواست کا وقت آپہنچا تھا جس کو خدا تعالیٰ نے اس پیرایہ میں ظاہر کر دیا۔

اُس خدا تعالےٰ قادرِ مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں کے نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کر۔ اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک اور مروت تم سے اسی طرح پر کیا جائے گا۔ اور یہ نکاح تمہارے لئے موجبِ برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا اور ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصّہ پاؤ گے۔ جو اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں درج ہے۔ لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا۔ تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی بُرا ہوگا۔ اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی۔ وہ روزِ نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا۔ اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔ اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لئے کئی کراہیت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔

میں نے اس جگہ ملک صاحب کی کتاب میں درج شدہ حضرت اقدس

کا لمبا اقتباس اس لئے نقل کر دیا ہے۔ کہ ملک صاحب کے باقی اعتراضات کی بنیاد بھی دراصل یہی اقتباس ہے۔

اعتراض ششم | چنانچہ ملک صاحب اس اقتباس میں بیان شدہ استخارہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"گویا اگر مرزا احمد بیگ اپنی لڑکی مرزا صاحب کو دے دیتا تو غلام حسین متوفی سمجھا جاتا۔ اور اگر احمد بیگ اس پر رضامند نہیں ہوا تو غلام حسین بقیہ حیات قرار دیا گیا"

(احمدیہ تحریک صفحہ ۲۲۷ تا ۲۲۸)

الجواب | ملک صاحب کا یہ اعتراض محض طفلانہ ہے ایک ایڈیٹ کیٹ سے اس نوع کا اعتراض سخت قابل تعجب ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس نے کہیں یہ نہیں لکھا۔ کہ اگر احمد بیگ رشتہ پر رضامند ہوگا۔ تو غلام حسین مفقود الخبر کو ازروئے استخارہ وفات یافتہ سمجھا جائے گا۔ اور اگر وہ رشتہ نہ دے گا تو غلام حسین مذکور کو زندہ سمجھا جائے گا۔ البتہ استخارہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رشتہ کے لئے سلسلہ جنبانی کی تحریک اس بات کی قطعی دلیل تھی کہ غلام حسین بہر حال وفات پا چکا ہوا تھا۔ اور محمدی بیگم صاحبہ کے والد کی رشتہ پر رضامندی کی صورت میں آپ ہبہ نامہ پر دستخط کر سکتے ہیں۔ اگر وہ رشتہ نہ دیں۔ تو پھر اُن سے ہبہ نامہ پر دستخط کرنے کا سلوک نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ قہری نشان کا مورد ہوں گے۔

اعتراض ہفتم | ملک صاحب حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ کے متعلق

لکھتے ہیں :-

"انہوں نے مرزا احمد بیگ کو یہ پیشکش بھی کی تھی کہ" میں تیری بیٹی کو اپنی زمین اور دیگر تمام جائداد سے ایک تہائی حصہ دے دوں گا۔ اور جو قطعہ بھی تو مانگے گا۔ وہ میں دے دوں گا۔ میں سچّوں میں سے ہوں"

"یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے۔ کہ آیا مرزا صاحب کا اپنے ہونے والی بیوی اور اُس کے خاندان کے ساتھ یہ فیاضانہ سلوک ان کی موجودہ دو بیویوں اور اولاد کے ساتھ اسلامی انصاف کے مطابق تھا؟ یاد رہے کہ اس وقت مرزا صاحب کی پہلی بیوی سے دو لڑکے اور دوسری سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا موجود ہے"
(احمدیہ تحریک ص۲۲۸)

الجواب اس مسئلہ کا تعلق فقہ اسلامی سے ہے۔ اسلامی فقہ کی رو سے جائیداد کی ایک تہائی تک ہبہ جائز ہے۔ اور ایک تہائی تک وصیت بھی جائز ہے۔ اس لئے حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ نے اس فیاضانہ سلوک میں فقہ اسلامی کو مدِّ نظر رکھ کر یہ پیشکش کی تھی۔ ملک صاحب نے اس امر کے اسلامی انصاف کے خلاف ہونے کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ اسلامی تعلیم کی رو سے ایک تہائی تک وصیّت کی اجازت ہے۔ ایک تہائی تک کی قید اس لئے ہے کہ دوسرے ورثاء ترکہ پانے سے محروم نہ کر دیئے جائیں۔ پس اگر کوئی صاحبِ جائیداد اپنی جائیداد میں سے ⅓ کی وصیت یا ہبہ کرتا ہے تو اس

بات کو دوسرے در شاء سے بے انصافی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ آپ اپنی ساری جائیداد کی وصیت کرنا چاہتے تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صرف ثلث تک وصیت کرنے کی اجازت دی تا وارث محروم نہ رہیں۔ پس ملک صاحب کا یہ اعتراض ان کی اسلامی تعلیم سے ناواقفی کا ثبوت ہے۔

اعتراض ہشتم اس سلسلہ میں ملک صاحب کو یہ بھی اعتراض ہے کہ اپنے لڑکے فضل احمد سے اس کی بیوی کو باپ نے طلاق دلوائی۔ دوسرے لڑکے سلطان احمد کو عاق کر دیا۔ اور اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دی۔ ملک صاحب ان سب امور کو فتنہ کا موجب قرار دیتے ہیں۔ ملک صاحب کے اس اعتراض میں کوئی جدت نہیں۔ بلکہ یہ اعتراض پہلے لوگوں کی ہی نقل ہے۔

الجواب اپنے بیٹے فضل احمد صاحب سے اپنی بہو کو طلاق دلوانے کی دھمکی بھی کوئی شرعاً قابل اعتراض بات نہیں تھی۔ کیونکہ مرزا فضل احمد صاحب کی بیوی کا تعلق مخالفین کے کنبہ سے تھا۔ اور وہ خود بھی مخالفین سے تھی اور الہام الٰہی جیسا کہ میں شروع مضمون میں بتا چکا ہوں بتاتا تھا کہ جو لوگ ایسے مخالفین سے علیحدہ نہ ہوں۔ ان پر عذاب نازل ہوگا۔ چونکہ مرزا فضل احمد صاحب کی بیوی مخالفین میں شامل تھی۔ اس لئے اس سے قطع تعلق بموجب الہام مناسب معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ کی اپنے بیٹے پر شفقت آپ کو مجبور کرتی تھی۔ کہ وہ اپنی بیوی سے قطع تعلق کرے تاکہ وہ بھی اس تعلق کی وجہ سے عذاب کا مورد نہ ہو

احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ اگر باپ بہو کو ناپسند کرتا ہو تو بیٹے کو باپ کے کہنے پر بیوی کو طلاق دے دینی چاہیئے۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے:-

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ تَحْتِيْ اِمْرَأَةٌ اُحِبُّهَا وَكَانَ اَبِيْ يَكْرَهُهَا فَاَمَرَنِيْ اَنْ اُطَلِّقَهَا فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ طَلِّقِ امْرَاَتَكَ" (ترمذی کتاب الطلاق مشکوٰۃ مجتبائی ص۴۲۱ باب الشفقۃ)

"حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میری ایک بیوی تھی۔ جس سے مجھے بہت محبت تھی۔ لیکن میرے باپ (حضرت عمرؓ) اس سے بہت نفرت کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے طلاق دے دوں۔ میں نے اس بات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عبد اللہ بن عمر اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔"

اسی طرح صحیح بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب مکہ کی وادی میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑ آئے۔ اور ان کے وہاں جوان ہونے پر پھر مکہ گئے۔ تو اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہ تھے۔ ان کی بیوی گھر پر تھی آپ اس سے باتیں کرتے رہے اور جاتی دفعہ ان کی بیوی سے کہہ گئے۔ کہ اسماعیل گھر آئیں۔ تو انہیں میرا سلام کہہ دینا۔ اور یہ کہنا غَيِّرْ عُتْبَةَ بَابِكَ کہ اپنے دروازے کی دہلیز بدل دو۔ جب اس نے

ابراہیم علیہ السلام کا پیغام اپنے خاوند کو دیا تو اس پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے فرمایا :-

" ذَالِكِ أَبِيْ وَقَدْ أَمَرَنِيْ أَنْ أُفَارِقَكِ اِلْحَقِيْ بِأَهْلِكِ فَطَلَّقَهَا وَتَزَوَّجَ مِنْهُمْ أُخْرٰى -

(صحیح بخاری جلد ۲ کتاب ... الخ ق)

کہ وہ میرے والد ابراہیم علیہ السلام تھے اور وہ مجھے یہ حکم دے گئے ہیں - کہ میں تجھے طلاق دے دوں - پس تو اپنے والدین کے پاس چلی جا (یہ لفظ طلاق کے لئے کنایہ ہوتے ہیں بشرطیکہ طلاق کی نیت ہو) آپ نے اُسے طلاق دے دی - اور بنو جرہم کی ایک اور عورت سے شادی کر لی "

پس مرزا فضل احمد صاحب کی بیوی کے مخالفین پیشگوئی سے روابط کی وجہ سے دینی غیرت کا بھی تقاضا تھا - کہ اسے طلاق دلوائی جائے - ایسا کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنّت کے مطابق تھا - آپ نے مرزا فضل احمد صاحب سے طلاق نامہ مشروط طور پر لکھوا تو لیا - مگر مرزا فضل احمد صاحب کے مخالفوں سے قطع تعلق کر لینے کی وجہ سے اُسے نافذ نہیں کیا -

اعتراض سوم کا جواب

حضرت اقدس کا اپنی پہلی بیوی کو پیشگوئی کی مخالفت کرنے پر طلاق دے دینا بھی کوئی قابلِ اعتراض امر نہیں - کیونکہ اس طلاق کے دینے میں آپ نے کسی حیلہ بازی سے کام نہیں لیا - بلکہ پہلے اپنی بیوی پر اتمامِ حجّت کر لی کہ وہ

مخالفین پیشگوئی سے الگ ہو جائے۔ کیونکہ آپ کا الہام بتاتا تھا کہ جو لوگ ان مخالفوں سے قطع تعلق نہیں کریں گے اور ان کی مجلسوں میں شریک ہوں گے وہ عند اللہ ملعون ہوں گے نہ قابلِ رحم۔ اس لئے آپ کا حکم نہ مانا جانے پر طلاق کا دیا جانا ضروری امر تھا۔ اس صورت میں طلاق نہ دینا معصیت تھی۔

اعتراض چہارم کا جواب

مرزا سلطان احمد صاحب کا عاق کیا جانا بھی اسی بناء پر تھا کہ ان کا تعلق مخالفینِ پیشگوئی سے تھا اور وہ حضرت اقدسؑ کے بار بار خط لکھنے پر بھی ان مخالفین سے قطع تعلق کرنے اور اپنی والدہ کو ان سے علیحدہ کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ اندریں صورت حضرت اقدسؑ کا اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دینا اور اپنے بیٹے سلطان احمد صاحب کو عاق کر دینا دینی غیرت اور اپنے الہامات کے منشاء کے عین مطابق تھا۔ کیونکہ الہام الٰہی بتاتا تھا۔ کہ جو لوگ مخالفین کی مجلسوں سے دُور رہیں گے انہیں پر رحم کیا جائے گا۔

اپنے بیٹے مرزا سلطان احمد صاحب کو عاق کر دینے کی دھمکی اور اپنی پہلی بیوی کو اصلاح حال نہ کرنے پر طلاق کی دھمکی کی وجہ اس اقتباس میں مذکور ہے۔ جو ملک صاحب نے اس بارہ میں اپنی کتاب احمدیہ تحریک کے صفحہ ۲۳۱ و ۲۳۲ پر درج کیا ہے۔ وہ اقتباس یہ ہے:۔

"مگر اس کام (یعنی محمدی بیگم صاحبہ کے دوسری جگہ نکاح کے لئے

مدار المہام وہ ہو گئے۔ جن پر اس عاجز کی اطاعت فرض تھی اور ہر چند سلطان احمد کو سمجھایا اور بہت تاکیدی خط لکھے کہ تو اور تیری والدہ اس کام سے الگ ہو جائیں۔ ورنہ میں تم سے جدا ہو جاؤں گا۔ اور تمہارا کوئی حق نہیں رہے گا۔ مگر انہوں نے میرے خط کا جواب تک نہ دیا۔ اور بکلی مجھ سے بیزاری ظاہر کی۔ اگر ان کی طرف سے ایک تیز تلوار کا بھی مجھے زخم پہنچتا۔ تو بخدا میں اس پر صبر کرتا۔ لیکن انہوں نے دینی مخالفت کر کے اور دینی مقابلہ سے آزار دے کر مجھے بہت ستایا اور اس حد تک میرے دل کو توڑ دیا کہ میں بیان نہیں کر سکتا اور عمداً چاہا کہ میں ذلیل کیا جاؤں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ ان سے کسی قسم کا تعلق رکھا جائے اور ڈرتا ہوں کہ ایسے دینی دشمنوں سے پیوند رکھنے میں معصیت نہ ہو۔ (بحوالہ اشتہار مورخہ ۲۰ر مئی سنہ ۱۸۹۱ء

(مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۲ صفحہ ۹)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے الہامات کی روشنی میں اپنی بیوی اور لڑکے مرزا سلطان احمد صاحب پر اتمام حجت کرنے کے بعد ان کے دینی مخالفت کرنے اور الہامات کے خلاف کھڑا ہو جانے کی وجہ سے ان سے قطع تعلق کرنے پر مجبور تھے۔ آپ کی دینی غیرت کا یہ تقاضا تھا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیتے اور مرزا سلطان احمد صاحب

عاق کر دیتے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے آخر مرزا سلطان احمد صاحب کو احمدیت میں داخل ہونے کی سعادت عطا فرما دی۔

اسی طرح وہ تائی صاحبہ جن کے احسانات کی وجہ سے مرزا سلطان احمد صاحب حضرت اقدسؑ کی ہدایت پر کار بند نہ ہوئے تھے۔ وہ بھی آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک الہام "تائی آئی"، (تذکرہ ۸۲۲ء) کے ماتحت بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئیں۔ اور یہ دونوں اس پیشگوئی کے منجانب اللہ ہونے کے مصدق اور محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کی توبہ کے شاہد ناطق بن گئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

حضرت مسیح موعودؑ کا کردار

ملک جعفر خان صاحب اس موقعہ پر اپنی کتاب "احمدیہ تحریک" کے صفحہ ۲۱۵ پر لکھتے ہیں:۔

"میرے لئے پیشگوئی کا پورا نہ ہونا اتنا اہم نہیں ہے سوال یہ ہے کہ اس پیشگوئی سے متعلق واقعات مرزا صاحب کے کردار پر کیا روشنی ڈالتے ہیں؟"

اور پھر بھولے بن کر لکھتے ہیں:۔

"جس بیوی کے ساتھ مرزا صاحب کا جوانی کا بہترین حصہ گذر چکا تھا بڑھاپے میں اُسے عذاب میں مبتلا کرنا کسی طرح جائز نہ تھا" (احمدیہ تحریک ص۲۱۵)

الجواب اس کے جواب میں عرض ہے کہ ہر سلیم الفطرت جانتا ہے کہ جواز اور عدم جواز کا فیصلہ اس بارہ میں حضرت اقدس ہی کر سکتے تھے۔ جن کا اپنی پہلی بیوی سے براہ راست واسطہ تھا۔ پچھلے صفحات میں جو اقتباس حضرت اقدسؑ کا گذر چکا ہے وہ اس امر پر قطعی دلیل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت اضطراری حالات میں یہ طلاق دی ہے۔ کیونکہ آپ کی اس بیوی کو جس پر آپ کی اطاعت فرض تھی حضرت اقدسؑ کی طرف سے بار بار ہدایت کی گئی تھی کہ وہ محمدی بیگم صاحبہ کے دوسری جگہ نکاح کے کام سے الگ ہو جائے۔ ورنہ اس سے قطع تعلق کیا جائے گا۔ جب وہ اس نصیحت پر کاربند نہ ہوئیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس حکم کو تسلیم نہ کیا۔ تو چونکہ یہ ان کا در اصل الہامات الٰہیہ کے مقابلہ پر حضرت اقدس سے نشوز سے بڑھ کر آپ کے خلاف تظاہر تھا۔ اس لئے حضرت اقدسؑ طلاق کے لئے مجبور ہو گئے۔ یہ آپ کی غیرت ایمانی کا تقاضا تھا کہ آپ پورے طور پر سمجھانے کے بعد ان کے نصیحت پر کاربند نہ ہونے پر انہیں طلاق دے دیتے۔ اسلام اس غیرت ایمانی کو جائز بلکہ ضروری قرار دیتا ہے جس کا قطعی ثبوت یہ ہے۔ کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیرت ایمانی سے اپنی ازواج مطہرات کے مال غنیمت میں سے دوسرے لوگوں کی طرح حصہ ملنے کا مطالبہ کرنے پر ایک ماہ کے لئے ان سے الگ ہو گئے اور بالآخر خدا کا فیصلہ بھی یہی نازل ہوا کہ:۔

یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا۔ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ (احزاب ع۴)

"کہ اے نبیؐ اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و آرائش کا سامان چاہتی ہو۔ تو آؤ میں سامان دے کر تمہیں اچھی طرح رخصت کر دوں۔ اور اگر تم خدا، رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ تعالےٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے بڑا اجر مقرر کر رکھا ہے"

ازواج مطہراتؓ کا مطالبہ مال کے لئے ناجائز تو نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطالبہ کو ناپسند فرمایا اور اپنی ازواج کے لئے فقر کو ترجیح دینے کو ضروری سمجھا۔ اور اس مطالبہ پر ناراض ہو کر ان سے ایک ماہ کے لئے علیحدگی اختیار کر لی۔ پھر اس وحی کے نازل ہونے پر ازواج مطہرات نے ترک دنیا سے کام لیا۔ اور اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دار آخرت کو دنیاوی مال پر ترجیح دی۔ تو طلاق وقوع میں نہ آئی۔ اگر آپ کی ازواج میں سے کوئی معاذ اللہ دنیاوی اموال کو ترجیح دیتی تو ملک صاحب بتائیں۔ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اس وحی کے ماتحت طلاق نہ دیتے؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی بیوی کو اس سے بڑھ کر

اضطراری حالت میں طلاق دی ہے۔ پس آپ کے اس کردار کے اسلامی ہونے پر اس واقعہ سے کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اسلامی غیرت یہی چاہتی تھی کہ آپ ایسے ہی کردار کا مظاہرہ کرتے جو آپ سے وقوع میں آیا
ملک جعفر خاں صاحب صرف عورت کی مظلومیت کا ڈھنڈورہ پیٹ کر حضرت اقدسؑ کے کردار پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ لیکن وہ آپؑ کی اس بیوی کی حالتِ نشوز نہ بلکہ حالتِ تظاہر کو اور حضرت اقدسؑ کی مظلومیت کو سراسر نظر انداز کر گئے ہیں جو ملک صاحب کا صریح ظلم ہے۔ اس موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہ صرف یہ کہ ظالم نہیں تھے بلکہ نہایت مظلوم تھے۔ اور اپنے الہامات کی وجہ سے بھی منشاء الٰہی یہی سمجھتے تھے کہ اب آپؑ کا اپنی اس بیوی سے تعلق رکھنا ناجائز اور ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ الہامات بتاتے تھے کہ جو لوگ ان مخالفین سے تعلق رکھیں گے وہ ملعون ہوں گے۔ اور ان پر خدا کی طرف سے رحم نہیں کیا جائے گا۔ اور جو ان سے قطع تعلق کریں گے وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ رحم ہوں گے۔ چونکہ آپؑ کی بیوی پیشگوئی کے مخالفین سے پورا تعلق رکھتی تھی۔ لہٰذا حضرت اقدسؑ ایسی صورت میں اپنی اس بیوی سے قطع تعلق کے لئے مجبور تھے۔ کیونکہ آپؑ کا یہ الہام صاف قطع تعلق کی تلقین کر رہا تھا۔ پھر آپؑ نے جلد بازی سے کام نہیں لیا بلکہ اپنی اس بیوی کو پہلے ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ اپنی روش سے باز نہ آئیں اور پیشگوئی کی مخالفت نہ چھوڑی۔ اور

مخالفین سے قطع تعلق نہ کیا۔ تو حضرت اقدسؑ کے لئے خدا کی وحی کے ماتحت ان سے قطع تعلق کرنا ضروری ہو گیا۔

ملک صاحب کہتے ہیں کہ طلاق واقع ہونے سے آپ کی یہ زوجہ تو محض "پیچھے دی ماں" ہو کر رہ گئی۔ اور دوسری بیوی ام المومنین بن گئی سو اس میں حضرت اقدسؑ کا کیا قصور ہے؟ آپؑ کا یہ الہام جس کی بناء پر آپؑ نے طلاق دی ایک تقدیر معلق کے ذکر پر مشتمل تھا۔ اور آپؑ کی یہ بیوی مخالفین پیشگوئی سے قطع تعلق کر کے اُمّ المومنین بن سکتی تھی۔ مگر اس نے اپنی راہ میں خود کانٹے بوئے۔ لہٰذا جو اپنے آپ کو تباہ کرنے پر خود تُلا ہُوا ہو۔ اُسے ایسی صورت میں کون بچا سکتا تھا۔ حدیثوں میں ذکر آیا ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیمہ بنت نعمان بن شراجیل سے جو ابنۃ الجون یا جونیہ کہلاتی تھی شادی کی۔ اس کے بھائی اُسید نے جونیہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بھیج دیا جب وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آئی۔ تو اس نے یہ فقرہ کہہ دیا۔ کہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ کہ میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ اُس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَقَدْ عُذْتِ بِعَظِيْمٍ اِلْحَقِيْ بِاَهْلِكِ۔ کہ تو نے بڑی ہستی کی پناہ چاہی ہے لہٰذا اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا۔ یہ حدیث عروہ بن مسعودؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ (دیکھو صحیح بخاری۔ کتاب الطلاق)

شارحین حدیث کے نزدیک آپ کا یہ فقرہ کہ الحقی باھلک

طلاق کے لئے کنایہ تھا۔پس جس طرح امیمہ بنت نعمان بن شراحیل یہ فقرہ کہنے پر اُمّ المومنین نہ بن سکی اور جس طرح اس نے اپنے راستہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا کی پناہ مانگ کر خود کانٹے بوئے اسی طرح فضل احمد صاحب کی والدہ نے اپنی راہ میں حضرت اقدس کی پیشگوئی کی مخالفت کرکے باوجود سمجھایا جانے کے خود کانٹے بوئے اس میں حضرت اقدسؑ کا کیا قصور تھا۔آپ کا غیرت مندانہ کردار تو اس سلسلہ میں بالکل بے لوث اور اسلامی تعلیم کے عین مطابق ہے۔قرآن کریم حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کے ذکر میں فرماتا ہے

كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ
فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (سورۃ تحریم)

کہ یہ دونوں بیویاں ہمارے دو بندوں کے ماتحت تھیں۔ان دونوں نے اپنے خاوندوں کی خیانت کی۔تو ان دونوں کے خاوند انہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے۔
لوط علیہ السلام کی بیوی کے تعلقات چونکہ حضرت لوطؑ کے دشمنوں سے تھے۔اس لئے حضرت لوطؑ تو ایمانداروں کے ساتھ بستی سے نکل گئے۔مگر وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے قرآنی بیان کے مطابق مِنَ الْغَابِرِيْنَ یعنی پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگئی اور عذاب میں پکڑی گئی۔

پس جب انبیاء کی مخالفت ان کی بیویوں کو عذابِ الٰہی سے

بچا نہیں سکتی۔ تو حضرت اقدس کا اپنے الہامات کی روشنی میں اپنی اس بیوی سے قطع تعلق کر لینا جو مخالفت کرنے والوں کے ساتھ شامل تھی۔ عین منشاء الٰہی کو پورا کرتا ہے۔ کیونکہ آپ کا الہام بتاتا تھا کہ جو اُن لوگوں سے تعلقات نہیں چھوڑیں گے۔ ان پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

بالآخر عرض ہے کہ مذکورہ حالات میں اپنے لڑکے سے اس کی بیوی کو طلاق دلانا یا اپنے بڑے لڑکے کو عاق کرنا گو ایک فتنہ کی صورت بنتی لیکن در اصل امر قابلِ غور یہ ہے کہ اس فتنہ کے موجبات خود ان لوگوں کے اور ان کے متعلقین کے پیدا کردہ تھے یہ لوگ اگر تظاہر کا طریق اختیار نہ کرتے اور آپ کے مخالف رشتہ داروں کی پیٹھ نہ ٹھونکتے۔ تو کبھی ان سے ایسا سلوک نہ کیا جاتا۔ چونکہ پیشگوئی کے بالمقابل تظاہر کی وجہ سے یہ لوگ اس قطع تعلق کے لئے خود ذمہ دار ہیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اس سلسلہ میں فتنہ پیدا کرنے کا کوئی الزام عاید نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسے تظاہر پر ان سے قطع تعلق نہ کرنا اسلامی غیرت کے خلاف تھا۔

حضرت اقدس کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دے دینا۔ دراصل ایک طلاق کے ہی مترادف ہے جو عدت گزرنے پر بائن ہو جاتی ہے۔ مگر حنفیوں میں عموماً یہی خیال رائج تھا۔ کہ طلاقیں تین دینے پر ہی زوجیت کا تعلق پوری طرح منقطع ہوتا ہے۔ حالانکہ ایک طلاق بھی عدت گزر جانے

پیرزہ محبت کے تعلق کو منقطع کر دیتی ہے۔ مرزا فضل احمد سے جس طلاقنامہ کے حصول کا ذکر خط میں ہے اس میں تین طلاقوں کا ذکر ان لوگوں کے اس خیال کے پیش نظر ہے کہ وہ لوگ تین طلاقوں کو ہی اہمیت دیتے تھے یہ تین طلاقیں اگر نافذ کی جاتیں۔ تو شریعت کے مطابق الگ الگ طہروں میں ہی نافذ کی جاتیں مگر در اصل یہ طلاق نافذ ہی نہیں کیگئی اس خیال سے کہ شاید مرزا فضل احمد کی بیوی کی اصلاح ہو جائے

اعتراض نہم

اس بحث کے ضمن میں ملک صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی پہلی بیوی کو طلاق کے مشروط طور پر دینے پر لکھتے ہیں :۔

معمولی معمولی باتوں پر یہ رشتہ توڑا نہیں جا سکتا۔ کہاں قرآن کی یہ تعلیم اور کہاں اس تعلیم کی تجدید کے مدعی کا یہ عمل کہ بیوی کو بغیر کسی قصور کے طلاق دے رہے ہیں اور دوسروں کو طلاق دینے پر مجبور کر رہے ہیں۔ مشروط طلاق جیسے صریحاً غیر قرآنی طریقہ پر عمل کر رہے ہیں اور شرط بھی ایسی کہ جس کا میاں بیوی کے اپنے تعلقات کے ساتھ کوئی واسطہ ہی نہیں

مشروط طلاق کا ثبوت از روئے قرآن مجید

اس کے جواب میں عرض ہے :۔
ملک صاحب کا مشروط طلاق کو غیر قرآنی طریقہ قرار دینا قرآنی تعلیم سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰے قرآن مجید میں دو مقام پر مشروط طلاق کا ذکر فرماتا ہے۔ ایک جگہ سورۂ احزاب کی اس آیت میں :۔

اِنْ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ
اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا۔

یعنی خدا تعالےٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اپنی بیویوں سے کہہ دیں اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ تمہیں سامان دے کر اچھی طرح رخصت کر دوں (یعنی طلاق دے دوں)

اس جگہ سراح جمیل سے مراد طلاق ہے جو ان تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا کی شرط سے مشروط ہے۔

دوسری آیت سورۃ تحریم کی ہے جس میں اللہ تعالےٰ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیویوں کے متعلق فرماتا ہے:-

اِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ
جِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔ عَسٰى رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ
اَنْ يُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ (تحریم)

کہ اگر تم دونوں نبی کے خلاف تظاہر (ایک دوسرے کی پشت پناہی کے لئے کھڑے ہونے) کا طریق اختیار کروگی۔ تو یاد رکھو کہ اللہ اس کا (رسول کا) دوست ہے اور جبریل اور صالح مومن بھی اور ملائکہ بھی ان کے علاوہ اس کی پشت پہ ہیں۔ قریب ہے کہ اگر نبی تمہیں طلاق دے دے تو اس کا

رب اسے اس کے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں دیدے۔

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر آپ کی ازدواج میں سے کوئی تظاہر کا طریق اختیار کریں کی شرط کے ساتھ طلاق دینے کی اجازت دی گئی ہے۔

ملک صاحب کا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پہلی بیوی کو بلا قصور طلاق دی ہے۔ بلکہ آپ نے پہلے انہیں بار بار سمجھایا۔ کہ وہ آپ کے ان مخالف رشتہ داروں سے الگ رہیں۔ جو محمدی بیگم کی پیشگوئی کے سلسلہ میں آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہیں مگر وہ نہ مانیں۔ بلکہ خود مخالفت میں مدار المہام بن گئیں۔ اس طرح تظاہر کا طریق اختیار کرنے پر انہیں مشروط طلاق دی گئی اگر نشوز کی حالت ہوتی تو حکم مقرر کئے جاتے۔ تظاہر کی حالت میں حکم بنانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ پس آپ کی پہلی بیوی کی حالتِ تظاہر ان کو سخت قصوروار ٹھہراتی تھی۔ جس کو اختیار کرنے پر اُن پر مشروط طلاق واقع ہوگئی۔ اس میں حضرت اقدس پر شرعی لحاظ سے کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اپنے لڑکے فضل احمد سے اس کی بیوی کے متعلق بھی مشروط طلاق نامہ لکھوانے کا موجب ان کی بیوی اور اس کے والدین کی طرف سے تظاہر کا طریق اختیار کرنا تھا مگر یہ طلاق نافذ نہیں ہوئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات متقاضی تھے کہ ایسے لوگوں

سے رشتہ داری کے تعلقات قائم نہ رکھے جائیں۔ جب یہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذلیل اور رسوا کرنے پر ایک دوسرے کی پشت پناہ بنے۔ تو ان کے ساتھ رشتہ داری کا قائم رکھنا اسلامی غیرت کے خلاف تھا۔

اعتراض دہم اس سلسلہ میں ملک صاحب کا آخری اعتراض یہ ہے۔ کہ آپ نے اس جھگڑے کو ایسے رنگ میں پیش کیا گویا یہ ایک اہم دینی معاملہ ہے اور یہ کہ جنگ مقابلہ اسلام اور عیسائیت میں ہے۔

الجواب ملک صاحب نے اس اعتراض میں بھی انصاف کا خون کیا ہے۔ بے شک یہ معاملہ پہلے ایک گھریلو معاملہ تھا۔ اور حضرت اقدس اسے اخباروں میں نہیں لانا چاہتے تھے۔ مگر لڑکی کے ماموؤں نے اس بارہ میں آپ کے پرائیویٹ خط کو عیسائیوں کے اخبار " نور افشاں میں شائع کر کے اس کو ایسی اہمیت دے دی۔ کہ بالآخر یہ پیشگوئی اسلام و عیسائیت میں ایک مذہبی مقابلہ کا رنگ اختیار کر گئی۔ حضرت اقدس نے اس پیشگوئی کو شائع کرنے میں ابتدا نہیں کی آپ نے تو اس کے بارہ میں صرف لڑکی کے والد مرزا احمد بیگ کو ایک پرائیویٹ چٹھی ہی لکھی تھی۔ پس یہ ملک صاحب کی مغالطہ دہی کی ایک بڑی مثال ہے۔ کہ وہ بدظنی کے ماتحت حضرت صاحب کے متعلق یہ لکھ رہے ہیں کہ آپ نے از خود گھریلو معاملے کو اسلام اور عیسائیت میں مقابلہ کی صورت میں پیش کیا۔ حالانکہ صورت حال

اس کے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ اس پیشگوئی کو یہ رنگ لڑکی کے ماموؤں نے دیا ہے

اس جگہ ہم مختصر طور پر حضرت اقدسؑ کی محمدی بیگم صاحبہ سے نکاح کی پیشگوئی کو بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں ۔

خلاصہ بحث اس پیشگوئی کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا یہ قبیلہ جس سے اس پیشگوئی کا تعلق تھا۔ خدا اور رسولؐ کی باتوں سے تمسخر کرتا تھا۔ اور خدا تعالیٰ اس پیشگوئی کے ذریعہ توبہ کر لینے والوں کی اصلاح کرنا چاہتا تھا۔ اور جو باز نہ آئیں انہیں سزا دینا چاہتا تھا۔ اس خاندان کی آزمائش کے لئے خدا تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام کو الہام کیا کہ آپ مرزا احمد بیگ کی بڑی لڑکی کے ساتھ اپنے نکاح کے لئے سلسلۂ جنبانی کریں۔ اگر احمد بیگ نے یہ نکاح کر دیا۔ تو اسے اور اس کے خاندان کو برکات سے حصہ ملے گا۔ اور اگر اس نے لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کر دیا تو آیات اللہ کی تکذیب اور ان سے استہزاء کی وجہ سے ان پر خدا تعالیٰ عذاب نازل کریگا اور احمد بیگ اور اس کا داماد دونوں تین سال کے اندر ہلاک ہو جائیں گے اور محمدی بیگم صاحبہ بیوہ ہو کر آپ کی طرف لوٹائی جائیں گی ۔ اور آپ کے نکاح میں آجائیں گی ۔

مرزا احمد بیگ نے پانچسال تک لڑکی کا نکاح کسی جگہ نہ کیا اور اسوقت تک زندہ رہا۔ اور پانچسال کے بعد لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرنے کے بعد پیشگوئی کے مطابق میعاد کے اندر فوت ہو گیا۔ اسکی موت نے اس کے داماد پر ہیبت طاری کر دی کیونکہ پیشگوئی کا مورد ہونے کی وجہ سے اب اسے اپنی ہلاکت کا خوف

تھا۔ کیونکہ یہ طبعی بات ہے کہ جب پیشگوئی دو شخصوں کی موت پر
مشتمل ہو۔ اور ایک پر موت آجائے تو دوسرے کا سخت مرعوب ہو جانا از بس
ضروری ہے۔ کیونکہ پیشگوئی میں اس کے لئے بھی ہلاکت کی خبر تھی۔ لہٰذا اس
پر اور خاندان کے دیگر افراد پر ہیبت طاری ہو گئی۔ اور وہ سب توبہ و استغفار
کی طرف مائل ہو گئے۔ اور حضرت اقدس کی طرف بعض نے دعا کے لئے خط
لکھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موت کو محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند سے ٹال دیا
کیونکہ انہی الہامات کے ساتھ ایک اور الہام بھی موجود تھا جو بتاتا تھا کہ اگر
توبہ کی شرط سے فائدہ اٹھائیں گے۔ تو پھر محمدی بیگم صاحبہ بیوہ نہیں ہونگی
چونکہ سلطان محمد صاحب توبہ کی وجہ سے ہلاکت موعودہ سے پیشگوئی کی
شرط سے فائدہ اٹھا کر بچ گئے۔ اس لئے محمدی بیگم صاحبہ کا حضرت اقدس
سے نکاح ضروری الوقوع نہ رہا۔ بلکہ صرف ممکن الوقوع ہو گیا۔ یعنی اس توبہ
کے بعد اگر وہ حضرت اقدس کی زندگی میں کسی وقت توبہ کو توڑ کر پیشگوئی کی
تکذیب کریں تو اس نئے جرم کی وجہ سے ان کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے
نئی مقررہ میعاد کے اندر حضرت اقدس کی زندگی میں مرنا ضروری ہوگا اور
اس کے بعد حضرت اقدس کا محمدی بیگم صاحبہ سے نکاح بھی تقدیر مبرم
ہوگا۔ یہی حضرت اقدس کا اس پیشگوئی کے مطابق آخری اجتہاد تھا۔ جو آپ
نے تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۲ پر تحریر فرمایا۔ درمیانی زمانہ کا کوئی اجتہاد
جس میں مرزا سلطان محمد کی موت کو تقدیر مبرم اور اس کے بعد نکاح کو تقدیر
مبرم قرار دیا گیا۔ اس آخری اجتہاد کی وجہ سے جس کی بنیاد ایک جدید الہام

تکذیبک ھٰذہ المرأۃ یہ ہے - اور جس کی تائید پیشگوئی کے مطابق الہام
اَیّتھا المرأۃ توبی توبی فانّ البلاء علٰی عقبک اور الہام
یموت ویبقٰی منہ کلابٌ متعددۃ اور الہام اٰخرالمصائب موتک
سے ہوتی ہے - جس میں مرزا احمد بیگ مخاطب ہے حجت نہیں رہا - کیونکہ
حدیث نبوی میں وارد ہے - یوخذ من النبی الاٰخر فالاٰخر - کہ
نبی سے آخری بات قابل حجت ہوگی -

مرزا سلطان محمد صاحب کی طرف سے توبہ وقوع میں آجانے پر اب
معترضین کا یہ اعتراض کہ کیوں مرزا سلطان محمد صاحب حضرت اقدس
کی زندگی میں فوت نہیں ہوئے - درست نہیں - کیونکہ ان کی توبہ پائیدار تھی
جس کی وجہ سے قوم یونس کی طرح ان سے وعیدی موت ہمیشہ کے لئے ٹل
گئی - اس لئے اس شرط توبہ سے پورا فائدہ اٹھانے کی وجہ سے حضرت
اقدس سے نکاح ضروری نہ رہا - اور یہ امر حضرت اقدس کے الہامات
کے عین مطابق ہے -

پیشگوئی کے معترضین کو حضرت اقدس نے اپنی کتاب انجام آتھم میں

چیلنج

کیا تھا - کہ احمد بیگ کے داماد سے تکذیب کا اشتہار دلائیں - پھر جو میعاد
اللہ تعالےٰ اس کی موت کے لئے مقرر کرے - اگر اس سے اس کی موت تجاوز
کر جائے تو میں جھوٹا ہوں - آریوں اور عیسائیوں نے لاکھ لاکھ روپیہ کا لالچ
دیا - کہ مرزا سلطان محمد صاحب حضرت اقدس کے خلاف نالش دائر کریں

اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری مرزا سلطان محمد صاحب کے پاس پہنچے کہ وہ انہیں تحریر لکھ دیں۔ کہ انہوں نے کبھی پیشگوئی کی تصدیق نہیں کی۔ مگر مرزا سلطان محمد صاحب اس بات کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔

(تصدیق کے لئے دیکھیں ہماری کتاب "پیشگوئی دربارہ مرزا احمد بیگ اور اسکے متعلقاں کی وضاحت")

مرزا سلطان محمد صاحب کی یہ تصدیق متقاضی تھی۔ کہ الہامات کی شرط توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے وہ وعیدی موت سے بچ جاتے۔ ان کے علاوہ اس خاندان کے اکثر افراد نے جن کا اس پیشگوئی سے براہ راست تعلق تھا سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو کر اس امر کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ کہ مرزا سلطان محمد صاحب پیشگوئی کی تصدیق کی وجہ سے ہی وعیدی موت سے بچے ہیں۔

ضروری نوٹ

الہام زَوَّجْنٰکَھَا کا تعلق محمدی بیگم صاحبہ سے قرار دینے کی صورت میں ہم اس کی دو توجیہیں پہلے درج کر چکے ہیں۔ مگر واقعات اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض تحریرات کی روشنی میں اس الہام کا تعلق محترم سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کی تحقیق کے مطابق دراصل حضرت ام المومنین سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ سے ہے۔ جیسا کہ اُن کی جلسہ سالانہ کی مطبوعہ تقریر سے ظاہر ہے جو انہوں نے ۲۸ دسمبر ۱۹۳۶ء کو قادیان میں

"محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئی پر ایک نظر"

کے عنوان سے کی۔ محترم شاہ صاحب کی توجیہہ کے مطابق اس الہام کا تعلق مصلح موعود سے ہے۔ پورا الہام یوں ہے:-

يَسْئَلُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ - قُلْ اِيْ وَرَبِّيْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ
وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ - زَوَّجْنٰكَهَا لَا مُبَدِّلَ
لِكَلِمَاتِيْ - وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا
سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ - (تذکرہ صفحہ ۱۹۹ و اشتہار ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء)

یعنی لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں۔ کیا یہ بات (یعنی مصلح موعود کا ظہور) سچ ہے کہ "مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ یہ ضرور سچ ہے اور تم اس کے ظہور کو وقوع میں آنے سے روک نہیں سکتے۔ ہم نے اس عورت کا نکاح (جس کے بطن مبارک سے وہ پیدا ہوگا) تم سے کر دیا ہوا ہے میرے کلمات کو کوئی نہیں بدل سکتا اگر یہ لوگ کوئی نشان دیکھیں تو اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو پکا فریب ہے۔

اشتہار ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء میں حضرت اقدسؑ نے میر عباس علی صاحب لدھیانوی کو اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء کی پیشگوئی کا بھی انتظار دلایا ہے اور اس کے ساتھ اس الہام کا بھی ذکر کیا ہے اور اس اشتہار کے تتمہ میں صاف پسر موعود سے متعلق پیشگوئی کا ذکر بھی موجود ہے پھر آپ نے اپنی کتاب اربعین نمبر ۲ حاشیہ صفحہ ۳۶ میں یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَهٗ کی پیشگوئی کا تعلق (جیسے آئینہ کمالات اسلام کے حاشیہ صفحہ ۵۷۸ / ۵۷۹ میں پسر موعود کے متعلق بیان کر چکے ہیں) اپنی دوسری زوجہ مبارکہ سے قرار دیا ہے جو خاندان سادات سے تعلق رکھتی ہیں اس لحاظ سے اس الہام کا تعلق محمدی بیگم صاحبہ سے نہیں رہتا بلکہ حضرت اُمّ المؤمنین سیّدہ نصرت جہاں بیگم رضی اللہ عنہا سے ہو جاتا ہے کیونکہ پسر موعود یا بالفاظ دیگر مصلح موعود آپ کے بطن مبارک سے ہی پیدا ہوا[1]۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم کے صفحہ ۹ میں انہی معنوں کو پیشگوئی کے صحیح معنی قرار دیتے ہیں۔ جو واقعہ کے ظہور سے آپ کھل جائیں۔ کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے :-

[1] یہ پسر موعود حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ہیں جو امام جماعت احمدیہ اور حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کے مطابق آپ کے خلیفہ ثانی ہیں اور سبز اشتہار کے مطابق اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء کے موعود بھی۔

نبوّت

نبوّت کے عنوان کے ماتحت ملک صاحب لکھتے ہیں :-

"احمدیہ تحریک کے ایک طالب علم کے لئے ایک بات حیران کن ہوگی - کہ اگر ختم نبوت پر ایمان لانا ہمیشہ سے اسلام کا ایک بنیادی مسئلہ رہا ہے - تو یہ کیونکر ہو گیا - کہ پڑھے لکھے اور دیندار مسلمانوں کا پڑھا لکھا طبقہ مرزا صاحب کو نبی مان کر ان کی جماعت میں شامل ہو گیا ؟ — ملک صاحب اپنی طرف سے اس سوال کا جواب دینے سے پہلے علماء کا جواب لکھ کر اسے رد کرتے ہیں - لکھتے ہیں - کہ

" ہمارے علماء اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہیں ان کی آخری تحقیق یہ ہے - کہ مرزا صاحب کی کامیابی کا باعث یہ تھا - کہ ان کو انگریزی حکومت کی سرپرستی حاصل تھی "

" اس سوال کا درست جواب عرض کرنے کے لئے ہمیں مختلف اسباب و عوامل کو اپنے مقام پر رکھنا چاہیئے - اور غلو اور عدم اعتدال کی راہ اختیار نہ کرنا چاہیئے - اگر ہم یہ طریق اختیار کریں - تو معلوم ہوگا کہ جماعت احمدیہ کی شروع زمانے کی ترقی میں انگریزی حکومت کی سرپرستی کا بہت کم دخل ہے - مرزا صاحب اپنی زندگی میں اپنے معتقدین کو ایک منظم اور رو بہ ترقی

جماعت کی صورت میں قائم کر چکے تھے - مرزا صاحب ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے - اس وقت ہندوستان میں تحریک آزادی نے صحیح معنوں میں جنم ہی نہ لیا تھا - اور انگریزوں کو اپنی رعایا میں وفا پیشہ افراد اور جماعتوں کی خاص طور سے حاجت پیدا نہ ہوئی تھی - مرزا صاحب کے زمانے میں ان کے مشہور مقتدر مخالفین مثلاً مولوی محمد حسین بٹالوی - پیر مہر علی شاہ صاحب مولوی ثناء اللہ صاحب - سر سید احمد خان وغیرہ سب انگریزوں کے ایسے ہی وفادار تھے جیسے مرزا صاحب - یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں جو لٹریچر مرزا صاحب کے رد میں لکھا گیا اس میں اس امر کا کوئی ذکر نہیں ملتا - کہ مرزا صاحب نے اپنی تعلیمات میں غلامی پر رضامند رہنے کی تلقین کی ہے - صحیح یہ ہے - کہ مرزا صاحب کی تعلیم کے اس پہلو کو ان کی ابتدائی کامیابی کے اسباب سے خالی سمجھا جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے یہ سبب دیگر عوامل کی نسبت بہت کم درجہ کی حیثیت رکھتا ہے - اگر مرزا صاحب کی کامیابی کے اسباب کو اپنی اہمیت کے لحاظ سے ترتیب دیا جائے - تو اس سلسلہ میں پہلے چند اعزازی مقامات بڑی آسانی کے ساتھ مولویوں کے حصہ میں آتے ہیں "

(احمدیہ تحریک ص ۲۴۲-۲۴۳)

علماء کے اس خیال کی غلطی کو کہ حضرت اقدسؑ کی کامیابی کا باعث یہ تھا۔ کہ ان کو انگریزی حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ ملک صاحب نے صحیح طور پر رد کیا ہے۔ جس کے لئے ہم اُن کے شکرگذار ہیں۔ مگر ملک صاحب کا یہ خیال درست نہیں۔ کہ موجودہ علماء کے عقائد نے احمدیت کی کامیابی کے لئے بطور عوامل کے کام کیا ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ کئی سابق آئمہ کے عقائد احمدیہ عقائد کے مؤید تھے۔ اور زمانہ حال کے بعض علماء نے اصولی طور پر اس بات کو تسلیم کر رکھا تھا کہ آیت خاتم النبیین کی رُو سے صرف تشریعی نبی کا آنا ممتنع ہے۔ حضرت اقدسؑ کے خلاف اُن کے زمانہ کے عام علماء نے تو وہی حربہ استعمال کیا ہے۔ جو آج جماعت احمدیہ کے عقائد کے خلاف خود ملک محمد جعفر خاں صاحب ایک بڑی حد تک استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان علماء نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ختم نبوت کا منکر ہونے کا الزام دیا۔ اور تعجب ہے کہ یہ الزام اس وقت لگایا گیا۔ جب کہ ابھی حضرت اقدسؑ نے اپنے اوپر نبی کا اطلاق صرف مُحدَّث کے معنوں میں کیا تھا۔

علماء کی غلطی کی تردید کے بعد ملک صاحب خود اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں :۔

" ایک حدیث کے مطابق حضرت رسول کریمؐ کی پیشگوئی ہے کہ آخری زمانہ میں اسلام کا کچھ نہ رہے گا سوائے اس کے نام کے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ روایت کہاں تک درست ہے

لیکن اگر ختم نبوت اسلام کا بنیادی نظریہ ہے تو مرزا صاحب کے وقت تک مسلمانوں میں عام طور پر اس عقیدہ کا صرف نام باقی رہ گیا تھا۔ اس کی روح اور حقیقت قائم نہ تھی۔ اور اس صورتِ حال کی ذمہ داری علماء کے سر ہے۔ جنہوں نے صدیوں سے جمہور کی مذہبی اجارہ داری سنبھال رکھی تھی۔"

(احمدیہ تحریک صفحہ ۲۱۲)

یہ درست ہے کہ ختم نبوت کا صحیح مفہوم حضرت اقدسؑ کے زمانہ کے اکثر علماء آپ کے خلاف بگاڑ کر پیش کرتے تھے۔ مگر افسوس ہے ختم نبوت کا صحیح مفہوم جو قرآن مجید کی نصوص قطعیہ، احادیث صحیحہ اور اولیاء اللہ کے تجارب سے ثابت ہے۔ ملک صاحب بھی صحیح طور پر نہیں سمجھے۔ ان کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد مکالمہ الٰہیہ کا دروازہ قطعی طور پر بند ہے مگر اس مفہوم کو قرآن۔ حدیث اور اولیاء اللہ کے تجارب رد کرتے ہیں۔ یہ مفہوم انہوں نے اپنی کتاب کے باب ختم نبوت میں درج کیا ہے۔ لیکن زیر بحث باب میں ملک صاحب لکھتے ہیں:-

"ختم نبوت کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے سب سے پہلے خود نبوت کے ایک واضح معنی متعین کرنے ہوں گے۔ کیونکہ اس کے بغیر ممکن ہے کہ دو آدمی لفظاً ختم نبوت کے معتقد ہونے کے باوجود فی الواقع بالکل متضاد نظریات پر کاربند ہوں۔ چنانچہ اس

معاملہ میں تھوڑے سے تامل سے معلوم ہوگا۔ کہ عملاً کچھ اسی قسم کی صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ جماعت احمدیہ کا موجودہ موقف یہ ہے کہ اس پر منکر ختم نبوت ہونے کا الزام بے بنیاد ہے اور یہ کہ فی الواقع وہ بھی حضرت محمدؐ رسول اللہ کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ اور اس بارہ میں ان کے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان کوئی اصولی اختلاف نہیں۔ صرف اس آیت کے مفہوم اور تفسیر میں اختلاف ہے۔ اور یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں۔"

ملک صاحب کی مراد اس عبارت سے یہ ہے کہ احمدیوں اور دوسرے مسلمانوں میں ختم نبوت کے نظریہ کے متعلق کوئی اصولی اختلاف موجود نہیں۔ ملک صاحب کا یہ بیان درست ہے۔ آگے ملک صاحب لکھتے ہیں:۔

"جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے اس اختلاف کی حقیقت سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اول نبوت کی نسبت ایک درست نظریہ قائم کیا جائے۔ نبی عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی خبر دینے کے ہیں۔ دیگر سامی الاصل زبانوں میں بھی اس سے ملتے جلتے الفاظ موجود ہیں۔ نبی کے لغوی معنوں پر انحصار کرتے ہوئے مرزا صاحب اور ان کے مخالفین کے درمیان ایک طویل بحث جاری رہی ہے۔ اس میں یہ سوال اٹھائے گئے ہیں۔ کہ آیا آیت خاتم النبیین میں نبوت کے لغوی معنی مراد ہیں یا اس سے نبی کا اصطلاحی مفہوم لیا گیا ہے۔ اور یہ کہ وہ اصطلاحی

مفہوم کیا ہے۔ مرزا صاحب نے جو متعدد توجیہات اپنی نبوت کی نسبت کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے جہاں اپنے متعلق یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ وہاں ان کی مراد اس کے لغوی معنی ہی ہے۔ اور نبوت کا اصطلاحی مفہوم مراد نہیں ہے"

(احمدیہ تحریک ص ۲۴۴/۲۴۵)

ہمیں ملک صاحب کی اس تحقیق سے پورا اتفاق ہے۔ واقعی حضرت اقدس علماء کی معروف اصطلاحی تعریف نبوت کے مطابق ہرگز مدعی نبوت نہیں اس کے بعد وہ لکھتے ہیں :۔

" ہمارے نزدیک لغت اور اصطلاح کی بحث بے بنیاد مفروضات پر مبنی ہے۔ کسی لفظ کے لغوی معنی اور اصطلاحی معنی ایک دوسرے سے مکمل طور پر جدا نہیں ہو سکتے یہ درست ہے۔ کہ ایک لفظ کئی معانی کا حامل ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض معانی عمومی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور بعض خاص فن یا شعبہ سے متعلق ہوتے ہیں۔ لیکن لغت ان دونوں قسموں کے معانی پر مشتمل ہوتی ہے۔ لغوی معنی سے مراد کسی لفظ کا ماخذ یا ORIGIN بھی ہو سکتا ہے"

آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

" ہمارے سامنے سوال یہ نہیں کہ عربی زبان میں لفظ نبی کا

ماخذ کیا ہے۔ اور تاریخی لحاظ سے یہ لفظ اپنے معانی اور محلِ استعمال کے لئے کن کن تبدیلیوں سے گزرا ہے۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ قرآن میں یہ لفظ کن معنوں میں استعمال ہوا ہے"

اصولی طور پر ہمیں ملک صاحب کے اس بیان سے بھی اتفاق ہے۔ واقعی نبوت کے لغوی معنی خبر دینے کے ہیں۔ اور اصطلاحی نبی کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اخبار غیبیہ سے مطلع کیا جائے۔ البتہ ہمارے نزدیک از روئے لغت نبی کے لئے امورِ غیبیہ کا بکثرت پانا ضروری ہے۔ کیونکہ عقلاً و عرفاً کسی کو کوئی وصفی نام نہیں دیا جا سکتا۔ جب تک وہ وصف کا معتدبہ حصہ اپنے وجود میں نہ رکھتا ہو۔ مثلاً لغت میں غنی مالدار کو کہتے ہیں ایک روپیہ بھی مال ہے اور دس روپیہ بھی مال۔ لیکن عقلاً و عرفاً غنی یا مالدار اسی کو کہا جائے گا جو مال کا ایک معتدبہ حصہ اپنے پاس رکھتا ہو۔ بے شک نبی کے اصطلاحی معنوں میں لغوی معنوں کا پایا جانا ازبس ضروری ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے رسول کے لئے اظہار علی الغیب کو ضروری قرار دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔

کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی شخص کو (دوسرے انسانوں کے بالمقابل) غالب نہیں کرتا۔ بجز اس شخص کے جو اس کا برگزیدہ رسول ہو۔

پس قرآن مجید رسول کے لئے کثرت سے امورِ غیبیہ پر اطلاع دیا جانا

ضروری قرار دیتا ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں۔ کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے نبوت کے انہی قرآنی معنوں میں اپنے تئیں نبی قرار دیا ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ اخبار غیبیہ پر اطلاع دیئے جانے والوں میں سے کون نبی ہے اور کون غیر نبی۔ اس کا فیصلہ الہام الٰہی ہی کر سکتا ہے۔ اخبار غیبیہ پر اطلاع تو غیر نبی کو بھی ملتی ہے۔ اس لئے قرآن مجید کی کامل تعلیم نازل ہو جانے کے بعد محض اخبار غیبیہ پر اطلاع دیئے جانے والے کو ہم اس وقت تک قرآنی اصطلاح میں نبی نہیں کہہ سکتے۔ جب تک الہام الٰہی میں اسے نبی کا نام نہ دیا جائے۔

ملک صاحب کے نزدیک نبی کے عمومی معنی اور ہماری گزارش

ملک صاحب اس سوال کے جواب میں کہ یہ لفظ قرآن میں کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ نبوت کے ایک عمومی معنی بیان کرتے ہیں مگر ان کے بارہ میں کوئی قرآنی نص پیش نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے ثبوت میں صرف عربوں کے طریق کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"محمد رسول اللہ کے دعوٰی پر بعض لوگ ایمان لے آئے اور بعض نے انکار کر دیا۔ لیکن نہ ایمان لانے والوں نے یہ سوال اٹھایا۔ کہ منصبِ نبوت کی تشریح کی جائے۔ اور نہ انکار کرنے والوں نے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریقوں کے ذہن میں لفظِ نبوت کے متعلق کوئی اشتباہ نہ تھا"

ہمارے نزدیک ملک صاحب کی یہ بات ثبوت طلب ہے کہ اہل عرب نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے پر ہی آپ کو نبی مان لیا گیا۔ کیونکہ نبی یہ سمجھا جاتے۔ کہ ماننے والوں نے آپ کا یہ منصب مانا تھا کہ آپ پر فرشتہ نازل ہوتا ہے۔ اور نہ ماننے والوں نے فرشتہ کے نزول کو افترا یا جنون قرار دیا۔ بالفرض اگر کسی عرب نے آپ کو نبی بھی کہا ہو تو محض لغوی معنوں میں کہا ہو گا۔ کیونکہ نبی عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس لئے عقلاً یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ نبی اور نبوت کا کچھ نہ کچھ مفہوم اہلِ عرب ضرور جانتے تھے۔ اور یہ مفہوم لغوی ہی ہو سکتا ہے۔ نبی اور نبوت کے اصطلاحی مفہوم سے جو قرآن کریم میں مدِ نظر ہے مشرک عرب کہاں واقف تھے؟ اور جب اس کے اصطلاحی معنی سے ناواقف تھے۔ تو نبی کی اقسام سے ان کے واقف ہونے کی قطعاً امید نہیں کی جاسکتی۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ نبوت کا لغوی مفہوم اس کے قرآنی مفہوم میں ضرور ملحوظ ہے۔ نبی اللہ کے لغوی معنی اس کے ماخذ کے لحاظ سے خدا تعالیٰ کی طرف سے امورِ غیبیہ کی خبر پاکر دنیا کو پہنچانا ہیں۔ پس وہ شخص جو اس منصب پر قائم ہونے کا مدعی ہو۔ یعنی یہ دعویٰ کرتا ہو کہ خدا نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ اور مجھے مامور کیا ہے۔ وہ قرآنی معنوں میں خدا تعالےٰ کی طرف سے نبی ہونے کا مدعی ہو گا۔ گو عرفی اصطلاح الگ ہے۔ اس میں نبی کیلئے غیر متبع ہونا شرط سمجھا جاتا ہے۔ اور عرفی اصطلاح میں حضرت اقدسؑ نبوت کے مدعی نہیں تھے۔ ملک صاحب کا یہ بیان ایک حد تک قابلِ اصلاح ہے کہ

"قرآن کے نزول کے زمانہ میں عربوں کے ہاں اس شخص کو نبی

سمجھا جاتا تھا۔ جو اپنی وحی کے ذریعہ دنیا کی ہدایت کا دعویدار ہو۔
شائد دعوے دار کا لفظ استعمال کرنا بھی غیر موزوں ہے لیکن متذکرہ
ابتدائی آیات میں کسی دعویٰ کا ذکر نہیں۔ اس لئے یہ کہنا زیادہ
قرین صحت ہوگا۔ کہ اس زمانہ میں ہر اس شخص کو مدعی نبوت سمجھا جاتا
تھا۔ جو اپنی وحی کو لوگوں کے سامنے بطور ذریعہ ہدایت پیش کرے
خواہ وہ اپنا کوئی بھی نام رکھے یا کوئی بھی نام نہ رکھے۔ ہمارے نزدیک
قرآن میں لفظ نبی انہی معروف اور عمومی معنوں میں استعمال ہوا ہے
خواہ یہ نبیوں کو مبعوث کرنے کے ضمن میں ہو خواہ نبوت کو ختم
کرنے کے ضمن میں ہو"

(احمدیہ تحریک صفحہ ۲۴۸)

چونکہ از روئے لغت نبی کے لئے امور غیبیہ پر اطلاع ضروری ہے۔ اور
امورِ غیبیہ خدا تعالیٰ پر زندہ ایمان پیدا کرنے کے لحاظ سے ذریعہ ہدایت
ہوتے ہیں۔ اس لئے

"وہ وحی کو لوگوں کے سامنے بطور ذریعہ ہدایت کے پیش کرے"
کے بجائے اس جگہ الفاظ یہ ہونے چاہئیں:۔
"جو اپنی وحی مشتمل بر امورِ غیبیہ کو ذریعۂ ہدایت کے طور پر
پیش کرے۔ اور خدا تعالیٰ اسے نبی کے نام سے پکارے۔ گو اس
پر اپنی نبوت کا انکشاف ایک عرصہ کے بعد ہو وہ اپنے الہامات کو
ذریعہ ہدایت کے طور پر پیش کرنے کے زمانے سے قرآنی معنوں

میں نبی قرار دیا جائے گا۔"

علماء میں نبی اور رسول کی اصطلاح میں اختلاف۔

علماء و فقہائے امت میں نبی اور رسول کی اصطلاح بہت مختلف فیہ رہی ہے۔ قرآن مجید تو نبی اور رسول میں تساوی کی نسبت قرار دیتا ہے۔ یعنی ہر رسول کو نبی اور ہر نبی کو رسول قرار دیتا ہے لیکن بعض فقہاء کی اصطلاح میں رسول صاحب شریعت ہوتا ہے اور نبی بغیر شریعت کے بھی ہوتا ہے۔ البتہ بعض فقہاء امت ان میں قرآن مجید کے بیان کے مطابق تساوی کی نسبت ہی مانتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ شرح مقاصد میں تو لکھا ہے :۔

"قال بعضہم یشترط فی الرسول شرع جدید" (صـ۱۲۸)

یعنی بعض فقہاء کے نزدیک رسول کے لئے شرع جدید شرط ہے۔ اور رسول کے معنی میں یہ بھی لکھا ہے :۔

"ھو من لہ کتاب او نسخ ببعض احکام الشریعۃ السابقۃ"

یعنی رسول وہ ہے جس کے پاس کوئی کتاب ہو یا شریعت سابقہ کے بعض احکام منسوخ کرے۔ (شرح مقاصد جلد اوّل صـ۱۲۸)

اس کے برخلاف صاحب روح المعانی لکھتے ہیں :۔

"ان الرسول لا یجب ان یکون صاحب شریعۃ جدیدۃ فان اولاد ابراھیم کانوا علی شریعتہ" (روح المعانی جلد ۵ صـ۹۸۶)

یعنی بے شک رسول کے لئے صاحب شریعت جدیدہ ہونا ضروری نہیں کیونکہ اولاد ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ہی شریعت

پڑھتی - غرض لغوی نبوت یا نبوت مطلقہ کے لئے امورِ غیبیہ کثیرہ پر اطلاع پانا ضروری ہے - اور قرآنی اصطلاح میں ایسا شخص نبی ہی ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ خدا تعالےٰ اسے رسول کے نام سے پکارے - شریعت کے اوامرو نواہی کا لانا نبوت مطلقہ پر ایک زائد امر ہے - اگر نئی شریعت کی ضرورت ہو تو اس زمانہ میں جو نبی مبعوث ہوتا ہے اسے شریعت جدیدہ بھی ملتی ہے جیسا کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لئے شریعت جدیدہ دی گئی - لیکن اگر شریعت جدیدہ کی ضرورت نہ ہو - اور پہلی شریعت صحیح صورت میں موجود ہو جیسے تورات کا حال تھا - تو پھر بنی اسرائیل میں جو نبی مبعوث ہوتا تھا اس کیلئے کسی نئی شریعت کے لانے کی ضرورت نہیں تھی - بلکہ وہ پہلی شریعت کے ذریعہ ہی قوم کے لئے بطور حکم کے مبعوث ہوتا تھا - ایسے انبیاء غیر تشریعی کہلاتے ہیں - ورقہ بن نوفل کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی سمجھنے کا واقعہ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی کوئی دعوےٰ نہ کیا تھا - محض ورقہ کے ایک قیاس پر مبنی ہے - ورقہ بن نوفل عیسائی تھا - اور ملک عرب میں ایک شارع نبی کی آمد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب استثناء میں مذکور پیشگوئی سے واقف تھا - کہ

"خداوند خدا تم ہی میں سے تمہارے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا ۔"

ورقہ بن نوفل کو جب یہ علم ہوا - کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا میں فرشتہ کا نزول مشاہدہ کیا ہے - تو اس کو یقین ہو گیا - کہ انتظار کی گھڑیاں ختم

ہو رہی ہیں۔ اور وہ موعود نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اس لئے اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے (کیونکہ آپ گھبرائے ہوئے گھر آئے تھے۔ اور کہہ رہے تھے مجھے کپڑا اڑھا دو۔ مجھے کپڑا اوڑھا دو) یہ کہا یہ وہ ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ (گویا آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کا قیاساً مصداق سمجھا) ورقہ بن نوفل کا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ کی طرح کا نبی سمجھ لینا ایک ایسا قیاسی امر ضرور ہے۔ جو اس کی روشن بصیرت پر دال ہے کیونکہ اس کا یہ قیاس درست نکلا۔ بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے خود مثیل موسے قرار دے دیا۔ اور آپ کو قرآن مجید کی شکل میں شریعت جدیدہ بھی عطا فرمائی۔ لیکن ہر جگہ قیاس کے ذریعہ کسی کو نبی قرار دینے پر ضروری نہیں۔ کہ وہ قیاس درست بھی ہو۔ بہر حال نبی کے معنی قرآنی اصطلاح میں یہی ہیں۔ کہ نبی ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کو امور غیبیہ پر بکثرت اطلاع دی جائے۔ اسی لئے نبی کہلانے کے لئے خدا کی طرف سے ایسے شخص کے لئے رسول کے لفظ سے مامور ہونا ضروری ہے۔

خاتم النبیین کے حقیقی معنی

خاتم النبیین کے حقیقی معنی از روئے لغت و محاورہ زبان عربی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے تمام کمالات کے جامع ہیں۔ اور کمالات نبوت آپ کی ذات بابرکات میں انتہائی کمال پر پہنچے ہیں۔ اور آپ کی ختم نبوت (مہر) یعنی افاضۂ روحانیہ کی تاثیر سے آپ کے امتی کے لئے نبوت غیر تشریعی کا

انعام پانا ممتنع نہیں۔ قرآن مجید چونکہ اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اس لئے وہ ہمیں خاتم النبیین کے انہی معنوں کا تعین دلاتا ہے۔ ہاں ان معنی کی رو سے خاتم النبیین کے لئے آخری تشریعی نبی ہونا لازم ہے۔ کیونکہ خاتم النبیین پر شریعت اپنے کمال تام کو پہنچ گئی ہے۔ خاتم النبیین کے معنی مطلق آخری نبی لغت عربی کے اعتبار سے حقیقی معنے نہیں۔ قرآن کریم ان معنی میں یعنی نبوت مطلقہ کے لحاظ سے آپ کو ہرگز آخری نبی نہیں قرار دیتا۔ کیونکہ وہ ہمیں صاف طور پر بتاتا ہے

مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النساء)

جو لوگ اللہ اور محمد رسول اللہ کی اطاعت کریں گے خدا تعالیٰ سے انعام پانے میں) وہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے نبیوں۔ صدیقوں۔ شہیدوں اور صالحین میں سے انعام کیا اور یہ اطاعت کرنے والے ان انعام یافتہ نبیوں۔ صدیقوں شہیدوں اور صالحین کے اچھے ساتھی ہیں۔

امام راغب جو لغت قرآن کے مستند امام ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

والظاهر ان قوله من النبيين تفسير للذين انعم الله عليهم فكانه قيل من يطع

اللہ والرسول الحقہ اللہ بالذین قد مھم ممّن انعم اللہ علیھم قال الراغب انعم اللہ علیھم من الفرق الاربع فی المنزلۃ والثواب النبیَّ بالنبیِ الصدّیقَ بالصدّیقِ ۔ والشھیدَ بالشھیدِ ۔ والصالحَ بالصالحِ واجاز الراغب ان یتعلق من النبیین بقولہ ومن یطع اللہ والرسول ای من النبیین ومن بعدھم " (تفسیر بحر المحیط جلد ۳ ص ۲۸۷ مطبوعہ مصر)

ترجمہ - یہ ظاہر ہے کہ من النبیین کے الفاظ خدا تعالیٰ کے قول انعم اللہ علیھم کی تفسیر ہیں - گویا یہ کہا گیا ہے کہ جو شخص تم میں سے اللہ اور الرسول (یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرے گا - اسے اللہ تعالیٰ ان پہلے لوگوں سے ملا دے گا - (یہاں تک ترجمہ مفسّر بحر المحیط کا ہے) اس کے بعد وہ لکھتے ہیں :-

راغب نے کہا ہے انعام یافتہ لوگوں کے چار گروہ سے مرتبہ اور ثواب میں ملا دے گا نبی کو نبی سے - صدیق کو صدیق سے شہید کو شہید سے - اور صالح کو صالح سے ملا دیگا اور راغب نے یہ معنی بھی جائز رکھے ہیں کہ من النبیین کا تعلق خدا تعالیٰ کے قول من یطع اللہ والرسول سے ہو - جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرکے مقام نبوت

پانے والے نبی اور صدیق اور شہید اور صالح انعام یافتہ گروہ میں شامل ہیں۔

امام راغب کی اس تفسیر کو یہ کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ تو ان کے بعد آپ کی امت میں نبی کیسے آسکتا ہے۔ کیونکہ امام راغب خاتم النبیین کے یہ معنی تسلیم ہی نہیں کرتے کہ آپ مطلق آخری نبی ہیں۔ اور آپ کا امتی مقام نبوت نہیں پا سکتا۔

پھر اللہ تعالےٰ جب سورۃ اعراف میں فرماتا ہے:۔

"یَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ ۙ فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ"

یعنی اے اولاد آدم اگر آئندہ تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں۔ جو تم پر میری آیات بیان کریں۔ تو جو تقویٰ اختیار کریں گے اصلاح کر لیں گے۔ ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

اس آیت کو پہلی آیت کی روشنی میں پڑھیں۔ تو یہ اس بات پر نص صریح ہے کہ نبوت مطلقہ کا دروازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند نہیں ہوا۔ بلکہ آپ کے امتیوں کے لئے آپ کی پیروی کی شرط کے ساتھ یہ دروازہ کھلا ہے۔ پس ان آیات کی وجہ سے جماعت احمدیہ کے لئے ضروری ہے کہ خاتم النبیین کے جو معنی ملک صاحب لے رہے ہیں۔ ان کو تسلیم نہ کرے۔ ان آیات کے بارہ میں ملک صاحب نے اپنی

کتاب میں کچھ نہیں لکھا۔ لہٰذا خاتم النبیین کے معنی کے متعلق ان کی تحقیق ہمارے نزدیک اس تصور کے سراسر خلاف ہے۔ جو خود قرآن مجید اس کے معنی کے متعلق ہمیں دلاتا ہے۔ اگر وہ ایک محقق کی صورت میں احمدیوں کو ان کی غلطی سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ تو ان کا فرض تھا کہ وہ ان آیات کے متعلق بھی اپنا نقطۂ خیال بیان کرتے۔ صرف ایک امر کو نبوت کے قرآنی معنی قرار دے کر یہ کہہ دینا کہ انہی معنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم یعنی منقطع ہے کوئی تحقیق نہیں بلکہ محض ایک مغالطہ ہے۔ ہمیں ان سے ختم کے ان معنوں اور تفسیر میں اختلاف ہے۔ ہماری تحقیق میں لفظ ختم اپنے حقیقی معنوں میں مہر کے نقش کی طرح صرف تاثیر شئی کے معنی رکھتا ہے۔

(ملاحظہ ہو لغت قرآن کی مستند کتاب مفردات راغب زیر لفظ ختم)

اس لحاظ سے خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آئندہ امت کے لئے نبوت کے مقام کے حصول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مؤثر ہے آپ کی پیروی کے بغیر اور آپ کے دامن سے الگ ہو کر کسی شخص کو یہ مقام نہیں مل سکتا مقام نبوت پانے کے لئے آپ کی پیروی کا واسطہ شرط ہے۔ خاتم النبیین کے یہ معنی اوپر بیان کردہ دونوں آیتوں کے مطابق ہیں اس لئے یہی معنی درست ہیں۔ مطلق آخری نبی اس کے مجازی معنی ہو سکتے ہیں۔ اور یہ معنی ان نصوص بیّنہ قرآنیہ کے صریح خلاف ہیں۔ احادیث میں مسیح موعود نبی اللہ کی آمد کی پیشگوئی بھی جس سے ملک صاحب

منکر ہیں (اور ان کا یہ انکار کسی مضبوط دلیل پر مبنی نہیں) ہمارے معنوں کی منکر ہیں۔ جمہور مسلمانوں میں مسیح موعود کا نبی اللہ ہونا مسلم ہے۔ جو دوست خاتم النبیین کی علمی تحقیق کا پورا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہماری کتاب "شان خاتم النبیین" کی طرف رجوع کریں۔

غیر تشریعی نبوّت

عنوان بالا کے ذیل میں ملک صاحب نے لکھا ہے :۔

مرزا صاحب کی نبوت کے سلسلہ میں دو دیگر اصطلاحات جن پر بہت بحث کی گئی ہے تشریعی اور غیر تشریعی نبوت ہیں۔ اس ضمن میں جماعت احمدیہ کی طرف سے آیت خاتم النبیین کی توضیح یہ کی جاتی ہے۔ کہ اس سے مراد تشریعی نبوت کا ختم ہونا ہے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو نئی شریعت لائے لیکن غیر تشریعی نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔ گو قرآنی آیت اور اس کے سیاق و سباق میں اس تفریق کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے لیکن مرزا صاحب کے اس نظریے کی تائید بعض آئمہ کے اقوال سے ہوتی ہے۔ دلیل یہ دی گئی ہے۔ کہ قرآن کے ذریعہ دینی احکام کی تکمیل ہوگئی۔ اور یہ احکام تمام دنیا کے لئے اور ہر زمانے

میں ہدایت کے لئے کافی ہیں۔ اور اب کسی نئی شریعت کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن شریعت کی وضاحت اور اس کے نفاذ کی حاجت باقی ہے۔ اور یہ کام غیر تشریعی انبیاء کے ذریعہ تکمیل پاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبوت کی تشریعی اور غیر تشریعی اقسام کی تمیز کوئی نئی بات نہیں ہے پہلے انبیاء میں اس کی مثال موجود ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت نبی تھے۔ ان کے ذریعہ تورات کی صورت میں ایک نئی شریعت جاری کی گئی لیکن بنی اسرائیل کے وہ انبیاء جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے غیر تشریعی تھے۔ وہ کوئی جدید شریعت نہ لائے بلکہ ان کا کام موسوی شریعت کی تجدید اور اس کا نفاذ تھا

نبوت کی تقسیم کے متعلق ملک صاحب کا غلط خیال کہ یہ تقسیم غیر قرآنی اور غیر منطقی ہے

اس ضمن میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں:-

(۱) نبوت کی تشریعی اور غیر تشریعی اصناف میں تقسیم۔ غیر قرآنی تصور ہے (غیر قرآنی سے یہاں مراد یہ ہے کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں ہے) اور چونکہ احمدیہ نظریے کے مطابق یہ تقسیم شروع سے موجود رہی ہے اس لئے قرآن میں اتنے بنیادی معاملہ کا ذکر نہ ہونا ایک حیرت انگیز بات ہے۔

(۲) یہ تقسیم غیر منطقی اور مصنوعی ہے۔ اور کسی اصول پر مبنی نہیں۔ شریعت کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک عام اخلاقی قواعد مثلاً راستبازی دیانت وغیرہ۔ معروف اعمال صالحہ کی تعلیم اور ہر قسم کی بدیوں سے بچنے کی تلقین۔ ظاہر ہے کہ اس معنی میں شریعت ہمیشہ ایک ہی رہی ہے۔ تمام انبیاء تشریعی ہیں۔ انہوں نے اسی شریعت کی تعلیم دی ہے اور کوئی بھی جدید شریعت نہیں لایا۔ لیکن شریعت کا ایک دوسرا محدود اور نسبتاً غیر اہم مفہوم بھی ہے۔ اور عام طور پر شریعت سے یہی محدود مفہوم لیا جاتا ہے۔ اس کے مطابق شریعت سے مراد ظاہری عبادات کے قواعد اور قانون کا وہ حصہ ہے جو عدالتوں کے ذریعہ نافذ کیا جا سکے مثلاً اسلام میں نماز۔ روزہ۔ حج وغیرہ کے احکام اور شخصی اور معاشرتی قانون کا وہ مجموعہ جسے فقہ کہا جاتا ہے احمدیہ لٹریچر میں یہ وضاحت نہیں کی گئی۔ کہ جب مرزا صاحب کی نبوت کو غیر تشریعی بیان کیا جاتا ہے۔ تو شریعت کا کون سا مفہوم مراد ہوتا ہے۔ خود مرزا صاحب کی تحریریں اس معاملہ میں الجھاؤ اور تضاد سے خالی نہیں ہیں"

(احمدیہ تحریک صفحہ ۲۵۷ تا ۲۵۹)

ردِّ خیال ملک صاحب نے نبوت کی تشریعی اور غیر تشریعی تقسیم

کے بارے میں جو نظریہ جماعت کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ کچھ اصلاح طلب ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جماعت احمدیہ نبوّت کی تشریعی اور غیر تشریعی تقسیم کو درست سمجھتی ہے۔ اور اس تقسیم میں کئی ائمہ مثلاً حضرت ملا علی قاری اور حضرت محی الدین ابن عربی اور امام عبدالوہاب شعرانی وغیرہ کی تائید اسے حاصل ہے۔ مگر جماعت احمدیہ بانی سلسلہ احمدیہ کو علی الاطلاق غیر تشریعی نبی قرار نہیں دیتی اور نہ علی الاطلاق غیر تشریعی نبوت کا سلسلہ جاری مانتی ہے۔ بلکہ وہ تشریعی نبوت کے ساتھ ہی غیر تشریعی مستقلہ نبوت کو بھی آیت خاتم النبیین کی رو سے منقطع سمجھتی ہے۔ اور صرف اُمتی نبوت کو جو غیر تشریعی نبوت کی ایک جدید قسم ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا ایک فیض یقین کرتی ہے۔

ملک صاحب کا یہ لکھنا کہ

"نبوت کی تشریعی اور غیر تشریعی اصناف میں تقسیم غیر قرآنی تصور ہے"

اور اس پر یوں تعجب کا اظہار کرنا کہ :-

"قرآن میں اتنے بنیادی معاملہ کا ذکر نہ ہونا ایک حیرت انگیز بات ہے"

نبوت کی تقسیم کا قرآنی ثبوت

خود ہمارے لئے نہایت تعجب انگیز ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں یہ تقسیم صاف لفظوں میں موجود ہے۔ جسے ملک صاحب قرآن میں غیر موجود قرار

نہیں دیتے ۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

"ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ - (سورۃ انعام ع۹)

کہ ہم نے موسے کو الکتاب دی جو نیکی کرنے والے پر نعمت کو پورا کرنے والی تھی۔ اور اس میں ہر چیز کی تفصیل موجود تھی۔

موسیٰ کو یہ کتاب بنی اسرائیل کے لئے دی گئی۔ قرآن مجید حضرت موسیٰ کے بعد کئی رسولوں اور نبیوں کے مبعوث کیا جانے کا ذکر کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ (بقرہ) کہ موسے کے بعد ہم نے کئی رسولوں کو اس کے نشان قدم پر بھیجا۔ یعنی موسے کا تابع بنایا۔ نیز فرماتا ہے:۔

"إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ - يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا (مائدہ ع۷)

کہ ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ اور اس کے ذریعہ وہ نبی جو تورات کے تابع تھے یہودیوں کیلئے حکم تھے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ موسیٰ کی کتاب تورات ایک شریعت جدیدہ پر مشتمل تھی۔ اور موسے کے بعد کئی نبی جو خود جدید شریعت نہیں لائے۔ بلکہ موسے کی شریعت کے تابع تھے۔ یہودیوں کے لئے تورات کے ذریعہ حکم کی حیثیت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے گئے پس تعجب ہے کہ ملک صاحب کو قرآن شریف میں یہ آیات

کیوں نظر نہ آئیں۔ جو نبوت کا تشریعی اور غیر تشریعی اصناف میں قرآنی تصوّر دلاتی ہیں۔

نبوّت کی تقسیم غیر منطقی نہیں

ملک صاحب نے اس تقسیم کو غیر منطقی اور مصنوعی بھی لکھا ہے اور کسی اصول پر مبنی قرار نہیں دیا۔ مگر قرآن کریم سے اوپر جو تقسیم پیش کی گئی ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے اس تقسیم کو منطقی اور اصول پر مبنی قرار دیا جانا ضروری ہے۔ اور اس کو مصنوعی سمجھنا ملک صاحب کی بھول ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ملک صاحب کے قول کے مطابق:-

"راست بازی، دیانت وغیرہ معروف اعمالِ صالحہ کی اور ہر قسم کی بدیوں سے بچنے کی تلقین"

ایک معنی میں شریعت ہی ہے مگر شریعت کے دوسرے مفہوم کو جسے ملک صاحب موصوف محدود اور نسبتاً غیر اہم قرار دیتے ہیں۔ اور جس سے مراد ظاہری عبادات کے قواعد اور قانون کا وہ حصّہ مراد لیتے ہیں۔ جو عدالتوں کے ذریعہ نافذ کیا جا سکے۔ مثلاً اسلام میں نماز۔ روزہ اور حج وغیرہ کے احکام اور شخصی اور معاشرتی قانون کا وہ مجموعہ جسے فقہ کہا جاتا ہے ملک صاحب کا شریعت کے اس مفہوم کو نسبتاً غیر اہم قرار دینا ہمارے نزدیک اس بات کا نتیجہ ہے کہ ملک صاحب کے نزدیک احادیث نبویہ کے مقابلہ میں ان کی اپنی عقل کا فتویٰ اہمیت رکھتا ہے۔ حدیث میں تو آیا ہے:۔ "بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ" کہ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں

پر ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے۔ کہ اوّل اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ ایک ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ دوئم نماز۔ سوئم روزہ۔ چہارم حج۔ پنجم زکوٰۃ۔ تعجب ہے کہ اسلام کی ان بنیادی باتوں کو جو شریعت اسلامیہ کا اہم ترین حصہ ہیں ملک صاحب نسبتاً غیر اہم سمجھتے ہیں۔ اس سے مقصود ان کا یہ ہے احمدیت کے مقابلہ میں شریعت کے اس مفہوم کی اہمیت کو گرا کر تشریعی اور غیر تشریعی نبوت کی تقسیم کو غیر منطقی اور مصنوعی قرار دیں۔

ملک صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ

"احمدیہ لٹریچر میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ جب مرزا صاحب کی نبوت کو غیر تشریعی بیان کیا جاتا ہے۔ تو شریعت کا کون سا مفہوم مراد ہوتا ہے۔ خود مرزا صاحب کی تحریریں اس معاملے میں الجھاؤ اور تضاد سے خالی نہیں"

یہ لکھنے کے بعد ملک صاحب لاہوری اور قادیانی دونوں فریق کا مذہب بیان کرتے ہیں۔ کہ "یہ دونوں حضرت مرزا صاحب کو غیر تشریعی نبی مانتے ہیں لاہوری جماعت کا مذہب یہ ہے کہ غیر تشریعی نبوت حقیقتاً نبوت ہی نہیں ہوتی۔ یہ ایک اعزازی نام ہے جس سے مراد اولیائے کرام کا مقام ہے۔ اس کے مقابلے میں قادیانی جماعت کا موقف یہ ہے کہ مرزا صاحب غیر تشریعی نبی تو تھے لیکن بہر حال نبی تھے"

حضرت مسیح موعودؑ پر تشریعی نبوت کے دعوے کا الزام | اس کے بعد ملک صاحب

حضرت مرزا صاحب کی کتاب اربعین سے ایک اقتباس پیش کر کے لکھتے ہیں :۔

"یہ اقتباس کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہے مرزا محمود احمد صاحب اور مولوی محمد علی صاحب دونوں کے خیال کے برعکس خود مرزا صاحب اپنے آپ کو تشریعی نبی سمجھتے تھے"

ملک صاحب کا یہ نتیجہ بالکل غلط ہے۔ اور محض معاندین سلسلہ کی نقل ہے۔ ملک صاحب موصوف اقتباس درج کرنے سے پہلے اس کے سیاق کو ظاہر کرنے کے لئے لکھتے ہیں :۔

اپنی کتاب اربعین میں مرزا صاحب نے اپنی صداقت کی نسبت ایک دلیل یہ دی ہے کہ ان کے دعوئے نبوت پر تیئس سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ اور خدا نے ان کو ہلاک نہیں کیا۔ حالانکہ خدا کا قانون ہے کہ وہ جھوٹے نبی کو اتنی مہلت نہیں دیتا۔ اور اس مدت سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی اس دلیل پر بعض حلقوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا کہ خدا کی یہ وعید صرف ان جھوٹے مدعیان کے متعلق ہے۔ جو نئی شریعت لانے کے دعویدار ہوں۔ اس اعتراض کا جواب مرزا صاحب نے ان الفاظ میں دیا ہے"

یہ سیاق کلام لکھنے کے بعد ملک صاحب اربعین کا جواب والا یہ اقتباس درج کرتے ہیں :۔

"اول تو یہ دعویٰ ہی بے دلیل ہے۔ خدا نے افترا کے ساتھ شریعت

کی کوئی قید نہیں لگائی سوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کئے۔ اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب الشریعت ہوگیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ

یہ براہین میں درج ہے۔ اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر تئیس برس کی مدت بھی گذر گئی ہے اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔ اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوتے ہیں۔ تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى

یعنی قرآنی تعلیم توریت میں بھی موجود ہے۔ اگر کہو شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا ہے تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔ غرض یہ سب خیالات فضول اور کوتہ اندیشیاں ہیں ؛؛

الزام کا رد اس اقتباس کو ملک صاحب اس بات کے لئے واضح قرار دیتے ہیں کہ خود مرزا صاحب اپنے آپ کو تشریعی نبی سمجھتے تھے۔

اڈیٹر یہ بھی لکھا ہے کہ احمدیہ لٹریچر میں یہ وضاحت نہیں کی گئی ۔ جب مرزا صاحب کی نبوت کو غیر تشریعی قرار دیا جاتا ہے ۔ تو اس کا کون سا مفہوم مراد ہوتا ہے ۔ خود مرزا صاحب کی تحریریں اس معاملے میں الجھاؤ سے خالی نہیں ۔

ملک صاحب کا یہ نتیجہ کہ خود مرزا صاحب اپنے آپ کو تشریعی نبی سمجھتے تھے ۔ اس لئے غلط ہے ۔ کہ حضرت مرزا صاحب ملک صاحب کی طرف سے دیئے گئے اقتباس کے بعد کے فقرہ میں جسے ملک صاحب نے خلاف مقصد پاکر دانستہ حذف کر کے بحث کو جیتنا چاہا ہے یہ لکھا ہے :-

" ہمارا ایمان ہے ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں ۔ اور قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے "

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء اور قرآن مجید کو آخری ربانی کتاب قرار دینے والے کی طرف یہ منسوب کرنا کہ وہ اپنے آپ کو تشریعی نبی سمجھتا تھا ۔ ملک صاحب کی صریح بے انصافی ہے ۔ کیونکہ تشریعی نبی تو شریعت جدیدہ لاتا ہے جو شریعت سابقہ کے احکام کو منسوخ یا معطل کر دیتی ہے سو پھر اس فقرہ کے بعد حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں :-

" تاہم خدا تعالےٰ نے اپنے نفس پر حرام نہیں کیا کہ تجدید کے طور پر کسی مامور کے ذریعہ یہ احکام صادر کرے کہ جھوٹ نہ بولو ۔ جھوٹی گواہی نہ دو ۔ زنا نہ کرو ۔ خون نہ کرو ۔ اور ظاہر

ہے ۔ کہ ایسا بیان کرنا بیان شریعت ہے جو مسیح موعود کا بھی کام ہے۔"
اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ نے اپنے تئیں ملک صاحب کے پیش کردہ اقتباس میں صاحب شریعت بطور الزام خصم کے لکھا ہے ۔ کہ آپ پر نازل ہونے والے اوامر ونواہی بھی شریعۃ مطلقہ کی ذیل میں آ سکتے ہیں ۔ گو مقصد ان سے صرف تجدید دین اور بیان شریعت ہے ۔ کیونکہ بیان شریعت بھی تو ایک رنگ میں شریعت ہے ۔ مگر ایسے اوامر ونواہی کے نازل ہونے سے انسان تشریعی نبی نہیں کہلاتا ۔ تشریعی نبوت کا مدعی آپ کے نزدیک صرف وہ نبی ہو سکتا ہے جو شریعت سابقہ کے کسی حکم کو اپنی وحی سے منسوخ اور معطل کرے ۔ چنانچہ اربعین سے بعد کی کتابوں میں حضرت مرزا صاحب صاف طور سے لکھتے ہیں :۔

"یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ نبوت تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اس کی پیروی معطل بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے ۔ (الوصیت صفحہ ۱۲)

اس اقتباس سے ظاہر ہے ۔ کہ حضرت مرزا صاحب کے نزدیک تشریعی نبی کے لئے ایسے نئے احکام کا لانا ضروری ہے ۔ جو شریعت سابقہ میں ترمیم وتنسیخ کرنے والے یا اس کے احکام کو معطل کرنے والے ہوں پھر اپنی کتاب چشمۂ معرفت میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ شریعت۔ اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلا شبہ وہ بے دین اور مردود ہے"۔ (چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۴)

"خدا اس شخص کا دشمن ہے جو قرآن کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے۔ اور محمدی شریعت کے خلاف چلتا ہے اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے"۔ (چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۴/۳۲۵)

تجلیات الٰہیہ صفحہ ۹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"نبی کے لفظ سے اس زمانہ کے لئے صرف خدا تعالیٰ کی یہ مراد ہے کہ کوئی شخص کامل طور پر شرف مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ حاصل کرے اور تجدید دین کے لئے مامور ہو۔ یہ نہیں کہ کوئی دوسری شریعت لائے۔ کیونکہ شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پر نبی کا اطلاق بھی جائز نہیں جب تک اس کو امتی بھی نہ کہا جائے جس کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک انعام اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے حاصل کیا ہے"۔

یہ سب عبارتیں اربعین سے بعد کی ہیں۔ اور اربعین سے اپنے اس مضمون میں متفق ہیں۔ کہ حضرت مرزا صاحب قرآن مجید کو آخری ربانی کتاب

سمجھتے ہیں۔ اور اپنے تئیں صرف ایسا غیر تشریعی امتی نبی سمجھتے ہیں جو تجدید دین کے لئے مامور ہے۔ افسوس ہے کہ ملک صاحب نے اربعین کا ادھورا اقتباس پیش کر کے ناظرین کو آپ کے دعوے کے متعلق تاریکی میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہ طریق بحث جیتنے کے لئے تو شائد مفید ہو۔ مگر محقق کے فرض سے یہ بات کوسوں دور ہے۔ کہ کسی کے کلام کے خلاف منشائے متکلم معنی لے کر اس کی طرف ایک غلط بات منسوب کرے۔

ایک سوال

ملک صاحب نے لکھا تھا۔ کہ احمدیہ لٹریچر میں یہ وضاحت نہیں کی گئی۔ کہ مرزا صاحب کی نبوت کو جب غیر تشریعی قرار دیا جاتا ہے۔ تو شریعت کا کون سا مفہوم مراد ہوتا ہے؟

سوال کا جواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں کے مندرجہ بالا اقتباسات جو آپ کی کتب الوصیت۔ چشمۂ معرفت۔ اور تجلیات الٰہیہ سے پیش کئے گئے ہیں اس بات پر صریح الدلالت ہیں کہ آپ کے غیر تشریعی نبی ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ شریعت جدیدہ نہیں لائے یعنی آپ کی وحی ایسے جدید اوامر و نواہی پر مشتمل نہیں جو قرآنی شریعت کے ناسخ یا اس کے کسی حکم کو معطل کرنے والے ہوں۔ بلکہ وہ یہ سب اوامر و نواہی جو آپ پر نازل ہوئے صرف تجدید دین اور بیان شریعت کے طور پر ہیں۔ مطلق شریعت کیا ہے کا جواب تو اربعین کے اقتباس کے ان الفاظ سے ہی ظاہر ہے:۔

"ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے

اپنی وحی کے ذریعہ چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کیلئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب الشریعت ہوگیا "

یہ تعریف شریعت مطلقہ کی ہے شریعت جدیدہ کی نہیں۔ شریعت جدیدہ شریعت کی ایک مقیدہ صورت ہے۔ اور یہ شریعت سابقہ میں ترمیم تنسیخ کرنے کا نام ہے۔ اسی کا حامل تشریعی نبی کہلاتا ہے۔ محض شریعت مطلقہ کا حامل جب اس پر یہ نازل شدہ اوامر و نواہی صرف تجدید دین اور بیان شریعت کے طور پر ہوں۔ غیر تشریعی نبی ہی ہوتا ہے۔

ملک صاحب کا یہ کہنا بھی درست نہیں۔ کہ خود مرزا صاحب کی تحریریں اس معاملے میں الجھاؤ اور تضاد سے خالی نہیں۔ بلکہ سراسر غلط ہے۔ حضرت اقدس کی تحریروں میں اس بارہ میں نہ کوئی الجھاؤ ہے نہ تضاد۔

اربعین کے اقتباس میں شروع میں آپ نے شریعت کی علی الاطلاق تعریف لکھی ہے۔ اس کے بعد صرف نئے احکام کو ہی شریعت قرار دینے کو اس بنا پر رد فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں صحف سابقہ کے جو احکام دہرائے گئے ہیں انہیں بھی شریعت ہی سمجھا جائے گا۔ پس احکام جدیدہ کا لانا شریعتِ جدیدہ ہوگا اور انہیں کا حامل تشریعی نبی کہلاتا ہے۔ پھر یہ تعریف کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہو۔ آپ نے یہ کہہ کر غلط قرار دیا ہے کہ ایسا ہوتا۔ تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔

پس یہ اقتباس اپنے اس مضمون میں بالکل واضح ہے اس میں کوئی الجھاؤ اور تضاد موجود نہیں اگر اس کے علاوہ حضرت اقدس کی

کوئی ادر تحریر الجھاؤ اور تضاد دکھانے کے لئے ملک صاحب نے پیش کی ہوتی۔ تو ہم اس کی حقیقت پر بھی غور کرتے۔ جہاں تک ہمارا علم ہے شریعت کی تعریف کے بارہ میں حضرت اقدس کی تحریرات میں کوئی الجھاؤ اور تضاد موجود نہیں اور حضرت اقدس ہرگز شریعت جدیدہ لانے کے مدعی نہیں

خلاصہ بحث یہ ہے۔ کہ تجدید دین کے طور پر شریعت سابقہ کے اوامر و نواہی کا نزول گو شریعت ہی ہے۔ مگر یہ اوامر و نواہی تجدید دین اور بیان شریعت کے طور پر ہوں۔ تو ان کا حامل گو ایک رنگ میں صاحب شریعت تو کہلا سکتا ہے مگر تشریعی نبی ہرگز نہیں کہلا سکتا بلکہ غیر تشریعی نبی ہی کہلاتا ہے۔ کیونکہ تشریعی نبی کے لئے احکام جدیدہ کا لانا ضروری ہے۔ اولیاء اللہ پر اوامر و نواہی کا نزول یا آیات قرآنیہ کا نزول بعض خاص مقاصد کے پیش نظر ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:۔

اَمَّا الْاِلْقَاءُ بِغَیْرِ التَّشْرِیْعِ فَلَیْسَ بِمَحْجُوْرٍ وَلَا التَّعْرِیْفَاتُ الْاِلٰھِیَّۃُ بِصِحَّۃِ الْحُکْمِ الْمُقَرَّرِ اَوْ فَسَادِہٖ وَکَذٰلِکَ تَنَزُّلُ الْقُرْاٰنِ عَلٰی قُلُوْبِ الْاَوْلِیَاءِ مَا انْقَطَعَ مَعَ کَوْنِہٖ مَحْفُوْظًا لَھُمْ وَلٰکِنْ لَھُمْ ذَوْقُ الْاِنْزَالِ

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۷)

یعنی غیر تشریعی وحی ممنوع نہیں اور نہ ایسی وحی ممنوع ہے جس کے

ذریعہ خدا تعالےٰ (شریعت کے کسی مقررہ حکم) کی صحت کی شناخت کرائے یا کسی حکم کی (جسے غلطی سے شریعت کا حکم سمجھا گیا ہو) خرابی کو ظاہر کرے۔ اسی طرح قرآن مجید کا اولیاء کے دلوں پر نزول منقطع نہیں ہوا۔ حالانکہ قرآن مجید ان کے لئے محفوظ (بکلام الٰہی) ہے لیکن انہیں نزول قرآن کا ذوق عطا کرنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے اور یہ بات صرف بعض کو عطا کی جاتی ہے۔

مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق جن کی آمد کی ساری اُمت منتظر رہی ہے۔ علمائے امت کا یہ عقیدہ رہا ہے:۔

وَیُلْہِمُھُمْ بِشَرْعِ مُحَمَّدٍ وَیَفْھَمُہٗ عَلٰی وَجْہِہٖ۔

(الیواقیت والجواھر جلد ۲ صفحہ ۸۹ بحث ۴۷ مصنفہ امام عبدالوہاب شعرانی)

"یعنی اس پر شریعت محمدیہ الہاماً نازل ہوگی اور وہ اُسے ٹھیک سمجھیگا،،

نفاذِ شریعت اور ایک اعتراض

غیر تشریعی نبی کا ایک کام اشاعتِ دین کے علاوہ نفاذ شریعت بھی ہوتا ہے

اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ملک صاحب حضرت اقدس پر شریعت کے قانونِ وراثت کے پیش نظر معترض ہیں وہ لکھتے ہیں:۔

"اگر مرزا صاحب رواج کے مقابلے میں شریعت کی تلقین اپنی نبوت کا حصہ بنا لیتے۔ تو ان کی اپنی ریاست خطرہ میں پڑ سکتی تھی اس لئے مرزا صاحب نے اپنے اور اپنے متبعین کے لئے رسول کی شریعت کی بجائے ریٹگس کے رواج پر قائم رہنا ہی بہتر سمجھا،،

پھر ملک صاحب رواج کے پیش نظر محض ممزد تمسخر کے انداز میں حضرت مرزا صاحب کی طرف سے ایک پیغام اپنے خود ساختہ الفاظ میں یوں لکھتے ہیں۔

"مسلمانو! میں کوئی نئی شریعت نہیں لایا۔ اسلام کے بعد کوئی نئی شریعت نہیں آسکتی۔ شریعت ہمارے پاس اپنی مکمل اور آخری صورت میں موجود ہے۔ اس کے ایک حصے پر غیر ملکی حکومت کی وجہ سے عمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مجبوری ہے ایک دوسرے حصے پر عمل تمہیں پسند نہیں۔ یہ بھی مجبوری ہے۔ ایک تیسرے حصے پر تم عمل کر رہے ہو۔ اس میں مجھے کچھ کہنا نہیں"

اور بالآخر لکھتے ہیں:۔

"کیا یہ انقلاب آفرین پیغام پہنچانے کے لئے کسی نبی کی ضرورت تھی"

(احمدیہ تحریک۔ ص ۲۶۷)

جواب اس اعتراض کے جواب میں واضح ہو کہ ملک صاحب نے اس اعتراض میں ایک محقق انسان کا فرض ادا نہیں کیا۔ بلکہ اپنے ناصبانہ پراپیگنڈا کی خاطر حضرت اقدس کے متعلق ایک غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ انہیں چاہیئے تھا کہ وہ الزام کے ثبوت کے لئے اپنی ان معلومات کا ماخذ بھی پیش کرتے۔ ملک صاحب بلا کسی ماخذ کے یہ الزام دے رہے ہیں۔ کہ مرزا صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے بجائے رپلنگس کے رواج پر قائم رہنا ہی بہتر سمجھا۔ ہمارے نزدیک ملک صاحب کا یہ الزام درست نہیں۔ کیونکہ خود رپنگس کی کتاب (پنجاب کا رواج زمیندارہ)

کے گیارہویں ایڈیشن ۱۹۲۹ء کے صفحہ ۱۸۱ پر صاف طور پر حضرت مرزا صاحب کے خاندان کے متعلق یہ الفاظ مذکور ہیں :-

"The family of the Mughal Barlas of Qadian is governed by the Mohammadan Law."

"یعنی قادیان کا مغل برلاس خاندان زمیندارہ رواج کا نہیں۔
بلکہ اسلامی شریعت کا پابند ہے"

قادیان کا یہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت سے قبل دوسرے مغل خاندانوں کی طرح رواج زمیندارہ کا ہی پابند تھا۔ یہ امر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے احیائے دین کے عظیم الشان کارنامہ کا ہی ایک پہلو ہے۔ کہ قادیان کا خاندان مغل برلاس رواج کی بجائے شریعت اسلامیہ کا پابند ہو گیا۔ پس یہ اعتراض محض ملک صاحب کی بدگمانی کا نتیجہ ہے۔ کہ :-

"مرزا صاحب نے اپنے اور اپنے متبعین کیلئے رسول کی شریعت کی بجائے ریڈیکل رواج پر قائم رہنا ہی بہتر سمجھا"

جس طرح حضرت اقدس کے متعلق ملک صاحب کا اوپر کا الزام غلط ہے۔ ویسے ہی ان کا تمسخرانہ انداز میں حضرت اقدس کیطرف سے خود ساختہ الفاظ میں دیا گیا پیغام بھی غلط بیانی پر مشتمل ہے ــــــ کیونکہ حضرت مسیح موعود

علیہ السلام اپنی جماعت کو شریعت کی پابندی کے متعلق زبردست تلقین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :۔۔۔۔ "خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا الخیرکلّہٗ فی القرآن کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے کوئی اور کتاب نہیں جو بلا واسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی اگر عیسائیوں پر پڑھی جاتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے اور یہ نعمت اور ہدایت جو تمہیں دی گئی۔ اگر بجائے توریت کے یہودیوں کو دی جاتی۔ تو بعض فرقے اُن کے قیامت کے منکر نہ ہوتے۔ پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے۔ یہ بڑی دولت ہے۔ اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی۔ قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔ قرآن ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کر سکتا ہے اگر صوری یا معنوی اعراض نہ ہوں۔ قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے۔ اگر تم اس سے نہ بھاگو۔"

(کشتی نوح صفحہ ۲۴ و ۲۵)

امتی نبی

امتی نبی کے عنوان کے ماتحت ملک صاحب نے جو باب لکھا ہے اس کے شروع میں لکھتے ہیں:۔

"اس (امتی نبی) کی اصطلاح کے لئے فی الواقع کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود نہ تھی۔ لیکن مرزا صاحب کا کمال ہے کہ انہوں نے دونوں قسم کے دلائل ڈھونڈ نکالے۔"

پھر اُن دلائل پر طنزاً لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب کے نزدیک قرآن و حدیث کے الفاظ معانی کی قید کے پابند نہیں ہیں۔ صرف یہ غرض ہے کہ کس طرح اُن سے مرزا صاحب کے دعویٰ کی تائید حاصل کی جاسکتی ہے۔"

پھر لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب کے فن تفسیر کا کمال یہ ہے۔ کہ انہوں نے آیت خاتم النبیین سے ہی اجرائے نبوت کی دلیل پیدا کرلی۔"

امتی نبی کی اصطلاح کا قرآن مجید سے استنباط

اس کے بعد تجلیات الٰہیہ کی یہ عبارت پیش کی ہے:۔

"ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی

کا باپ نہیں ہے۔ مگر وہ رسول اللہ ہے اور خاتم الانبیاء ہے لٰکِن کا لفظ زبان عربی میں استدراک کے لیے آتا ہے۔ یعنی تدارک مافات کے لیے۔ سو اس آیت کے پہلے حصہ میں جو امر فوت شدہ قرار دیا گیا یعنی جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نفی کی گئی وہ جسمانی طور سے کسی مرد کا باپ ہونا ہے سو لٰکِن کے لفظ سے ایسے فوت شدہ امر کا اس طرح تدارک کیا گیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا جس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد براہ راست فیوض نبوت منقطع ہو گئے۔ اب کمالِ نبوت صرف اسی شخص کو ملے گا جو اپنے اعمال پر اتباعِ نبوی کی مہر رکھتا ہو۔ اور اس طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بیٹا اور وارث ہو۔ ماحصل اس آیت کا یہ ہوا کہ نبوت گو بغیر شریعت ہو۔ اس طرح پر تو منقطع ہے۔ کہ کوئی شخص براہِ راست مقامِ نبوت حاصل کرے۔ لیکن اس طرح پر ممتنع نہیں۔ کہ وہ نبوت چراغِ نبوتِ محمدیہ سے مکتسب اور مستفاض ہو۔ یعنی ایسا صاحبِ کمال ایک جہت سے تو امتی ہو اور دوسری جہت سے بوجہ اکتسابِ انوارِ محمدیہ نبوت کا کمال بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔"

سابقہ طرز کے سوا ملک صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس تفسیر پر کوئی جرح اور تنقید نہیں کی۔ بلکہ وہ حرف خاتم النبیین کی محولہ بالا تفسیر

پیش کرنے کے بعد حدیث پر مبنی دلیل بیان کرکے اس پر جرح کرتے ہیں۔ ہم ملک صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کس بنا پر آپ نے یہ طنز کی ہے کہ مرزا صاحب امتی نبی کی اصطلاح پیش کرنے میں قرآن کے الفاظ کے معانی کے پابند نہیں؟ جب کہ ان معانی کی تغلیط میں ملک صاحب اس جگہ کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے۔ کیا لٰکِنْ کا لفظ استدراک کے لئے نہیں ہوتا۔ کیا اس سے پہلی آیت میں ابوّتِ جسمانی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی نہیں کی گئی؟ جب نفی کی گئی ہے اور ما کان محمد ابا احد من رجالکم کے الفاظ سے ابوّت جسمانی کی نفی ہی مطلوب ہے۔ تو پھر وہ بتائیں لٰکن کے بعد کے جملہ سے نحوی قاعدہ کے مطابق اگر حضرت مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوّت روحانی کا استنباط فرمایا۔ تو یہ استنباط کیوں درست نہیں؟ نحوی قاعدہ کے لحاظ سے تو یہ استنباط از بس ضروری ہے۔

پس خاتم الانبیاء کے الفاظ میں جن روحانی فرزندوں کا ذکر مطلوب ہے اگر وہ امتی اور کمالات نبوت رکھنے والے انسان نہیں تو اور کون ہیں؟ عام امتی کی فرزندی کا استنباط تو لٰکن کے بعد رسول اللہ کے الفاظ سے بھی ہو جاتا ہے۔ اگر خاتم الانبیاء کے الفاظ میں روحانی ابوّت کے مضمون کو ترقی یافتہ صورت میں نہ مانا جائے۔ تو اس کلام کا سارا حسن ہی مارا جاتا ہے۔ اور یہ کلام مرتبہ بلاغت سے نیچے گر جاتا ہے۔ کیونکہ علم بلاغت کی رو سے الفاظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر

پیدا ہونی چاہیئے ۔ پس اس آیت کی جو تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھی ہے وہی قرآن مجید کی معجزانہ بلاغت کے مناسب ہے ۔

اُمتی نبی کی اصطلاح کا حدیث سے استنباط

اُمتی نبی کی اصطلاح کے متعلق حدیث پر مبنی دلیل کے لئے ملک صاحب براہین احمدیہ حصہ پنجم سے ذیل کا اقتباس پیش کرتے ہیں :۔

" ہاں اگر آنے والے عیسیٰ کی نسبت حدیثوں میں صرف نبی کا لفظ استعمال پاتا اور اُمتی اس کا نام نہ رکھا جاتا تو دھوکا لگ سکتا تھا ۔ مگر اب تو صحیح بخاری میں آنے والے عیسیٰ کی نسبت صاف لکھا ہے کہ امامکم منکم ۔ یعنی اے اُمتیو آنے والا عیسیٰ بھی صرف ایک اُمتی ہے نہ کچھ اور "

اس اقتباس پر ملک صاحب بطور تنقید لکھتے ہیں :۔

" اصل احادیث میں یہ الفاظ امام مہدی علیہ السلام کے متعلق بیان ہوئے ہیں ۔ جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ مسیح کے زمانے میں ہی ظاہر ہوں گے اور مسلمانوں کے امام ہوں گے ۔ لیکن الفاظ کا یہ سیاق و سباق مرزا صاحب کے لئے ٹھیک نہ ہو سکتا تھا ۔ اس لئے انہوں نے یہ نظریہ پیش کر دیا کہ عیسیٰ اور امام مہدی کے منصب ان کی ذات میں جمع کر دیئے گئے ہیں "

حضرت مرزا صاحب کی تحقیق از روئے احادیث صحیحہ یہ ہے کہ امام مہدی

اور مسیح موعود دو شخصیتیں نہیں بلکہ احادیث صحیحہ مہدی اور عیسٰی کو ایک ہی شخصیت قرار دیتی ہیں۔ چنانچہ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے:۔

"لا مھدی الا عیسٰی بن مریم - رواہ ابن ماجہ والحاکم عن انس"

(ابن ماجہ صفحہ ۲۵۷ وکنز الاعمال جلد ۷ صفحہ ۱۸۶)

اور مسند احمد بن حنبل کی ایک حدیث میں آیا ہے :۔

"یوشک من عاش منکم ان یلقٰی عیسٰی ابن مریم اماما مھدیا وحکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ وتضع الحرب اوزارھا"

(رواہ احمد بن حنبل (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۱۱)

کہ قریب ہے کہ جو تم میں سے زندہ ہو عیسٰی ابن مریم سے ملاقات کرے در آں حالیکہ عیسٰی بن مریم امام مہدی ہوگا۔ حکم عدل ہوگا۔ پس وہ صلیب کو توڑے گا۔ اور خنزیر کو قتل کرے گا اور جزیہ موقوف کرے گا اور لڑائی بند ہو جائے گی۔ اسی مضمون کی حدیث طبرانی میں عبداللہ بن مغفل سے بھی مروی ہے۔

پس جس طرح ابن ماجہ، مسند احمد بن حنبل اور طبرانی کی حدیثیں عیسٰی اور امام مہدی ایک ہی شخصیت کو قرار دیتی ہیں۔ اسی طرح صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم میں بھی سیاق کلام کے مطابق امامکم منکم کے الفاظ عیسٰی موعود کے متعلق ہی استعمال کئے گئے ہیں۔ وامامکم منکم میں واؤ عاطفہ ہے۔ عیسٰی ابن مریم پر

اماسکم منکم کا عطف کیا گیا ہے اور معطوف اور معطوف علیہ دونوں اذا نزل کا فاعل ہیں۔ اس لیئے نازل ہونے والی شخصیت کو ہی امام کہا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں ایک اور حدیث ہے اس میں اماماکم منکم کے بجائے کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم فامّکم منکم کے الفاظ وارد ہیں۔ فامّکم کی فا عاطفہ ہے۔ اور امّکم کا لفظ فعل ماضی ہے اور ضمیر مفعول پر مشتمل ہے۔ اور فعل کا مرجع سیاق کلام میں صرف نازل ہونے والے عیسیٰ کے سوا کوئی اور شخص مذکور نہیں۔ لہذا منکم کا لفظ عیسیٰ کو ہی امتی قرار دیتا ہے۔ محدثین امت نے صحیح بخاری اور مسلم کے انہی الفاظ سے عیسیٰ کا امتی ہونا سمجھا ہے۔ اور امام مسلم کی ایک دوسری حدیث

حاشیہ لہ بخاری مجتبائی کے حاشیہ پر لکھا ہے: "واماماکم منکم۔ یحکم بینکم بالقرآن لا بالانجیل او انہ یصلی منکم بالجماعۃ والامام من ھذہ الامۃ او وضع المظہر موضع المضمر تعظیما لہ یعنی ھو منکم والغرض انہ خلیفتکم وھو علیٰ دینکم وقال الطیبی ای یؤمکم عیسیٰ علیہ السلام حال کونہ فی دینکم"

ترجمہ:۔ عیسیٰ تم میں سے تمہارا امام ہوگا۔ قرآن کے ذریعہ تمہارے درمیان فیصلہ کریگا نہ انجیل کے ذریعہ سے۔ وہ (عیسیٰ) تم میں سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھے گا۔ اور اس امت کا امام ہوگا۔ یا اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ اس کی (مسیح کی) تعظیم کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور غرض یہ ہے کہ وہ تمہارا خلیفہ ہوگا اور وہ تمہارے دین پر ہوگا۔ طیبی نے کہا ہے عیسیٰ علیہ السلام تمہارا امام ہوگا اس حال میں کہ وہ تمہارے دین پر ہوگا۔ منہ

میں چار دفعہ نبی اللہ قرار دینے کے ساتھ گویا امت محمدیہ کا ایک فرد قرار دیا ہے
پس حضرت مرزا صاحب نے امتی نبی کی اصطلاح حدیثوں کے صحیح معنی اور
سیاق سے ہی اخذ کی ہے۔ اور ملک صاحب کی نکتہ چینی باطل ہے۔

اس کے بعد ملک صاحب نے ازالہ اوہام سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کی تحریر کے چند اقتباسات پیش کئے ہیں جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کی آمد کو بدیں وجہ ممتنع قرار دیا گیا ہے۔ کہ ان کے آنے پر جبریل کا ان پر وحی
نبوت لانا ضروری قرار پاتا ہے۔ اور یہ امر ختم نبوت کے منافی ہے۔ اور
وحیِ نبوت کے نزول پر وہ امتی نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ یہ اقتباسات درج
کرنے کے بعد ملک صاحب لکھتے ہیں :-

"مذکورہ بالا موقف کی موجودگی میں مرزا صاحب کا اپنے لئے نبوت
کا دعویٰ کرنا خواہ وہ نبوت کسی قسم کی ہی ہو۔ ایک انتہائی جسارت
کا امر ہے۔ مرزا صاحب کی کتب ان کی وحیِ نبوت سے بھری پڑی ہیں"
(احمدیہ تحریک ص ۳۷۸)

آگے لکھتے ہیں :-

"یہ بھی نہیں کہ مرزا صاحب کی وحی قرآنی وحی سے کسی طرح کم ہو"

اس کے ثبوت میں ملک صاحب حضرت مرزا صاحب کا ایک اقتباس بھی
پیش کرتے ہیں۔ جو یہ ہے :-

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح
ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری
کتابوں پر۔ اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور

پر خدا کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے۔ خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔"

حضرت مسیح موعودؑ کی وحی درجہ میں قرآن کے مساوی نہیں

اس اقتباس میں حضرت مرزا صاحب نے اپنی وحی کو صرف قرآن مجید کی طرح قطعی اور یقینی طور پر خدا کا کلام قرار دیا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ میری وحی قرآنی وحی سے کسی طرح کم نہیں یعنی آپ نے اپنی وحی کو مرتبہ میں قرآن مجید کے برابر قرار نہیں دیا۔ مجھے اس جگہ ملک صاحب پر بجا طور پر افسوس ہے کہ انہوں نے خلطِ مبحث سے کام لیا ہے اور حضرت اقدس کے اُن اقتباسات کو پیش نہیں کیا جو قرآن مجید کی وحی کو دوسری تمام وحیوں کے مقابلہ میں درجہ کے لحاظ سے اتم اور اکمل قرار دیتے ہیں۔ ملک صاحب موصوف نے بحث کو جیتنے کے لئے اس جگہ مغالطہ دہی سے اجتناب نہیں کیا۔ یہ بات ایک محقق کی شان سے بہت بعید ہے۔ وہ خود ایسے طریق کو ناپسند کر چکے ہیں۔ مگر خود انہی لوگوں کی راہ پر چلنے لگے ہیں۔ جن کی تنقید کو احمدیت کے خلاف وہ خود ہی مایوس کن قرار دے چکے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کی تحریروں کے ذیل کے اقتباسات ملک صاحب کی اس فرد گذاشت پر شاہد ناطق ہیں:۔

(۱) ——— نوع انسانی کے لئے اب روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو

کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو۔ اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔ تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ اور یاد رکھو نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہو گی۔ بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے۔ اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب۔" (کشتی نوح صـ۱۳)

وحی کے نزول کی تاثیرات کے دائرہ میں فرق بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

(۲) ــــ "لیکن اس کے نزول کی تاثیرات کا دائرہ مختلف استعدادوں اور مختلف ظروف کے لحاظ سے چھوٹی چھوٹی یا بڑی بڑی شکلوں پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ نہایت بڑا دائرہ اس کی روحانی تاثیرات کا وہ دائرہ ہے جو خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی سے متعلق ہے۔ اسی وجہ سے جو معارف اور حقائق اور کمالات حکمت و بلاغت قرآن شریف میں اکمل اور اتم طور پر پائے جاتے ہیں۔ یہ عظیم الشان مرتبہ کسی اور کتاب کو حاصل نہیں۔"

(توضیح مرام صـ۳۱)

(۳) ــــ جبریلی تاثیرات کا اختلاف صرف کمیت کے متعلق ہی

نہیں۔ بلکہ کیفیت کے متعلق بھی ہے۔ یعنی صفائی قلب میں جو ...
انعکاس ہے تمام افراد مطہرین کے ایک ہی مرتبہ پر کبھی نہیں ہوتے
جیسے تم دیکھتے ہو کہ سارے آئینے ایک ہی درجہ کی صفائی ہرگز نہیں رکھتے
.... سو یہی حالت دلوں کے آئینہ کی ہے۔ جو نہایت درجہ
کا مصفّٰی دل ہے اس میں مصفّٰی طور پر انعکاس ہوتا ہے۔ اور جو کسی قدر
مکدّر ہے۔ اس میں اسی قدر مکدّر دکھائی دیتا ہے۔ اور اکمل اور اتم
طور پر یہ صفائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو حاصل ہے،
ایسی صفائی کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔" (توضیح مرام صفحہ ۳۲)

ضمنی بات کا جواب دینے کے بعد اب ہم اصل اعتراض کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ حضرت مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کے ممتنع ہونے کے متعلق جو موقف اختیار کیا ہے اس کی موجودگی میں آپ کا امتی نبی کا دعویٰ کرنا ہرگز کسی قسم کی جسارت نہیں۔ چونکہ اس جگہ ملک صاحب نے حضرت مرزا صاحب کے ان اقتباسات کی صحیح روح کو مدِّ نظر نہیں رکھا۔ اس لئے وہ آپ کے متعلق انتہائی جسارت کا ریمارکس دے رہے ہیں۔

ازالہ اوہام کے اقتباسات کی صحیح روح کے مطابق نبوت کا دعوےٰ جسارت نہیں

ان اقتباسات کی صحیح روح یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ مستقل نبی تھے اور مستقل نبی امتی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت عیسےٰ کے دوبارہ آنے پر اگر ان پر وحی نازل ہو

خواہ اس وحی کا قرآنی آیات سے ہی توارد ہو۔ پھر بھی اُن کی آمد ختمِ نبوت کے منافی ہوگی۔ کیونکہ جو وحی مستقل نبی پر نازل ہوگی۔ وہ وحی نبوت مستقلہ ہی سمجھی جائے گی۔ چونکہ نبوت مستقلہ اور امتی نبوت میں تباین ہے اور نبوت مستقلہ امتی نبوت نہیں ہوتی۔ اور امتی نبوت نبوتِ مستقلہ نہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک مستقل نبی کا آنا تو منافی ختمِ نبوت ہے کیونکہ اس سے اجتماعِ نقیضین بھی لازم آتا ہے۔ لیکن امتی نبی کی آمد میں یہ خرابی نہیں اس موقف کی موجودگی کی صورت میں حضرت اقدسؑ کے امتی نبوت کے دعوے کو ملک صاحب کا جسارت قرار دینا آپ کے موقف کو صحیح طور پر مدِنظر نہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ملک صاحب حضرت اقدسؑ کے صحیح موقف سے واقف تھے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب کے ص ۳۰۶ میں لکھتے ہیں:۔

"بقول مرزا صاحب جب ایک امتی کے لئے یہ دروازہ کھلا ہے کہ اپنے نبی متبوع سے فیض حاصل کرے تو پھر ایک بغاوت کی راہ اختیار کرنا اور اجتماع نقیضین جائز رکھنا کس قدر حمق ہے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ ملک صاحب خوب سمجھتے تھے۔ کہ بقول حضرت مرزا صاحب حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد میں تو اجتماعِ نقیضین لازم آتا ہے۔ اور امتی کے مقام نبوت حاصل کرنے میں اجتماعِ نقیضین نہیں۔

لاہوری فریق کے نظریہ کے خلاف ملک صاحب کی رائے

اس کے بعد ملک صاحب نے لاہوری فریق کے امیر مولوی محمد علی صاحب مرحوم کے اس موقف پر کڑی نکتہ چینی کی ہے کہ حضرت مرزا صاحب

امتی نبی تو ہیں۔ مگر امتی نبی سچ مچ نبی نہیں ہوتا۔ ملک صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کے کام کے متعلق لکھا ہے:۔

"لاہوری جماعت کے عقائد کو ایک سائنٹیفک اور عملی شکل دینے میں جو کام مولوی صاحب نے کیا ہے۔ اس کا شاید دسواں حصہ بھی ان کے دیگر رفقاء سے نہیں ہوا۔ لیکن اپنی تمام موشگافیوں کے باوجود مولوی صاحب مرزا صاحب کی نبوت کی نسبت کوئی قابل قبول نظریہ پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں"

(احمدیہ تحریک ص ۲۹۳)

ہمارے نظریہ کی تائید میں ملک صاحب کی رائے

اس کے بالمقابل ہماری جماعت کے نظریہ کے متعلق ملک صاحب لکھتے ہیں:۔

"اس کے مقابلے میں قادیانی جماعت کے قائد مرزا محمود احمد کا مسلک بہت سیدھا سادھا تھا۔ اور اس کے لئے موصوف کو دقیق نظری مباحث میں پڑنے کی ضرورت نہ تھی۔ ان کا مقصد مرزا صاحب کو غیر نبی ثابت کرنا نہ تھا۔ بلکہ ان کے موقف کے مطابق مرزا صاحب حقیقی اور مکمل نبی تھے۔ اس لئے انہوں نے مرزا صاحب کے امتی نبی ہونے کی یہ توضیح کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ مرزا صاحب کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک وہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے فرد تھے اور دوسرے وہ نبی تھے قادیانی عقیدہ کی رو سے گو اسلام سے پہلے ہر قوم میں نبی آتے رہے

ہیں۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ اس قاعدہ میں ایک اہم تبدیلی کردی گئی۔ اب نبوت امت محمدی کے ساتھ مخصوص ہوگئی ہے۔ اس امت میں باہر سے کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اور محمد رسول اللہ صلعم کے خاتم النبیین ہونے سے یہی مراد ہے کہ اس امت سے باہر نبوت کا دروازہ بند ہے۔ یہ توجیہہ کرنے پر مرزا محمود احمد صاحب کو اپنے حریف مولوی محمد علی صاحب پر ایک واضح فوقیت حاصل ہوگئی۔"

(دمدیہ تحریک صفحہ ۲۹۳ - ۲۹۴)

حضرت مسیح موعودؑ کے ایک استدلال پر جرح کا جواب!

اس کے بعد ملک صاحب نے حضرت مرزا صاحب کے امتی نبوت کے دعویٰ کے متعلق آپ کے استدلال کا ذکر کیا ہے۔ اور اس بارہ میں حضرت مرزا صاحب کی تحریروں سے بعض اقتباسات بھی درج کئے ہیں۔ ان کی تفصیل میں ہمیں جانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ہم اس جگہ حضرت اقدس کے ایک استدلال پر ملک صاحب کی تنقید کا جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

قرآن مجید میں امت محمدیہ کو خیر امۃ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ آئندہ ہر خیر و برکت چونکہ اس امت سے ظہور میں آنی چاہیئے۔ اس لئے اس امت کی برتری کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسیح موعود امت محمدیہ کا ہی ایک فرد ہو۔ اور آنحضرت کی پیروی کے

فیض سے شرف مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ مشتمل بر امورِ غیبیہ حاصل کرے۔ اسی مکالمہ مخاطبہ کی وجہ سے ہی وہ ایک طرح سے امتی ہے اور ایک پہلو سے نبی۔ ملک صاحب کو اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ:۔

"بلاشبہ مسلمانوں کی ایک جماعت تسلیم کرتے ہوئے خیر الامم کہا گیا ہے۔ لیکن یہاں امت کی فوقیت اس کے نام یا مذہب کے ظواہر پر مبنی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ وضاحت کردی گئی ہے کہ یہ اس لئے ہے کہ تم اچھے کاموں کی تلقین کرتے ہو۔ اور برائیوں سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ اب ظاہر ہے کہ جب خیر الامم کے یہ اسباب ٹھیرے تو جس جماعت میں بھی یہ صفات پائی جائیں گی وہ خیر الامم کہلائے گی۔ امت کے اس بلند اور اصولی تصور میں امتی نبی کی اصطلاح اور اس سے متعلقہ بحث بے معنی ہو جاتی ہے"!

بلاشک امتِ محمدیہ کو خیر الامم ان تین اوصاف کی وجہ سے قرار دیا گیا ہے۔ وہ اچھے کاموں کی تلقین کرتی ہے۔ برائیوں سے روکتی ہے اور اللہ پر ایمان لاتی ہے۔ مگر اس سے یہ استدلال کیوں نادرست ہو گیا۔ مسیح موعود جسے احادیث میں امتی اور نبی بھی قرار دیا گیا۔ وہ اسی خیر امت کا ایک فرد ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مسیح موعود کا کام بھی تبلیغ ہدایت ہے اور یہ اب خیرِ اُمّت کے سپرد ہے۔ پھر کیوں یہ استدلال درست نہیں۔ کہ اس آیت کی رو سے حضرت عیسیٰ آئندہ تبلیغ ہدایت

کے لیے نہیں آسکتے۔ کیونکہ تبلیغ و ہدایت کا کام اس امت کا کام قرار دے کر اسے خیر امت قرار دیا گیا ہے۔ اور جب اس امت کو خیر امت قرار دیا گیا ہے تو کیوں اس کے خیر امت ہونے سے یہ استدلال درست نہیں کہ

جب پہلی امتوں کے بعض افراد کو بھی مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ اور ایسے لوگ محدث کہلاتے تھے تو اس امت کے خیر امت ہونے کی صورت میں پہلی امتوں سے بڑھ کر اس کے افراد کو شرف مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ حاصل ہونا چاہیئے۔ اور مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ مشتمل بر امور غیبیہ کثیرہ کا نام ہی نبوت ہے۔ تو کیوں اس امت کے خیر امت ہونے سے یہ استدلال درست نہیں؟ کہ آئندہ کوئی مستقل نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آسکتا۔ صرف امتی نبی ہی آسکتا ہے۔ اگر اس امت کے لیے نبوت مطلقہ کا دروازہ کھلا نہیں تو پھر دوسری امتوں پر اس کے کمال کی برتری کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ
عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ
الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ - نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ
فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ (حٰم سجدہ)

یعنی - جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اس پر استقامت دکھائی - ان پر خدا کے فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ تم

کوئی خوف اور غم نہ کرو۔ اور اس جنت کی بشارت پاؤ۔ جس
کا تم وعدہ دیئے گئے (وہ فرشتے کہتے ہیں) کہ ہم دنیا اور
آخرت میں تمہارے مددگار ہیں۔

اس آیت کی رُو سے جس پر اس طرح نزول ملائکہ ہو اسے امتی نبوت سے ہی حصہ ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

"ھٰذا التنزیل ھو النبوۃ العامۃ لا نبوۃ التشریع"

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۳ باب معرفۃ الاستقامۃ)

کہ یہ ملائکہ کا کلام لانا نبوت عامہ ہے نہ کہ تشریعی نبوت۔

پس نبوتِ عامہ یعنی امتی نبوت کا دروازہ ایمان داروں کے لئے کھلا ہے اور نبوت خاصہ یعنی تشریعی نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔

پس جب پہلے بزرگوں نے ایک قسم کی نبوت کا دروازہ ایمان و استقامت رکھنے والوں کے لئے از روئے قرآن مجید کھلا قرار دیا ہے اور یہ امر امت محمدیہ کے شرف کا موجب ہے۔ اور اس کے خیر امت ہونے پر دلیل ہے۔ تو آیت كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کی رُو سے امتی نبی کا استدلال کیوں درست نہیں؟ جب کہ خیر امت کی تیسری علامت اللہ پر ایمان لانا قرار دی گئی ہے اور ایمان کامل کا نتیجہ نزول ملائکہ قرار دیا گیا ہے۔ جسے حضرت محی الدین ابن عربی نبوت عامہ قرار دیتے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی کے حاشیہ ص۲۸ پر لکھا ہے۔

"اس جگہ یہ سوال طبعاً پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت موسےٰ کی امت میں بہت سے نبی گزرے ہیں۔ پس اس حالت میں موسیٰ کا افضل ہونا لازم آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جس قدر نبی گزرے ہیں ان سب کو خدا نے براہ راست چُن لیا تھا۔ حضرت موسیٰ کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں تھا۔ لیکن اس امت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزارہا اولیا ہوئے اور ایک وہ بھی ہوا۔ جو امتی بھی ہے اور نبی بھی۔ اس کثرتِ فیضان کی کسی نبی میں نظیر نہیں ملتی"

حضرت خلیفۃ المسیح کے استدلال پر ملک صاحب کی جرح بالفاظ مولوی محمد علی صاحب

اس قسم کی عبارتوں سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب حقیقۃ النبوۃ میں جو استدلال فرمایا تھا۔ اس پر تنقید کے طور پر مولوی محمد علی صاحب مرحوم امیر غیر مبایعین نے ذیل کی عبارت اپنی کتاب النبوۃ فی الاسلام میں لکھی۔ جسے ملک صاحب نے اعتراض کے لئے اپنا لیا ہے۔ مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں:۔

"پھر میں پوچھتا ہوں۔ کہ اگر دروازۂ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کھلا ہے۔ تو پھر کون کون نبی ہے۔ انسان جب ایک اصول کو قائم کرے۔ تو پھر اس پر پختہ ہو......

.....ایک طرف دروازہ نبوت کھولا جاتا ہے اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت دیگر انبیاء پر یہی رہ جاتی ہے۔ کہ
اور نبی اپنی پیروی سے محدث بنا سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی پیروی سے نبی بنا سکتے ہیں۔ دوسری طرف یہ اعتراف موجود
ہے کہ اس امت میں سوائے مسیح موعود کے کوئی رسول نہیں .....

اب غور کرو فضیلت بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی
نہ رہی۔ اور نبی بھی محدث بناتے تھے۔ آپ بھی محدث بناتے
رہے۔ یہاں تک کہ ہزاروں اولیاء آپ کی امت میں ہوئے۔
مگر اس میں آپ کی فضیلت کوئی نہ تھی۔ فضیلت تھی نبی بنانے
میں۔ وہ کوئی بنا نہیں۔ نہ آئندہ قیامت تک بن سکتا ہے
سوائے ایک کے وہ بھی ادھورا کہ باوجود نبی ہونے کے پندرہ
سال تک بقول حقیقۃ النبوۃ اپنی نبوت کا انکار کرتا رہا۔ اور
مدعی نبوت پر لعنت بھیجتا رہا۔ کیا اسی بات کو نبی کریم صلے اللہ
علیہ وسلم کی فضیلت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ایسی
فضیلت کو ظاہر کرنے کی بجائے چھپا کر رکھنا بہتر تھا۔

بہرحال اس ایک ہی آدمی کو اپنی فہرست سے فائدہ پہنچانے
میں یا تو نعوذ باللہ محمد رسول اللہ نے بخل سے کام لیا۔ یا
پھر امت ہی ایسی نکمی تھی۔ کہ ان میں سے کوئی انسان اس قدر
استعداد ہی نہ رکھتا تھا۔ کہ ترقی کرتے کرتے انسانی کمال
کے اس مرتبہ کو پا لے۔ جس کا نام نبوت ہے ..... یا تو

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ اس قابل نہ تھے۔ کہ ان کو مُہرِ نبوّت دی جاتی۔ کیونکہ انہوں نے ساری امت کو ناقص حالت میں رکھا۔ اور انسانی ترقی کے کمال تک ایک کو بھی نہ پہنچا سکے۔ یا اگر ایک کو پہنچایا۔ تو وہ بھی ایسا ادھورا کہ مدّت العمر اپنی نبوت کی تاویل کرتا رہا۔ اور شک میں رہا کہ وہ کمال مجھ کو مل گیا ہے یا نہیں۔ اور یا یہ ماننا پڑے گا۔ کہ امت ہی اتنی نکمی اور ناکارہ تھی۔ اور انکی طبائع ہی یہ استعداد نہ رکھتی تھیں کہ اچھے سے اچھا معلّم بھی ان کو انسانی ترقی کے کمال تک پہنچا سکے.....

بہرحال یہ ایک نہایت بھدّا عذر ہے کہ ہم نبوت کا دروازہ اس لئے کھولتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے لوگ نبی نہ بن سکیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی فضیلت دوسرے انبیاء پر قائم نہیں رہتی۔ کاش اس عذر تراشی کا نتیجہ یہی ہوتا۔ کہ چند نبی تجویز کر دیئے جاتے ؛؛

ملک صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کا یہ اقتباس پہلے ایک مولوی کہہ کر درج کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے :-

" ایک حیران کن انکشاف آپ کے انتظار میں کہ متذکرہ بالا تنقید مرزا صاحب کے کسی مخالف مولوی کی طرف سے نہیں ہے۔ بلکہ مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کی کتاب النبوۃ فی الاسلام کا ایک اقتباس ہے ظاہر ہے کہ

نہ وبالا ارادہ اس طرح کی تنقید مرزا صاحب کے موقف پر نہ کر سکتے تھے۔ اور ایسا انہوں نے نہیں کیا۔ یہاں اصل میں وہ مرزا محمود احمد صاحب کے ان دلائل کا رد کر رہے ہیں۔ جو موصوف الذکر نے اجرائے نبوت کے حق میں اپنی کتاب حقیقۃ النبوۃ میں بیان کئے ہیں۔ لیکن مولوی محمد علی صاحب کی تنقید خود مرزا صاحب کے استدلال کے متعلق اتنی برمحل ہے۔ کہ ہم نے اسی غرض کے لئے اسے پیش کر دیا ہے"

جرح کا جواب

ملک صاحب کی کتاب کے اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے مولوی محمد علی صاحب مرحوم کی اس تنقید کو حضرت مرزا صاحب کے استدلال کے خلاف اپنا لیا ہے۔ اس لئے ہم دونوں کا جواب اکٹھا دیتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مولوی محمد علی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے استدلال کے خلاف اپنی تنقید میں پورا زور قلم صرف کیا ہے۔ اور جس طرح یہ تنقید حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی کتاب حقیقۃ النبوۃ کے خلاف اثر پیدا کرتی ہے ویسا ہی اثر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں کے خلاف پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ حضرت اقدسؑ نے حقیقۃ الوحی کے صـ۹۷ کے حاشیہ میں صاف لکھا ہے:۔

اللہ جل شانہ، نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی

کو ہرگز نہیں دی گئی - اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا
یعنی آپ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے - اور آپ کی توجۂ
روحانی نبی تراش ہے یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی -

پس بااسقبہ مولوی محمد علی صاحب کی یہ تنقید ایسے حوالہ جات کی روح کے صریح خلاف ہے - مگر حضرت اقدس ؑ کی طرف سے اس تنقید کا جواب یہ ہے کہ آپ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۹۵ - ۹۶ میں تحریر فرماتے ہیں :-

" خدا ہر ایک بات پر قادر ہے جس پر اپنے بندوں میں سے چاہتا ہے - اپنی روح ڈالتا ہے - یعنی منصب نبوت اس کو بخشتا ہے - اور یہ تو تمام برکت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے - پس بہت برکتوں والا ہے - جس نے اس بندہ کو تعلیم دی - اور بہت برکتوں والا ہے جس نے تعلیم پائی - خدا نے وقت کی ضرورت محسوس کی - اور اس کے محسوس کرنے اور نبوت کی مہر نے جس میں بشدت فیضان ہے بڑا کام کیا - یعنی تیرے مبعوث ہونے کے دو باعث ہیں "

حاشیہ میں لکھتے ہیں :-

" یہ وحی الٰہی کہ خدا کی فیلنگ اور خدا کی مہر نے کتنا بڑا کام کیا - اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے اس زمانہ میں محسوس کیا - کہ یہ ایسا فاسد زمانہ آگیا ہے - جس میں ایک عظیم الشان مصلح کی ضرورت ہے - اور خدا کی مہر نے یہ کام کیا - کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

پیروی کی برکت نے اس درجہ کو پہنچا کہ ایک پہلو سے امتی ہے اور
ایک پہلو سے نبی۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ ص۹۷)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ امتِ محمدیہ میں حضرت اقدس کو منصبِ
نبوت ملنے کے دو باعث ہیں۔

پہلا باعث: خدا تعالیٰ کا اس زمانہ میں نبی بھیجنے کی ضرورت محسوس کرنا ہے۔ اور
دوسرا باعث: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہرِ نبوت ہے جس میں بشارت نبوت
فیضان موجود ہے۔ جب تک یہ دونوں باعث موجود نہ ہوں امتِ محمدیہ میں
کوئی شخص منصبِ نبوت پر مامور نہیں ہو سکتا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کے زمانہ میں ہی ایک نبی کو بھیجنے کی
ضرورت محسوس کی ہے۔ اس لئے تیرہ سو سال کے بعد ایک ہی امتی نبی
مبعوث کیا گیا۔ لہٰذا صرف ایک ہی نبی بننے میں نہ آنحضرت نے بخل سے
کام لیا ہے اور نہ آپ کی مہرِ نبوت کا کچھ قصور ہے اور نہ ہی امت کی
استعداد پر کوئی حرف آتا ہے۔ اگر نبوت کا دروازہ کھلا نہ ہوتا تو یہ ایک
امتی نبی بھی نہ آسکتا۔ چونکہ خاتم النبیین کی مہرِ نبوت کے فیض سے
یہ دروازہ کھلا تھا۔ اس لئے جب دوسرا باعث یعنی خدا تعالیٰ کا یہ
احساس کہ اس وقت نبی کی ضرورت ہے موجود ہیں آیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی مہرِ نبوت کے فیض سے ایک امتی نبی ظاہر ہو گیا۔ پس
امتی نبی کے ظہور کی علتِ تامہ مہرِ نبوت نہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کا
ضرورتِ زمانہ کا احساس اور مہرِ نبوت دونوں مل کر امتی نبی کے ظہور

علت تامہ ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کا عقیدہ غلط
رنگ میں پیش کر کے اس پر اپنے اعتراض کی عمارت کھڑی کر دی ہے پس ان
کی تنقید عدم تدبر اور سوءِ فہم کا نتیجہ ہے۔ اس کو اپنانا ملک صاحب
کے لئے کوئی فائدہ بخش نہیں۔ ضرورت زمانہ پر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
کی مہرِ نبوت کے فیض سے ایک نبی کا ظہور لامحالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی مہر نبوت کی دیگر انبیاء علیہم السلام پر اپنے فیضان میں برتری اور
فضیلت کا قطعی ثبوت ہے۔ کیونکہ پہلے انبیاء کے فیض سے ان کی امتوں
کے افراد صرف محدث کے مرتبہ تک ترقی کرتے رہے۔ اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے ہزارہا اولیاء اللہ پیدا ہونے کے علاوہ
ایک امتی نبی کا ظہور بھی ہو گیا۔ اب یہ نبوت کا منصب خواہ صرف
ایک فرد کو امت میں ملا۔ مگر اس سے بابِ نبوت کا کھلا ہونا بھی
ثابت ہو گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان اتم کا ایک ثبوت
بھی مہیا ہو گیا۔ اور آپ کی دیگر تمام انبیاء پر برتری اور فضیلت کی
ایک روشن دلیل حاصل ہو گئی۔ چونکہ مولوی محمد علی صاحب اپنے
موقف کی حمایت میں متعصب اور سرگرم تھے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی
ایدہ اللہ تعالیٰ اور ان کے موقف کے خلاف انہیں بغض تھا۔ اس
لئے وہ یہ بھی نہ سوچ سکے۔ کہ جو کچھ وہ حضرت مرزا محمود احمد صاحب کے
خلاف لکھ رہے ہیں۔ در اصل اس کی زد خود بانئے سلسلہ احمدیہ کی تحریرات
پر پڑتی ہے۔ تعجب ہے کہ تعصب اور بغض انسان کو کس طرح صحیح فکر سے

ہماری کبھی غلط راہ پر ڈال دیتا ہے۔

تدریجی انکشاف قابلِ اعتراض نہیں مولوی محمد علی صاحب کی نکتہ چینی کا آخری حصہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تبدیلیٔ عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ بھی قلتِ تدبّر کا نتیجہ ہے۔ ورنہ کسی مامور من اللہ پر اس کی نبوت کے بارہ میں تدریجی انکشاف کوئی قابلِ اعتراض امر نہیں۔ خدا جانے ملک صاحب نے اس بارہ میں مولوی محمد علی صاحب کی نکتہ چینی کو نقل کرکے کیوں اپنا لیا ہے وہ تو خود صاف لکھ چکے ہیں:۔

"قرآن کے نزول کے زمانہ میں عربوں کے ہاں اس شخص کو نبی سمجھا جاتا تھا۔ جو اپنی وحی کے ذریعہ دنیا کی ہدایت کا دعوے دار ہو۔ شاید دعوے دار کا لفظ استعمال کرنا بھی غیر موزوں ہے۔ لیکن متذکرہ ابتدائی آیات میں کسی دعوے کا ذکر نہیں۔ اس لئے یہ کہنا زیادہ قرین صحت ہوگا۔ کہ اس زمانہ میں ہر اس شخص کو مدعیٔ نبوت سمجھا جاتا تھا۔ جو اپنی وحی کو لوگوں کے سامنے بطور ذریعہ ہدایت پیش کرے۔ خواہ وہ اپنا کوئی بھی نام رکھے یا کوئی بھی نام نہ رکھے۔ ہمارے نزدیک قرآن میں لفظ نبی انہی معروف اور عمومی معنوں میں استعمال ہوا ہے "

اس اقتباس میں ملک صاحب نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

پر بھی اپنے دعوٰی نبوت کے متعلق تدریجی انکشاف ہوا ہے۔ گو نبی آپ پہلی آیات قرآنیہ نازل ہونے پر ہی تھے۔ ملک صاحب کے نزدیک نبی کے لئے نبی کے علاوہ اور کوئی نام رکھنا بھی قابل اعتراض نہیں۔ بلکہ اپنا کوئی نام نہ رکھنا بھی قابلِ اعتراض نہیں۔

حضرت مرزا صاحب نے ۱۹۰۰ء تک اپنے تئیں مامور محدّث قرار دیا ہے۔ اور اپنی وحی کو ذریعہ ہدایت بھی قرار دیا ہے۔ اور محدّث کے وجود میں نبیت اور نبوت کی دونوں شانیں تسلیم کی ہیں۔ گو اسے اصطلاحی نبی قرار نہیں دیا مگر اپنے تئیں جزوی نبی اور نبی بالقوہ ضرور قرار دیتے رہے اور اس کی کیفیت بیان کرتے رہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنے مکالمہ مخاطبہ کا شرف بخشا ہے جس میں آپ کو بکثرت امورِ غیبیہ پر اطلاع دی گئی ہے۔ بعد میں آپ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ انکشاف ہو گیا کہ آپ صریح طور پر نبی ہیں۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔ تو آپ نے اپنا مقام محدثین کے مقام سے بالاتر قرار دے دیا۔ چنانچہ آپ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۹ - ۱۴۸ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا۔ تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔"

پھر حقیقۃ الوحی میں صفحہ ۳۹۰/۳۹۱ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب واضح ہو کہ احادیثِ نبویہ میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسی اور ابن مریم کہلائے گا اور نبی کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔ یعنی اس کثرت سے مکالمہ مخاطبہ کا شرف اس کو حاصل ہوگا اور اس کثرت سے امور غیبیہ اس پر ظاہر ہوں گے کہ بجز نبی کے کسی پر ظاہر نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

یعنی خدا اپنے غیب پر کسی کو پوری قدرت اور غلبہ نہیں بخشتا۔ جو کثرت اور صفائی سے حاصل ہو سکتا ہے بجز اس شخص کے جو اس کا برگزیدہ رسول ہو۔ اور یہ بات ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جس قدر خدا تعالیٰ نے مجھ سے مکالمہ مخاطبہ کیا ہے۔ جس قدر امور غیبیہ مجھ پر ظاہر فرمائے ہیں تیرہ سو سال ہجری میں کسی شخص کو آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی۔ اگر کوئی منکر ہو تو بار ثبوت اس کی گردن پر ہے غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا ہوں اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق

نہیں۔ کیونکہ کثرتِ وحی اور کثرتِ امورِ غیبیہ اس میں شرط ہے اور
وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تا کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی صفائی سے پوری ہو جاتی۔ کیونکہ اگر دوسرے
صلحاء جو مجھ سے پہلے گذر چکے ہیں وہ بھی اسی قدر مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ
اور امورِ غیبیہ سے حصہ پا لیتے۔ تو وہ بھی نبی کہلانے کے مستحق ہو جاتے
تو اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں ایک رخنہ
واقع ہو جاتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی مصلحت نے ان بزرگوں کو اس نعمت
کو پورے طور پر پانے سے روک دیا تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا
ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہوگا وہ پیشگوئی پوری ہو جائے"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت اقدسؑ کے نزدیک تیرہ سو (۱۳۰۰) سال میں نبی کا نام پانے کے لئے امتِ محمدیہ میں سے آپ ہی ایک فرد مخصوص ہیں۔ اور آپ سے پہلے کے تمام اولیاء اور صلحاء میں سے کسی شخص کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی کا نام نہیں دیا گیا۔ وجہ اس کی یہ بتاتے ہیں کہ نبی کا نام پانے کے لئے مکالمہ مخاطبہ مشتمل بر امورِ غیبیہ کثیرہ شرط ہے۔ پس دوسرے صلحاء نبی کہلانے کے مستحق نہیں۔ کیونکہ یہ شرط ان میں نہیں پائی گئی۔

یہ شرط ان سب بزرگوں میں نہ پایا جانے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اگر ان بزرگوں کو پورے طور پر مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اور امورِ غیبیہ سے حصہ مل جاتا۔ اور وہ نبی کہلانے کے مستحق ہو جاتے تو اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں رخنہ واقع ہو جاتا۔ کیونکہ احادیث صحیحہ تیرہ سو سال میں صرف ایک

ہی شخص کو نبی قرار دیتی ہیں۔

اب لاہوری احمدی فریق کے افراد سوچ لیں کہ جناب مولوی محمد علی صاحب مرحوم کی تنقید کی جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی کتاب حقیقۃ النبوۃ پر کی گئی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان سب عبارتوں کے مقابلہ میں جو ہم نے جواب میں پیش کی ہیں۔ کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ ملک جعفر خاں صاحب کے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے خلاف مولوی محمد علی صاحب کی تنقید کو بصورت اعتراض اپنا لینے اور پھر مولوی محمد علی صاحب پر یہ جچا تلا اعتراض کرنے میں عبرت کا سامان موجود ہے وہ مولوی محمد علی صاحب کی اس تنقید کے متعلق لکھتے ہیں:۔

متذکرہ بالا تنقید مرزا صاحب کے کسی مخالف مولوی کی طرف سے نہیں ہے۔ بلکہ مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کی کتاب النبوۃ فی الاسلام کا ایک اقتباس ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ بالارادہ اس طرح کی تنقید مرزا صاحب کے موقف پر نہ کر سکتے تھے اور ایسا انہوں نے نہیں کیا۔ یہاں اصل میں وہ مرزا محمود احمد صاحب کے ان دلائل کا رد کر رہے ہیں۔ جو موخر الذکر نے اجرائے نبوت کے حق میں اپنی کتاب حقیقۃ النبوۃ میں بیان کئے ہیں۔ لیکن مولوی صاحب کی یہ تنقید خود مرزا صاحب کے استدلال کے متعلق اتنی برمحل ہے کہ ہم نے اسی غرض سے پیش کر دیا ہے

ملک صاحب کے مولوی محمد علی صاحب مرحوم کی تنقید کو اس طرح حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کے خلاف برمحل تنقید قرار دیتے ہیں لاہوری فریق کے سمجھدار طبقہ کی آنکھیں کھولنے کے لئے اپنے اندر کافی سامان عبرت موجود تھے۔

میں بتا چکا ہوں کہ ہم لوگ خاتم النبیین کے معنی نبیوں کی مُہر اور اس مُہر کے فیض سے نبوت ملنے کا عقیدہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں کی بناپر رکھتے ہیں۔ اور مُہر نبوت کو نبوت ملنے کے لئے علّت تامہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کے لئے ایک اور باعث خدا تعالے کا یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ایک نبی کے بھیجا جانے کی ضرورت ہے۔ یہ باعث اور مہر نبوّت کا فیض دونو مل کر نبوّت ملنے کی علّت تامہ ہے۔ لہذا ملک صاحب کی تنقید حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہرگز خلاف نہیں پڑتی۔ مولوی محمد علی صاحب خود بھی خاتم النبیین کے معنی نبیوں کی مُہر قرار دیکر اس کے فیض سے نبوت کو جاری مانتے رہے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے رسالہ احمد مسیح موعود میں صاف لکھتے ہیں:۔

"This movement holds that the Holy Prophet Munammad (May peace and blessings of God be upon him) is the seal of prophets and that no other prophet can appear after him except one who is spiritually his disciple; It is only a true muslim who walks the footsteps of the Holy Prophet that can become a prophet."

Ahmad The Promised Messiah

یعنی سلسلہ احمدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیوں کی مُہر یقین کرتا ہے۔ یعنی کوئی نبی آپ کے بعد ایسا نہیں آسکتا جو روحانی طور پر آپ کا شاگرد نہ ہو۔ صرف ایک سچا مسلمان ہی آپ کے نشانِ قدم پر چل کر (یعنی آپ کی پیروی کر کے) نبی ہو سکتا ہے۔

مولوی محمد علی صاحب کی اپنی یہ تحریر بھی ان کی اس تنقید کا جواب ہے۔ اور ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ مولوی صاحب مرحوم کی یہ تنقید خود اُن کی اپنی ایسی عبارتوں کے خلاف بھی برمحل سمجھی جانی چاہیئے غیر مبایعین اور ملک جعفر خان صاحب کیلئے حضرت اقدس کے تبدیلیٔ عقیدہ پر کسی اعتراض کی گنجائش موجود نہیں۔ کیونکہ کسی مامور من اللہ پر جدید انکشاف کا ہونا کوئی قابل اعتراض امر نہیں۔ ملک جعفر خان صاحب تو نبوت کی عمومی تعریف بیان کرتے ہوئے نبی کے لئے نبی کے نام کو اختیار کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے خواہ وہ اپنا کوئی نام رکھے یا نہ رکھے۔ وہ فقط اتنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کو اپنے الہامات کی طرف دعوت دے۔ وہ نبوت کا مدعی ہے۔ اور غیر مبایعین کے لئے تبدیلیٔ عقیدہ اس لئے حجت ہے۔ کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام معترف ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو پہلے عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور آپ کو صریح طور پر نبی کا خطاب دیا گیا۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی (مفہوم حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۹، ۱۵۰) اور صفحہ ۱۵۰ پر صاف لکھتے ہیں:۔

"میں تو خدا کی وحی کی پیروی کرنے والا ہوں۔ جب تک مجھے اُس

(خدا تعالیٰ) کی طرف سے علم نہ ہوا۔ میں نے وہی کہا جو اوائل میں میں نے کہا۔ اور جب مجھے اس کی طرف سے علم ہوا۔ تو میں نے اس کے مخالف کہا۔ میں انسان ہوں مجھے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہیں"

پہلے یہ کہا تھا۔ کہ مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جزئی فضیلت ہے بعد میں یہ کہا کہ "خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے"۔ (دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۸)

حضرت عیسیٰؑ پر فضیلت کے اس عقیدہ میں تبدیلی کی وجہ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۴۹/۱۵۰ پر یہ بیان کی ہے:۔

"اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو ابن مریم سے کیا نسبت وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا۔ تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ تو اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔"

ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی پر حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔

یاد رہے کہ بہت سے لوگ میرے دعویٰ میں نبی کا نام سن کر دھوکہ کھاتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں۔ کہ میں نے اسی نبوت کا دعویٰ کیا ہے جو پہلے زمانوں میں براہ راست نبیوں کو ملی۔ لیکن اس خیال میں وہ غلطی پر ہیں۔ میرا ایسا دعوےٰ نہیں ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی

مصلحت اور حکمت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضہ روحانیہ کا
کمال ثابت کرنے کے لئے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپ کے فیض کی
برکت سے مجھے نبوت کے مقام تک پہنچایا ہے۔ اس لئے میں صرف
نبی نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔ اور میری
نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظل ہے نہ کہ اصلی نبوت اسی وجہ سے
حدیث اور میرے الہام میں جیسا کہ میرا نام نبی رکھا گیا ایسا ہی میرا نام امتی
بھی رکھا گیا تا معلوم ہو کہ ہر ایک کمال مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی اتباع اور آپ کے ذریعہ سے ملا ہے۔ (حقیقۃ الوحی حاشیہ ص۱۵۰)

اس سے ظاہر ہے کہ نبوت کے عقیدہ میں تبدیلی کے باوجود آپ کو براہ راست یا مستقلہ نبوت کا دعویٰ نہ تھا۔ بلکہ یہ دعویٰ تھا کہ آپ ایک پہلو سے نبی ہیں اور دوسرے پہلو سے امتی ہیں تا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ اور کمالِ فیضان ثابت ہو۔ اور آپ کے دعوے کے متعلق کسی کو کوئی دھوکا کھانے کی گنجائش نہ رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اصلی ہے یعنی فیض پہونچانے والی اور مسیح موعود کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی نبوت کی ظلی صورت ہے۔ یعنی یہ نبوت آپ کی نبوت کا فیض ہے۔

مولوی محمد علی صاحب کی مسئلہ نبوت پر ساری بحث النبوۃ فی الاسلام میں اس حوالہ کی تشریح میں آکر نہایت پھیکی اور کمزور ہوگئی ہے تفصیل کے لئے ہماری کتاب "قول بلیغ" ملاحظہ ہو۔

دگر غیر مبایعین کا دل انکشاف جدید کے ذریعہ تبدیلی ماننے کو نہیں چاہتا

تو وہ یہ توجیہہ قبول کرلیں۔ کہ حضرت اقدس ؑ نے تدریجی ترقی کی ہے۔ پہلے آپ ایک ولی اور محدث تھے۔ بعد میں آپ کو تدریجی ترقی دے کر مقام نبوت تک پہنچا دیا گیا۔ اس طرح کی تدریجی ترقی کوئی قابلِ اعتراض امر نہیں کیونکہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ تو کبھی انبیاء کا تدریجی طور پر مقام نبوت پانا بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ نبوت کا انعام پانے کی دوسری راہ کو شاہراہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ "راہ دیگر آنست کہ بتوسطِ حصولِ ایں کمالاتِ ولایت حصول بکمالاتِ نبوت میسر گردد۔ راہ دوم شاہراہ است و اقرب است بوصول کہ بکمالاتِ نبوت رسد الا ماشاء اللہ این راہ رفتہ است از انبیائے کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام و اصحاب ایشاں بہ تبعیت و وراثت۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اول مکتوب ۳۰۱ ص ۴۳۲)

ترجمہ:۔ دوسری راہ یہ ہے کہ کمالاتِ ولایت حاصل کرنے کے واسطے سے کمالاتِ نبوت کا حاصل کرنا میسر ہو یہ (دوسری راہ) شاہراہ ہے اور کمالاتِ نبوت تک پہنچنے میں قریب ترین راہ ہے الا ماشاء اللہ اسی راہ پر بہت سے انبیاء اور انکے اصحاب انکی پیروی اور وراثت سے چلے ہیں (یعنی انہوں نے ولایت کے کمالات پہلے حاصل کئے اور اُن کمالات کے واسطے سے کمالاتِ نبوت حاصل کئے ہیں)۔

بالآخر عرض ہے کہ مولوی محمد علی صاحب کی تنقید پر ملک جعفر خان صاحب کی تنقید میں غیر مبائعین کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی سامان موجود ہے۔ کیونکہ یہ تنقید نادانستہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف ہے۔ تعجب ہے کہ مولوی محمد علی صاحب جس درخت کے سایہ میں آرام پا رہے تھے نادانستہ اسی کی جڑھ کاٹنے کی فکر میں تھے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

"ایک غلطی کا ازالہ" پر ملک صاحب کی نکتہ چینیوں کا جواب

ملک صاحب نے "ایک غلطی کا ازالہ" کے عنوان کے ماتحت جو باب سپردِ قلم کیا ہے۔ اس میں احمدیوں کے دونو فریق کا نبوتِ مسیح موعودؑ کے متعلق نظریہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"عدالتی زبان کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ دونو گروہوں کی کامیابی کا انحصار بارِ ثبوت پر ہے۔ اگر یہ معاملہ کسی غیر جانبدار شخص کے سامنے رکھا جائے تو فریقِ مدّعی ہار جائے گا۔ یعنی قطعی طور پر نہ قادیانیوں کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحبؑ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور نہ لاہوریوں کا دعویٰ کہ انہوں نے ایسا دعویٰ نہیں کیا تھا۔"

اس کے متعلق ہماری عرض یہ ہے کہ اگر دونو فریقین کے مدعی بننے کی صورت میں ہر مدعی فریق بقول ملک صاحب ہار جائے گا۔ تو پھر وہ اس نتیجہ پر کیسے پہنچ گئے کہ:۔

"لاہوری جماعت کے عقائد کو ایک سائنٹیفک اور علمی شکل دینے میں جو کام مولوی صاحب (مولوی محمد علی صاحب) نے کیا ہے اس کا شاید دسواں حصہ بھی ان کے دیگر رفقاء سے نہیں ہوا لیکن ان تمام موشگافیوں کے باوجود مولوی صاحب مرزا صاحبؑ

کی نبوت کی نسبت کوئی قابلِ قبول نظریہ پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔" (احمدیہ تحریک ص ۲۹۳)

پھر ملک صاحب اسکے بالمقابل اس نتیجہ پر کیسے پہنچ گئے۔ جو ان کے الفاظ میں یہ ہے :۔

"اس کے مقابلے میں قادیانی جماعت کے قائد مرزا محمود احمدؒ کا مسلک بہت سیدھا سادا تھا اور اس لئے موصوف کو دقیق نظری مباحث میں پڑنے کی ضرورت نہ تھی ان کا مقصد مرزا صاحبؑ کو غیر نبی ثابت کرنا نہ تھا بلکہ ان کے موقف کے مطابق مرزا صاحبؑ حقیقی اور مکمل نبی تھے اس لئے انہوں نے مرزا صاحبؑ کے امتی نبی ہونے کی یہ توضیح کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مرزا صاحبؑ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک وہ محمد رسول اللہؐ کی امت کے فرد تھے اور دوسرے وہ نبی تھے۔ قادیانی عقیدہ کی رُو سے گو اسلام سے پہلے ہر قوم میں نبی آتے رہے ہیں۔ لیکن محمد رسول اللہؐ کی بعثت کے ساتھ اس قاعدہ میں ایک اہم تبدیلی کر دی گئی ہے اب نبوت امت محمدیؐ کے ساتھ مخصوص ہو گئی ہے۔ اس امت سے باہر کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اور محمد رسول اللہؐ کے خاتم النبیینؐ ہونے سے یہی مراد ہے کہ اس امت سے باہر نبوت کا دروازہ بند ہے۔ یہ توجیہہ کرنے پر مرزا محمود احمدؒ صاحب کو اپنے حریف مولوی محمد علی صاحب پر ایک

واضح فوقیت حاصل ہو گئی۔ (احمدیہ تحریک صفحہ ۲۹۳-۲۹۴)

ملک صاحب کے بیان میں تضاد

ملک صاحب کا یہ بیان کہ دو قول گردہوں کے مدعی بننے کی صورت میں "اگر یہ معاملہ کسی غیر جانبدار شخص کے سامنے رکھا جائے تو مدعی فریق ہار جائیگا" اور اس کے بالمقابل انہی دوسرا بیان کا تضاد۔ کہ "یہ توجیہہ کرنے پر۔ مرزا محمود احمد صاحب کو اپنے حریف مولوی محمد علی صاحب پر ایک واضح فوقیت حاصل ہو گئی۔" کسی غیر جانبدار شخص کی نگاہ سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ اگر ہر مدعی فریق ہار جائے گا تو ملک صاحب نے ایک فریق کے موقف کو کیوں فوقیت دی ہے۔ لہٰذا ہم اس جگہ ان کے پہلے پیش کردہ بیان کو ہی درست اور غیر جانبدارانہ سمجھتے ہیں اور ان کے اس دعویٰ کو بے بنیاد اور بے دلیل سمجھتے ہیں۔ کہ اگر معاملہ کسی غیر جانبدار شخص کے سامنے رکھا جائے تو ہر مدعی فریق ہار جائے گا۔ البتہ ان کے ان دو بیانوں میں جو تضاد موجود ہے۔ اس کی گتھی ہماری عقل سلجھانے سے قاصر ہے۔

ملک صاحب کے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے نظریہ پر سوالات کے جوابات

ملک صاحب نے اس باب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے نظریہ کو پیش کر کے اس پر کئی اعتراضات کئے ہیں۔ اب ہم ان اعتراضات

کے جوابات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ملک صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا نبوتِ مسیح موعودؑ سے متعلق نظریہ آپ ہی کے الفاظ میں آپ کی کتاب "حقیقۃ النبوت" سے یوں پیش کیا ہے:۔

"خلاصہ کلام یہ کہ حضرت مسیح موعود چونکہ ابتداءً نبی کی تعریف یہ خیال کرتے تھے کہ نبی وہ ہے جو نئی شریعت لائے یا بعض حکم منسوخ کرے یا بلا واسطہ نبی ہو۔ اس لئے باوجود اس کے کہ وہ سب شرائط جو نبی کے لئے واقع میں ضروری ہیں آپ میں پائی جاتی تھیں آپ نبی کا نام اختیار کرنے سے انکار کرتے رہے اور گو ان ساری باتوں کا دعویٰ کرتے رہے جن کے پائے جانے سے کوئی شخص نبی بن جاتا ہے لیکن چونکہ آپؑ ان شرائط کو نبی کی شرائط نہیں خیال کرتے تھے بلکہ محدّث کی شرائط سمجھتے تھے اس لئے اپنے آپ کو محدّث کہتے رہے اور نہیں جانتے تھے کہ میں دعویٰ کی کیفیت تو وہ بیان کرتا ہوں جو نبیوں کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتی اور نبی ہونے سے انکار کرتا ہوں۔"

نظریہ کی تشریح

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے اس بیان کی تشریح یہ ہے کہ ابتداءً حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبوت کی تعریف میں مخصوص شرط اس کا بلا واسطہ نبی ہونا۔ یعنی غیر امتی ہونا سمجھتے تھے۔ لہٰذا نبی کی باقی دوسری شرائط

کیونکہ نبی اس کو کہتے ہیں جسے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ مشتمل بر امورِ غیبیہ کثیرہ کا شرف حاصل ہو اور خدا تعالیٰ اس کا نام نبی رکھے اور وہ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے مامور ہو۔ نبی اور محدث کی مشترک شرائط قرار دیتے تھے کیونکہ محدث امتی ہو سکتا ہے اور آپ بھی امتی تھے اور محدثیت میں شانِ نبوت ایک حد تک ضرور پائی جاتی ہے اس لئے آپ اپنے وجود میں نبوت کی مندرجہ بالا کیفیت پائے جانے اور نبی کا نام دیئے جانے کے باوجود نبوت کی اس معروف تعریف کی مخصوص شرط نبی کے لئے غیر امتی ہونے کو اپنے وجود میں نہ پانے کی وجہ سے نبی قرار نہیں دے سکتے تھے۔ اور خدا کی طرف سے نبی کے نام پانے کی تاویل جزئی نبی یا محدث کے الفاظ سے کرنے کے لئے مجبور تھے۔ چونکہ معروف تعریف استقرائی تھی اور صرف پہلے انبیاء کی خصوصیات کو مدنظر رکھ کر قیاس کی گئی تھی۔ اور ان انبیاء میں کوئی امتی نبی نہیں ہوا تھا۔ اس لئے آپ اپنی نبوت کی تاویل محدث یا جزئی نبی کے لفظ سے کرتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ پر خدا کی طرف سے متواتر وحی کے ذریعہ یہ انکشاف ہو گیا کہ آپؑ نبی ہیں تو آپ کی توجہ اس اصل حقیقت کی طرف پھر گئی کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک نبی کے لئے غیر امتی ہونا شرط نہیں بلکہ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ مشتمل بر امورِ غیبیہ کثیرہ اور خدا کی طرف سے نبی کا نام پانا اور مامور من اللہ ہونا ہی شرط ہے لہٰذا اگر امتی میں یہ شرائط پائی جائیں تو وہ نبی ہو گا۔ امتی نبوت نبوت کی ایک الگ قسم ہے اور یہی تین امر قدرِ مشترک ہیں جس کی وجہ سے پہلے انبیاء عند اللہ نبی تھے۔ اور اسی قدرِ مشترک کے پایا جانے کی وجہ سے آپ کو خدا کی طرف سے نبی کا نام دیا گیا تھا۔

جب حضرتِ اقدس پر استقرائی تعریفِ نبوت کی خامی ظاہر ہو گئی تو آپ نے سابق تاویل چھوڑ دی اور اپنے عقیدہ میں یہ لفظی تبدیلی کر لی کہ آپؑ صرف محدّث ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اُمتی نبی بھی ہیں۔ اور امتی نبی ۔ نبی کی ہی ایک الگ قسم ہے نہ کہ نبی اور محدث میں مشترک امر۔ اور ایسے نبی کا آنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ ختمیّت کے منافی نہیں بلکہ یہ آپؐ کی ختمِ نبوت کا ہی ایک اہم فیض ہے جو صرف آپؐ کے امتی کو ہی مل سکتا ہے۔ اس نظریہ کی وضاحت کرنے کے بعد اب ہم نمبردار ملک صاحب کے سوالات کے جوابات دیتے ہیں۔

سوال نمبر (۱) ملک صاحب کے پہلے سوال کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے چودہ سو سال میں ایک ہی شخص کو کیوں انتخاب کیا جس میں اتنی استعداد بھی نہ ہو کہ خدا کی وحی کے مفہوم کو سمجھ سکے۔ اور متواتر تئیس (۲۳) سال تک یہ غلط فہمی قائم رہے اور اسے اصل صورت حال صرف چار پانچ سال پہلے سمجھ میں آئے۔

الجواب واضح ہو کہ حالات ایسے تھے کہ خدا جس کسی کو بھی اس امت میں سے نبوت کے لئے انتخاب کرتا اور اسے نبی کا نام دیتا۔ تو نبوت کی رسمی اور عرفی تعریف کی وجہ سے اسے پوری استعداد رکھنے کے باوجود یہی کہنا پڑتا کہ اس کی نبوت سے مراد یہ ہے کہ وہ مامور محدث ہے۔ مامور محدث کے دعوے کی جب کیفیت وہی بیان کی جاتی رہی ہے جو نبی کی کیفیت ہے اور صرف امتی ہونے کی وجہ سے حضرت اقدس نے اپنے تئیں جزئی نبی یا محدث کہا ہے۔ تو اس سے اصل مقصد میں قطعاً کوئی حرج واقع نہیں ہوا۔

جب ملک صاحب نبی کے عمومی معنی یہ قرار دے چکے ہیں کہ جو شخص اپنے الہامات کو مخلوق کے سامنے بطور ذریعۂ ہدایت پیش کرے وہ نبی ہے۔ خواہ وہ اپنا نام نبی رکھے یا نہ رکھے۔" (احمدیہ تحریک)

تو حضرت اقدس ؑ کی اس تاویل سے کہ آپ نبی بمعنی محدّث یا جزئی نبی ہیں آپؑ کی نبوت میں کیا فرق پیدا ہوتا ہے۔ نبوت کے عمومی معنے کے لحاظ سے تو آپؑ اپنے دعویٰ کے تمام زمانہ میں نبی ہی قرار پائیں گے۔ ان عمومی معنوں میں حضرت اقدس کے بیان کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے امورِ غیبیہ پر کثرت سے اطلاع پانے کو شامل کر لیا جائے تو شروع دعویٰ سے آخر تک ان کے پایا جانے کی وجہ سے حضرتِ اقدس نبی تھے۔ ایک عرصہ تک اپنا نام محدّث یا جزئی نبی رکھا اور اس کے بعد کی لفظی تبدیلی نبی کے عمومی معنی پر کوئی اثر انداز نہیں ہوئی اس لئے ان عمومی معنی کے پیشِ نظر آپ نے اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں لکھا۔

" جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے۔ صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کرکے اور اپنے لئے اس کا نام پاکر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علمِ غیب پایا۔ رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کرکے پکارا ہے سو اب بھی میں ان

معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا۔"
نبوت کے عمومی معنی کو ملحوظ رکھیں تو بیس برس کا کوئی سوال خواہ وہ تیئس برس کا ہی ہو۔ عرفی تعریف نبوت کے پیش نظر نبوت سے انکار کرنے پر حضرت مرزا صاحب کی نبوت میں خلل انداز نہیں۔ کیونکہ عرفی تعریف کے رو سے تو شروع دعویٰ سے آخری عمر تک آپ نبی نہ تھے۔ اور امتی نبوت کے سوا دیگر اقسام نبوت میں سے ہر نبوت کے دعویٰ سے ہمیشہ آپ کو انکار رہا ہے اور جن معنی میں تبدیلی عقیدہ کے بعد آپ نے امتی نبوت کو ایک الگ قسم کی نبوت قرار دیا ہے۔ یہ معنی آپ کی ذات میں شروع دعویٰ سے متحقق رہے ہیں۔ اس سے آپ کے دعویٰ کی کیفیت میں قطعاً کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ صرف لفظی جزوی تبدیلی تعریف نبوت میں تبدیلی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے۔ معنوی لحاظ سے اصل دعویٰ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ آپ کا مامور محدث ہونے کا دعویٰ معنوی لحاظ سے اس نبوت کے بالکل مترادف ہے جس کا اعلان آپ نے ۱۹۰۱ء سے کیا ہے اور جس کے حامل آپ اپنے تئیں ۱۹۰۸ء تک قرار دیتے رہے جو آپ کی وفات کا سال ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر خدا تعالیٰ کے جو الہامات ہوئے ان میں منشائے الٰہی بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام شروع میں اپنے تئیں نبی بمعنی مامور محدث کہیں۔ چنانچہ براہین میں جہاں خدا تعالیٰ نے آپ کو الہامات میں نبی کہا وہاں ایک الہام میں یہ بھی کہا اَنْتَ مُحَدَّثُ اللّٰہِ۔ کہ تو اللہ کا محدّث ہے۔ لہٰذا اس الہام کی رو سے

اگر آپؑ نے اپنے لئے لفظ نبی ما مور محدث کے معنوں ہی قرار دیا تو عین منشائے الٰہی کو پورا کیا۔ یس آپؑ نے اس وقت اپنے متعلق نبی کے نام کی تاویل بلفظ محدث منشاء الٰہی کے ماتحت کی ہے۔ اگر منشاء الٰہی یہ ہوتا کہ آپ یہ تاویل نہ کریں تو خدا تعالیٰ ضرور آپ کو اس تاویل سے روک دیتا اس میں خدا تعالےٰ کے مدنظر ضرور ایک اہم مصلحت تھی جسے ملک صاحب بدظنی سے حضرت مرزا صاحبؑ کی ذاتی مصلحت قرار دیتے ہیں۔

سوال نمبر (۲) ملک صاحب کا دوسرا سوال اسی مصلحت کی دریافت کے متعلق ہے کہ اگر مرزا صاحبؑ کی استعداد کا نقص نہیں ہے بلکہ وحی کے الفاظ ہی مبہم اور ذو معنی تھے تو اس میں خدا کے پیشِ نظر کون سی مصلحت تھی۔؟

الجواب خدا تعالیٰ کے مدنظر اس میں اسی قسم کی مصلحت تھی جس کے پیشِ نظر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شروع دعوٰے میں یہ انکشاف نہ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ بلکہ اس مقام کا انکشاف آپ پر لمبا عرصہ گذرنے کے بعد آپ کی وفات سے چند سال پہلے ہوا۔ اس میں یہ مصلحت تھی کہ شروع میں اس دعویٰ کو قبول کرنے میں عوام کے لئے مشکلات تھیں اور ان کے ذہنوں کا تیار کرنا ضروری تھا اس لئے پہلے آپ کو نبی یا رسول کا نام دیئے بغیر آپؐ سے تبلیغ کرائی گئی اور اس کے بعد آپ کو نبی اور رسول کا نام بذریعہ وحی دیا گیا۔ اور جب لوگوں نے آپ کی نبوت اور رسالت کو قبول کر لیا اور اس کے بعد

آپ کا حقیقی اور اصل مقام "خاتم النبیین" جو آپؐ کے افضل الانبیاء ہونے پر دال ہے ان کے لئے آسانی سے قابلِ قبول ہو گیا تو اس وقت خدا تعالیٰ نے اس مقام کے آپ کو عطا کئے جانے کی وحی نازل فرما دی۔ اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے۔ لَا تخیّرونی علیٰ موسیٰ (صحیح بخاری جلد ۲ صـ ۳۰۹ مصری) "یعنی مجھے موسیٰؑ پر فوقیت مت دو"! اور جب کسی نے آپ کو بنی نوعِ انسان میں سے افضل کہا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ ذَاکَ اِبْرَاھِیْمُ۔ (صحیح مسلم) "یہ مقام حضرت ابراہیمؑ کا ہے۔"

لیکن آیت خاتم النبیین کے نزول سے جب آپؐ پر افضل الانبیاء ہونے کی شان کا انکشاف ہو گیا تو آپؐ نے اس امر کا اعلان فرمادیا اور کہا فُضِّلتُ عَلَی الانبیاءِ بِستٍّ۔ کہ میں چھ باتوں میں تمام انبیاء پر فضیلت دیا گیا ہوں ان میں سے ایک وجہ فضیلت اپنا خاتم النبیین ہونا بیان فرمائی۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم باب الفضائل)

حضرتِ اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مسلمانوں میں یہ رسمی عقیدہ پھیلا ہوا تھا کہ اس امت میں سے کوئی شخص سچ مچ نبی کا منصب نہیں پاسکتا۔ البتہ علمائے ربّانی یہ مانتے تھے کہ نبوت محدثیت کے پیرایہ میں امتی کو مل سکتی ہے۔ ایسے وہ نبوت الولایت قرار دیتے تھے۔ اس لئے محدثیت لوگوں کے لئے قابلِ قبول ہو سکتی تھی۔ اور چونکہ ہر نبی علی وجہ الکمال محدَّث ضرور ہوتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحبؑ سے مامور محدَّث ہونے کا اعلان کرا دیا۔ اور یہ اعلان دراصل اس نبوت

کہ حقیقتہً مساوی تھا جسکا انکشاف حضرت مرزا صاحب ؑ پر بعد میں ہُوا۔
پس یہ خدا کی حکمت عملی اور مصلحت مسلمان قوم کی بہتری کے لئے تھی۔ کہ
اس نے شروع میں آپ سے ایسے رنگ میں نبوت کا دعویٰ کرایا جس سے
اصل حقیقت بھی قائم رہتی تھی اور وہ دعویٰ بھی لوگوں کے لئے اپنے مسلمات
کی بنا پر قابلِ قبول تھا۔ جب ایک جماعت نے اس دعویٰ کو قبول کر لیا اور
اس پر حضرتِ اقدس ؑ کے کاموں اور آپ کی روحانی صحبت سے آپ کی صداقت
پورے طور کھل گئی اور علیٰ وجہ البصیرت ان کے لئے یہ قبول کرنا ممکن ہو
گیا کہ ایک قسم کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی پیروی
کے فیض سے ملتی ہے۔ تو خدا تعالیٰ نے حضرتِ اقدس پر متواتر الہامات
نازل فرمائے اور ان میں صریح طور پر آپ کو نبی کا خطاب دیا گیا۔ اس سے
آپ ؑ پر اس حقیقت کا انکشاف ہو گیا کہ آپ کی شانِ نبوت محدثیت کی
شانِ نبوت سے بلند تر ہے۔ اور جن معنی میں آپ کو نبی قرار دیا گیا ہے۔ ان
معنوں میں علیٰ وجہ الکمال کوئی امتی نبی اللہ قرار نہیں دیا گیا۔ پس جس طرح
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی شانِ نبوت کے بارے میں تدریجاً
انکشاف ہوا ہے یعنی پہلے صرف نبوت و رسالت کا انکشاف ہوا۔ اور
آخر میں ختم نبوت کی شان کا۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحب ؑ پر پہلے مامور
محدث ہونے اور نبوتِ جزئیہ کا حامل ہونے کا انکشاف ہوا اور بعد میں
آپ پر شانِ نبوت کے پورے طور پر پانے کا انکشاف ہو گیا۔ اور یہ بھی
انکشاف ہوا کہ یہ شان آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی

اور افاضۂ روحانیہ کے واسطہ سے حاصل ہوئی ہے آپ اگر ایک پہلو سے نبی ہیں تو ایک پہلو سے امتی بھی ہیں۔

سوال نمبر (۳) ملک صاحب نے یہ کہا ہے کہ اس صورت میں یہ بھی ماننا پڑے گا۔کہ باوجود اس کے کہ خدا کو معلوم تھا کہ میرا مخاطب میری بات نہیں سمجھ رہا لیکن اس نے اپنے بندہ کو آگاہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔

الجواب مجھے اس سوال کا الگ جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ پہلے سوالوں کے جواب میں ہی اس سوال کا جواب آگیا ہے - جیسے ہر اہلِ بصیرت آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

سوال نمبر (۴) ملک صاحب لکھتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ "یہ ایک اجتہادی غلطی تھی اور یہ کہ ایک نبی کو بھی اس طرح کی غلطی لگنی ممکن ہے .... اگر مرزا صاحب ؑ کو اپنا مقام خود تجویز کرنا تھا۔ تو اجتہاد بھی برتا جا سکتا تھا اور اجتہادی غلطی بھی ممکن ہے لیکن اگر خدا نے مرزا صاحب ؑ کو کسی مقام پر کھڑا کیا تو اس میں مرزا صاحب کے اجتہاد کا کیا سوال؟"

الجواب واضح ہو کہ ملک صاحب خود یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ نبی کے لئے نبی کا نام اختیار کرنا ضروری نہیں بلکہ اگر وہ اپنے الہامات کو ذریعہ ہدایت قرار دے تو نبوت کے ان عمومی معنوں میں نبی ہی ہوگا۔ ان کی یہ بات درست ماننے کی صورت میں حضرتِ اقدس ؑ

کو اسی وقت سے نبی سمجھا جانا چاہئے جب آپ نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے الہامات بطور ذریعۂ ہدایت پیش کرنا شروع کئے۔ اس دعویٰ کا نام ابتداء میں اجتہاداً مامور محدّث اور جزئی نبی اور بعد میں امتی نبی رکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ اس بحث کا تعلق صرف شانِ نبوت کے جزوی یا کامل طور پر پانے سے رہ جاتا ہے اور ایک مامور من اللہ کے لئے ضروری نہیں کہ اس کی انتہائی شان کا انکشاف اس پر ابتداء میں ہی ہو جائے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء میں نبوت کے بارہ میں کوئی الہام نہ ہوا۔ حالانکہ آپ نبی بن چکے تھے۔ بعد کو نبوت کے بارے میں تو الہامات ہوئے مگر انتہائی شان کا انکشاف آیت خاتم النبیّین کے نزول سے ہوا جو آخری زمانہ میں نازل ہوئی۔ آیت خاتم النبیّین کے نزول سے پہلے آپؐ اپنے آپ کو اپنی شان میں دوسرے انبیاء سے افضل قرار نہیں دیتے تھے لیکن آیت خاتم النبیّین کے نزول پر آپؐ نے سید النبیّین اور تمام انبیاء پر فضیلت رکھنے کا اعلان فرما دیا۔ پس شان کے بارے میں اجتہاد ممکن ہے بے شک حضرت اقدسؑ کو اپنا مقام خود نہیں تجویز کرنا تھا۔ مگر میں بتا چکا ہوں۔ کہ حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ شروع میں آپ پر اپنی انتہائی شان کا اظہار نہ ہو۔ اس لئے شروع میں آپ پر جو الہامات آپؑ کی نبوت کے متعلق ہوئے ان کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے آپؑ کو محدث اللہ کا الہام بھی ہوا۔ ان دو نو قسم کے الہامات کی وجہ سے اجتہاد کیا جانا ناگزیر امر تھا۔ چونکہ نبی علی وجہ الکمال محدّث بھی ہوتا ہے۔

اس لئے اس صورت میں یہ اجتہاد بھی کیا جا سکتا تھا کہ آپ کامل نبی نہیں اور آپ کو محدث ایک نبی کی طرح علی وجہ الکمال قرار دیا گیا ہے اور اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے تھے کہ آپ دراصل تو محدث ہیں مگر آپؑ نبی مجاز اور استعارہ کے طور پر قرار دیئے گئے ہیں۔ چونکہ نبی کی معروف تعریف میں نبی کے لئے غیر امتی ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا اس لئے آپؑ نے دوسرا اجتہاد مامور محدث ہونے کا کیا کیونکہ آپ امتی بھی تھے اور محدث میں دونوں شانیں امتیت اور نبوت کی موجود پائی جاتی ہیں۔ آپ کے نزدیک بھی محدث کامل طور پر امتی ہوتا ہے اور جزوی طور پر نبی بھی۔ لیکن جب محدث مامور ہو جائے تو یہ مقام دراصل کامل امتی نبی کے دعویٰ کے مترادف ہے اس لئے تبدیلی عقیدہ دراصل صرف ایک لفظی تبدیلی کی حامل ہے ورنہ آپ کے دعویٰ میں کوئی حقیقی تبدیلی نہیں ہوئی۔ لہٰذا اس سلسلہ میں آپ نے جو اجتہاد کیا اس میں خدا کی حکمتِ عملی اور مصلحت کا دخل ہے گویا خدا تعالیٰ خود چاہتا تھا کہ آپؑ اپنا مقام اس وقت مامور محدث قرار دیں۔ جو دراصل نبوتِ کاملہ کو مستلزم تھا۔ اس وقت خدا تعالیٰ کے نزدیک اس نام سے یہ مقام عوام اور علماء کے اذہان کے لئے قابلِ برداشت تھا۔ اور خدا تعالیٰ چاہتا تھا کہ لوگوں کے ذہنوں کو قبولیت کے لئے تیار کرنے کے بعد آپ پر آپ کی انتہائی شان کا انکشاف کرے۔ اس لئے انتہائی شان کے انکشاف کو اس نے بعد پر ڈال دیا۔

علاوہ ازیں تبدیلی عقیدہ کے نظریہ کو یوں بھی پیش کیا جا سکتا ہے

حاشیہ: یاد رہے کہ نبوت کی عرفی تعریف کے بالمقابل آپ نے اپنی نبوت کے مجاز اور استعارہ کے الفاظ امتی نبوت کے اعلان بعد بھی استعمال کئے ہیں اس وقت یہ اطلاق مجاز اور استعارہ کا حقیقت عرفی کے مقابل ہے نہ نبوت کی حقیقت قرآنیہ کے بالمقابل۔ مقصود غلط فہمی سے بچانا تھا کہ آپکا دعویٰ تشریعی یا مطلقہ*
* نبوت کا نہ سمجھ لیا جائے۔ منہ

کہ روحانی مقامات کے حصول میں تدریجی ترقی بھی ممکن ہے۔ جیسے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے منازلِ ترقی کی دوسری راہ جسے وہ شاہراہ قرار دیتے ہیں۔ یہ بتائی ہے کہ بعض لوگ پہلے کمالاتِ ولایت کو حاصل کرتے ہیں اور پھر ان کمالات کے واسطے سے کمالاتِ نبوت حاصل کرتے ہیں اور اسی راہ پر چل کر کئی انبیاء اور ان کے متبعین نے ان کی پیروی اور ورثہ سے کمالاتِ نبوت حاصل کئے ہیں۔ (مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی)

اگر حضرت مرزا صاحب نے بالفرض اس طریق سے ہی مقامِ نبوت حاصل کیا ہو۔ تو ملک صاحب کو اس پر کیا اعتراض ہے۔ کیا مدارجِ تقویٰ اور مقاماتِ روحانیہ کے حصول میں تدریجی ترقی نظریہ ارتقاء کے خلاف ہے؟ اگر نہیں تو پھر ملک صاحب یوں سمجھ لیں (اور اس طرح سے تدریجی ترقی کسی شبہ اور اعتراض کا باعث نہیں ہونی چاہئے) کہ حضرت مرزا صاحب ایک وقت محدث تھے اور نبوت جزئیہ کے حامل تھے بعد میں آپ نے اپنے کمالات میں تدریجی ترقی حاصل کی اور انتہائی نبوتِ کاملہ کے حامل ہو گئے۔ اس صورت میں اجتہاد کا تعلق صرف تعریفِ نبوت میں تبدیلی سے رہ جاتا ہے۔ جب آپ پر انتہائی مقام کا انکشاف ہوا تو آپ نے نبوت کی مروجہ استقرائی تعریف کو ناقص پایا اور اس میں غیر امتی ہونے کی شرط کو قابلِ حذف پایا۔ کیونکہ پہلی تعریف محض استقرائی تھی یعنی انبیائے سابقین کی نبوتوں کو دیکھ کر وضع کی گئی تھی۔ استقراء چونکہ مفیدِ یقین نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف ظن کا فائدہ دیتا ہے۔ اس لئے استقراء

کی اس خامی کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک الگ قسم کی نبوت یعنی امتی نبوت عطا کر کے آپ کے جدید اجتہاد کے ذریعہ دُور کر دیا۔

چونکہ یہ نبوت بالکل ایک نئی قسم کی تھی اس لئے اس کا پورا قیاس نبوت کی دوسری اقسام پر درست نہیں۔ حضرتِ اقدس نے فرمایا ہے:۔

"مَیں تو خدا کی وحی کا پیروی کرنے والا ہوں۔ جب تک اس سے علم نہ ہوا میں وہی کہتا رہا جو اوائل میں میں نے کہا اور جب مجھ کو اس کی طرف سے علم ہوا تو مَیں نے اس کے مخالف کہا۔ میں انسان ہوں مجھے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہیں بات یہی ہے جو شخص چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔ میں نہیں جانتا کہ خدا نے کیوں ایسا کیا۔ ہاں میں اس قدر جانتا ہوں کہ آسمان پر خدا تعالیٰ کی غیرت عیسائیوں کے مقابل پر بڑا جوش مار رہی ہے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مخالف وہ توہین کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ کہ قریب ہے۔ کہ آسمان پھٹ جائیں پس خدا دکھلاتا ہے کہ اس رسول کے ادنیٰ خادم اسرائیلی مسیح ابنِ مریم سے بڑھ کر ہیں۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۵۰)

سوال نمبر (۵) اس اعتراض کی روح ملک صاحب کے الفاظ میں یہ ہے "جن الہامات کے متعلق پہلے مرزا صاحب کا اجتہاد

اجتہاد یہ تھا کہ ان کی بنا پر یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ انہی کے متعلق مرزا صاحبؓ کی رائے (بغیر کسی الہام کی مدد سے) یہ ہو گئی کہ ان سے دعویٰ نبوت بالازم سے ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں یہ ممکن نہیں کہ مرزا صاحبؓ کی پہلی رائے ہی درست ہو اور اس کے بدلنے میں اُن کو غلطی لگی ہو۔"

الجواب یہ درست نہیں کہ حضرت مرزا صاحبؓ کی یہ رائے بغیر کسی الہام کی مدد سے ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس تبدیلی کے متعلق نہایت واضح الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

" اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے؟ وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین سے ہے اگر کوئی عمل میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اُس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی تو اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور صریح طور پر مجھے نبی کا خطاب دیا۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے اُمتی اور ایک پہلو سے نبی۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۹-۱۵۰)

ملک صاحب نے اس سوال میں یہ بھی لکھا ہے کہ "مرزا صاحبؓ کے بیان کے مطابق ۱۹۰۲ء کے بعد مرزا صاحبؓ کو ان کے دعویٰ کے متعلق بہت کم وحی ہوئی۔" خدا جانے ملک صاحب نے یہ بیان کہاں سے لیا

ہے کیونکہ انہوں نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ لیکن اگر یہ بیان درست بھی سمجھا جائے تو پھر بھی اس سے اصل بحث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ ۱۹۰۲ء تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے عقیدہ میں تبدیلی فرما چکے تھے اور حقیقۃ الوحی کی مندرجہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ بارش کی طرح نازل ہونے والی متواتر وحی سے آپ نے یہ تبدیلی فرمائی۔ تواتر ایک لفظ کے ایک ہی وقت میں بار بار اعادہ سے بھی ممکن ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تواتر کو بارش سے تشبیہہ دی ہے اس سے ظاہر ہے کہ نبوت کے بارے میں الہامات مسلسل تکرار سے ہوئے ہیں اور جتنے تکرار سے ہوئے ہیں۔ گنتی میں اتنی ہی دفعہ انکا کتابوں میں درج کرنا ضروری نہ تھا اور نہ ایسے موقعوں پر گنتی محفوظ رکھی جا سکتی ہے ان کے لئے فقط تواتر کا اظہار کافی ہے جو کر دیا گیا ہے۔

سوال نمبر (۶)

ملک صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

"شروع سے ہی مرزا صاحبؑ لوگوں کو دعوت دیتے آئے تھے کہ ان پر ایمان لائیں اور ان کے دعویٰ کو سچا مان کر ان کی جماعت میں شامل ہو جائیں۔ آخر اس دعوت اور مطالبہ سے ان کی مراد کیا تھی۔ اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت تو ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اس وقت خود مرزا صاحبؑ اپنے آپ کو نبی نہیں سمجھتے تھے۔ غیر نبی، مجدّد یا محدث ماننے سے لوگوں کو کچھ فائدہ نہ ہو سکتا تھا۔"

الجواب ملک صاحب کے نزدیک تو وحی کو ذریعہ ہدایت کے طور پر پیش کرنا بھی نبوت کے عمومی معنی ہیں۔ خواہ ایسا شخص اپنا نام کچھ بھی کیوں نہ رکھے۔ تو پھر حضرت اقدس علیہ السلام اپنے مامور من اللہ کے دعویٰ پر ایمان لانے کی دعوت دینے کے ساتھ اپنا نام مجدد، محدث رکھیں تو اس سے نبوت کے عمومی معنی ہیں آپ کا نبی ہونا لازم ہوا پھر یہ مقامات دنیا کے لئے کیوں فائدہ بخش نہیں۔ کیا ملک صاحب کے نزدیک تجدید دین اور شرف مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کے حصول کا دعویٰ لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتا تھا۔ اگر کوئی شخص حقائق سے آنکھیں بند کرلے یا احادیث نبویہ کے انکار پر تلا ہوا ہو تو اسے سمجھانا مشکل بات ہے۔ ورنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ
مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا۔ (ابوداؤد کتاب الملاحم جلد ۲)

یعنی "اللہ تعالیٰ اس امت کے فائدہ کے لئے ہر صدی کے سرے پر بے شک کسی ایسے شخص کو مبعوث کرتا رہے گا۔ جو اس امت کے فائدہ کے لئے اس امت کے دین کی تجدید کیا کریگا"

اس حدیث میں دو مرتبہ لام آیا ہے۔ جو افادہ کے معنی پر مشتمل ہے لیکن ملک صاحب کے نزدیک مجددیت عام لوگوں کے لئے کوئی فائدہ بخش مقام نہیں۔ پھر ملک صاحب اس بات کو بھول گئے ہیں۔ کہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کا دعویٰ مجدد و محدث کے علاوہ مسیح موعود کا بھی تھا

اور مسیح موعود کا کام احادیث نبویہ میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ حکم و عدل ہوگا۔ صلیب کو توڑے گا۔ اور خنزیر کو قتل کرے گا۔ گویا یہ کام بھی ملک صاحب کے نزدیک امت محمدیہ کے لئے بے فائدہ ہیں۔ حالانکہ بیشتر انبیائے بنی اسرائیل کا کام حسب آیت یَحْکُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا صرف حکمیت ہی تھا۔ پس کسی کا بشان حکمیت کے ساتھ مبعوث ہونا ازروئے قرآن مجید کوئی لغو کام نہیں بلکہ بہت فائدہ بخش کام ہے

ملک صاحب حضرت مرزا صاحبؑ کی بعثت کے دور کے عذابوں کو اپنے انکار و توہین کا نتیجہ قرار دینے پر اسی سوال کی ذیل میں اعتراض بھی کرتے ہیں۔ "گویا لوگ اس دعوی کے انکار سے عذاب میں مبتلا کئے جارہے تھے جس کو مدعی خود بھی نہ سمجھتا تھا۔" مگر ملک صاحب پر واضح ہو کہ کسی مامور من اللہ کا اپنے بعد آنے والے عذابوں کو اپنے انکار و توہین کا نتیجہ قرار دینا۔ گو وہ مدعی اس وقت اپنے آپ کو کامل نبی نہ سمجھتا ہو حضرت مرزا صاحبؑ کے نزدیک خلاف نصوص قرانیہ نہ تھا۔ کیونکہ آپؑ کے نزدیک آیت لَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ میں محدث و مجدد بھی شامل تھے۔ جو غیر نبی ہوتے ہیں (ملاحظہ ہو ایام الصلح ص۱۷۲) فرماتے ہیں:-

"رسولوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا تعالے کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں۔ خواہ وہ نبی ہوں یا رسول یا محدث یا مجدد"

اس سے ظاہر ہے کہ رسول یعنی مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ آپ کو اس وقت بھی تھا۔ جبکہ آپ ابھی اپنے آپ کو کامل نبی نہیں سمجھتے تھے بلکہ صرف نبوت جزیہ کے مدّعی تھے اور قرآن کریم یہ نہیں کہتا کہ عذاب نبی کی بعثت کے بعد آتا ہے۔ بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ عذاب رسول کی بعثت کے بعد آتا ہے چنانچہ:۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (سورہ بنی اسرائیل)

کی آیت اس پر شاہد ناطق ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ہم اس وقت تک عذاب بھیجنے والے نہیں یہاں تک کہ کوئی رسول بھیجیں۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ سورہ طٰہٰ ع ۸ میں فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى۔

کہ "اگر ہم انہیں رسول بھیجنے سے پہلے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ ہماری طرف کیوں رسول نہیں بھیجا گیا کہ ہم تیری آیات کی پیروی رسوا اور ذلیل ہونے سے پہلے کر لیتے۔"

سوال نمبر(۷)

کا مفہوم ملک صاحب کے الفاظ میں یوں ہے کہ:۔

"اس عرصے میں مرزا صاحبؑ کے مخالفین ان پر کفر کا فتویٰ اس بناء پر لگا رہے تھے کہ ان کے کہنے کے مطابق مرزا صاحبؑ نبوت کے مدعی اور عقیدہ ختم نبوت کے منکر تھے اور اس کے جواب

ہیں مرزا صاحب بار بار اعلان کرتے ہیں کہ مخالفین ان پر بلاوجہ غلط الزام لگا رہے ہیں......... ایدہ مرزا محمود احمدؓ صاحب کے اس خیال پر دوبارہ غور کیجیے "کہ آپ نبی کا نام اختیار کرنے سے انکار کرتے رہے اور نہیں جانتے تھے کہ میں دعوے کی کیفیت تو وہ بیان کرتا ہوں جو نبیوں کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتی، اور میں نبی ہونے سے انکار کرتا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس زمانہ میں بھی اس بارے میں مرزا صاحب کی پوزیشن غلط تھی اور ان کے مقابلے میں ان کے مخالفین کی درست تھی۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ نبی کی تکذیب کرنے والے تو اس کے الہام کا مطلب درست سمجھ رہے ہوں لیکن خود ملہم یہ مفہوم سمجھنے سے قاصر ہو۔؟"

الجواب یہ اعتراض ملک صاحب کے عدم تدبر اور پوری تحقیق نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ کفر کا فتویٰ دینے والے علماء نے آپؑ کے الہامات کو پیش کر کے فتویٰ کفر نہیں دیا بلکہ آپؑ کی بعض تحریرات سے یہ مغالطہ دے کر یہ فتویٰ دیا ہے کہ آپؑ مدعیٔ نبوت ہیں اس وجہ سے کافر ہیں۔ چنانچہ فتویٰ کفر کے اصل بانی مولوی محمد حسین فتویٰ کفر میں لکھتے ہیں:۔

"اگرچہ قادیانی نے یہ بات کہہ دی ہے کہ جس نبوت کا اس کا دعویٰ ہے اس کا دوسرا نام محدثیت ہے اور اس محدثیت کے معنی سے نبوت کا وہ مدعی ہے مگر ساتھ اس کے محدثیت کے معنی ایسے

بیان کئے ہیں اور اس کی حقیقت کی ایسی تشریح کر دی ہے کہ اس سے بجز نبوت اور کچھ مراد نہیں ہو سکتہ اس کی عبارت "توضیحِ مرام" میں صاف تصریح ہے جو صفحہ ۱۱۴ پر منقول ہے جو نبی کے معنی اور حقیقت ہے۔ اس سے یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ نے صرف لفظی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور اس میں صرف لفظی غلطی کا ارتکاب نہیں بلکہ آپ نبوت کو اپنی ذاتِ شریف میں محقق سمجھتے ہیں اور حقیقتاً اور معناً نبی ہیں۔" (فتویٰ کفر)

فتویٰ کفر کی اس عبارت سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ فتویٰ کفر حضرت اقدس علیہ السلام کے الہامات کے معنی پیش کر کے نہیں دیا گیا بلکہ حضرت اقدس علیہ السلام کی کتاب "توضیحِ مرام" کی ایک عبارت کو غلط معنی دے کر دیا گیا ہے۔ اب ملک صاحب "توضیحِ مرام" کی وہ عبارت ملاحظہ کریں تا ان پر ان کے اعتراض کی غلطی واضح ہو جائے۔ حضرت اقدس علیہ السلام لکھتے ہیں :-

"اور محدّث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے گویا اس کے لئے نبوتِ تامہ نہیں مگر تاہم جزئی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے اور امورِ غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں اور رسولوں اور نبیوں کی طرح اس کی وحی کو بھی دخلِ شیطان سے منزّہ کیا جاتا ہے اور شریعت کا مغز اس پر کھولا جاتا ہے اور انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے

کہ اپنے تئیں بآوازِ بلند ظاہر کرے اور اس کا انکار کرنے والا ایک حد تک مستوجبِ سزا ٹھہرتا ہے اور نبوت کے بجز اس کے اور کچھ معنی نہیں کہ امورِ متذکرہ بالا اس میں پائے جائیں۔"

(توضیحِ مرام صـــ ۱۹)

پھر اسی صفحہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس جگہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مسیحؑ کا مثیل بھی نبی ہونا چاہیئے کیونکہ مسیح نبی تھا تو اس سوال کا اول جواب تو یہی ہے کہ آنے والے مسیح کے لئے ہمارے سیّد و مولیٰؐ نے نبوت شرط[1] نہیں ٹھہرائی بلکہ صاف طور پر یہی لکھا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہوگا۔ اور عام مسلمانوں کے موافق شریعت قرآنی کا پابند ہوگا"

("توضیح مرام" صـــ ۱۹)

اس دوسری عبارت سے ظاہر ہے کہ اس کی موجودگی میں توضیحِ مرام سے دی گئی پہلی عبارت کی بنا پر مولوی محمد حسین صاحب کا آپ کو مدعیٔ نبوت قرار دینا سراسر زیادتی اور ظلم تھا۔ کیونکہ اس دوسری عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ اس زمانہ میں اپنے آپ کو غیر نبی قرار دے رہے تھے اور نبی کے لئے یہ شرط ضروری سمجھتے تھے کہ وہ غیر امتی ہوتا ہے۔ پہلی عبارت میں آپ نے صرف یہ بتایا ہے کہ نبوت کے تمام اجزا محدّث میں موجود ہوتے ہیں اور وہ مامور بھی ہو سکتا ہے اور جب مامور ہو تو اس کا ماننا فرض بھی ہو جاتا ہے لیکن محدّث چونکہ امتی ہوتا ہے اور اس وقت مخصوص شرطِ نبوت

---

[1] نبوت شرط نہیں ٹھہرائی یعنی حقیقی نبوت کا دعویٰ جس کے لئے غیر امتی ہونا ضروری ہے۔ شرط نہیں ٹھہرایا۔ دیکھیں نبوت کی تعریف مندرجہ صـــ ۳۲۹۔

آپ یہ سمجھتے تھے کہ نبی کسی دوسرے نبی کا امتی نہیں ہوتا۔ اس لئے ایک امتی کو جو خود دعویٰ نبوت کا انکار کر رہا ہو محض ادھوری عبارت کی بنا پر جس میں اس نے مامور محدث ہونے کا دعویٰ کیا ہے علماء کا اسے نبوت کے عرفی معنوں میں حقیقی نبی قرار دے دینا (جبکہ حقیقی نبی کے لئے ضروری شرط آپ اس کا غیر امتی ہونا سمجھتے تھے) فتویٰ کفر لگانے والے علماء کی صریح زیادتی ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب کا یہ ظلم عظیم ہے کہ انہوں نے حضرت اقدس کے مامور محدث ہونے کے دعویٰ کو صرف معناً ہی نبوت کا دعویٰ قرار نہیں دیا بلکہ اس دعوے سے آپؑ کو حقیقۃً مدعی نبوت قرار دیا ہے۔ حالانکہ حضرت مرزا صاحبؑ حقیقی نبی کے لئے اس زمانہ میں غیر امتی ہونا ضروری شرط سمجھتے تھے۔ اور نبوت کی تعریف یہ مانتے تھے کہ :۔

"نبی اور رسول ایسے شخص کو کہتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے کامل شریعت یا احکام جدیدہ لاتے ہیں اور بعض احکام شریعت سابقہ کے منسوخ کرتے ہیں۔ یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے اور براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔" (مکتوب مسیح موعودؑ الحکم ۷ اگست ۱۸۹۹ء)

اس تعریف سے ظاہر ہے کہ نبی کے لئے مخصوص شرط یہ ہے کہ وہ کسی دوسرے نبی کی امت نہیں کہلا سکتا۔ یہ تعریف لکھنے کے بعد آپؑ تحریر فرماتے ہیں :۔

"ہوشیار رہنا چاہیے کہ اس جگہ یہی معنی نہ سمجھ لیں۔

کیونکہ ہماری کتاب بجز قرآنِ کریم کے نہیں ہے اور کوئی دین بجز اسلام کے نہیں اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔"

پس مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور دیگر علماء کا آپ کو حقیقی نبوت کا مدعی قرار دیکر اس زمانہ میں فتوےٰ کفر لگانا درست نہیں تھا۔ کیونکہ اس وقت آپ محدثیت کے مدعی اور اپنے تئیں ایک امتی مامور یقین کرتے تھے اور مامور محدث اور نبی میں تباین مانتے تھے اور نبی کے لئے مخصوص ضروری شرط اس کا غیر امتی ہونا قرار دیتے تھے۔ ایسے وقت علماء کا آپ کی طرف حقیقی نبوت کا دعویٰ منسوب کرنا محض تعدّی اور ظلم ہے ایک مفتی کی شان سے یہ بعید ہے کہ کسی کے کلام کے خلاف منشائے متکلم معنی لے کر اس پر کفر کا فتویٰ لگائے۔ یہ فتویٰ دینے والے علماء خود بھی نبی کے لئے مستقلاً یا اصالتہً نبی ہونا یعنی اس کا غیر امتی ہونا ضروری سمجھتے تھے اور نبوت کے ایسے دعویٰ کو ہی ختمِ نبوت کے منافی سمجھتے تھے۔ حضرت مرزا صاحبؑ بھی اس وقت اس رسمی تعریفِ نبوت کو درست سمجھتے تھے اس لئے علماء کا آپؑ کی طرف حقیقی نبوت کا دعویٰ منسوب کرنا محض سینہ زوری تھی جو ان کو یہ کریڈٹ نہیں دیتی کہ مرزا صاحبؑ کی انکارِ نبوت کی پوزیشن تو غلط تھی اور ان کے مقابلے میں ان کے مخالفین کی درست تھی۔ بلکہ تعریفِ نبوت کے پیشِ نظر حضرتِ اقدس ہی کی پوزیشن

اس وقت درست تھی کہ آپ اپنے تئیں نبی نہ سمجھنا بعد کے انکشاف کے لحاظ سے اجتہادی غلطی تھی مگر مخالفین علماء کی فتویٰ کفر دینے میں پوزیشن بالکل غلط تھی۔ کیونکہ انہوں نے فتویٰ دیتے ہوئے مفتی کے فرائض اور ذمہ داریوں کو ملحوظ نہیں رکھا اور حضرت مرزا صاحبؑ کے خلاف اشتعال پیدا کرنے کے لئے ازراہِ بدگمانی فتویٰ کفر دیا ہے۔

سوال نمبر (۸) ملک صاحب کا آٹھواں سوال یہ ہے۔ کہ :-

"کیا مرزا صاحبؑ کی وحی ان کے قائم کئے ہوئے معیار پر پوری اترتی ہے۔ جس الہام کے معنی خود ملہم نہ سمجھ سکے۔ کیا اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یقینی امر ہے اور ظنی نہیں اور کیا یہ وہ کلام ہو سکتا ہے جس کے متعلق مرزا صاحبؑ فرماتے ہیں کہ خدا کا کلام اس طرح نازل ہوتا ہے جیسا کہ خدا کے پاک نبیوں اور رسولوں پر۔ وہ ظن سے پاک اور یقینی ہوتا ہے۔ وحی کی اس تشریح سے تو مرزا صاحب کو اپنے مقام کی نسبت غلطی لگنا ممکن ہی نہ تھا۔"

(احمدیہ تحریک ص ۳۲۷)

الجواب اس کے جواب میں واضح ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے قطعی اور یقینی وحی کے آپؑ پر نازل ہونے کے اعتراف کے صرف یہ معنی ہیں کہ اس وحی کے الفاظ قطعی اور یقینی طور پر خدا کا کلام ہیں۔ نہ ظنی طور پر۔ اور کسی کلام الٰہی کے معنی ایک وقت تک

کماحقہ، نہ سمجھنا اس کے قطعی طور پر خدا کا کلام ہونے کے خلاف کوئی اثر انداز نہیں ہو سکتا کیونکہ جب وحی کے اصل معنی سمجھنے میں انبیاء سے اجتہادی غلطی سرزد ہوتی ہے وہ وحی بھی اپنے الفاظ میں قطعی اور یقینی ہی ہوتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام پر جو وحی ان الفاظ میں نازل ہوئی ہے۔

قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ط

(سورۃ ھود ع ۴)

یعنی "ہم نے کہا۔ اس کشتی میں ہر قسم کے جوڑے دو دو سوار کرلو اور اپنے اہل و عیال کو بھی سوائے اس کے جس پر پہلے فرد جرم لگ چکا ہے۔"

قطعی اور یقینی طور پر خدا کی وحی تھی جو نوح علیہ السلام پر نازل ہوئی مگر اس کے معنی کے بارہ میں اجتہاد کرتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ سمجھا کہ میرا بیٹا میرے اہل میں شامل ہے۔ جن کو خدا نے بچانے کا وعدہ کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے خدا کو پکار کر کہا۔

رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ۔

(سُورہ ھُوْد ع ۴)

یعنی "میرے رب! میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچّا ہے۔"

اس پر خدا تعالیٰ نے فرمایا :-

إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ - إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ -

(سورہ ھود ع ۴)

کہ "یہ تیرے اہل میں سے نہیں کیونکہ اس کے اعمال صالحہ نہیں۔" پس وحی کے الفاظ کی قطعیت اور شئے ہے اور معنی کی قطعیت امر دیگر۔ مامور من اللہ اپنی وحی کی قطعیت کا قائل ہوتے ہوئے بھی اس کے معنی کی تشریح میں غلطی کھا سکتا ہے مگر وحی کے الفاظ بہرحال قطعی اور یقینی طور پر خدا کا کلام ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں :-

مَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ فَهُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِيْهِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِئُ وَاُصِيْبُ -

(نبراس شرح الشرح لعقائد نفسی ص۳۹۲)

کہ "جو بات میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتاؤں (یعنی الہامی الفاظ میں بتاؤں) وہ حق ہے اور جو کچھ اس میں (یعنی اس کی تشریح میں) اپنی طرف سے کہوں تو میں انسان ہوں۔ خطا بھی کر جاتا ہوں اور درست تشریح بھی کرتا ہوں۔"

سوال نمبر (۹)

میں ملک صاحب لکھتے ہیں :-

"جب مرزا صاحب اپنی غلطی سے آگاہ ہو گئے تو لازم تھا کہ اس سابقہ غلط فہمی اور اپنے عقیدہ میں تبدیلی کا

اعلان واضح اور غیر مبہم الفاظ میں کر دیتے لیکن انہوں نے کہیں ایسا اعلان نہیں کیا۔ یہ اعلان نہ کرنا مخالفین اور پیروؤں دونوں سے بے انصافی تھی .... لوگوں نے مرزا صاحب کی بیعت ان کو مجدد سمجھ کر کی تھی نہ کہ نبی۔ کیونکہ اس وقت تک مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ ہی نہیں کیا تھا۔ اس صورت میں ضروری تھا کہ ان کے مریدوں کو مزید غلط فہمی میں نہ رہنے دیا جاتا بلکہ ان سے دوبارہ بیعت لی جاتی تا لوگ سمجھ سوچ کر جماعت میں داخل ہوتے۔" (احمدیہ تحریک صفحہ ۳۲۸)

الجواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ اعلان اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں واضح طور پر اور غیر مبہم الفاظ میں کر دیا ہے کہ آپ نبی ہیں نہ کہ محض محدث۔ آپ نے بتایا ہے۔ کہ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ مشتمل بر امور غیبیہ حسب آیت لَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ نبوت ہے اس کی وجہ سے ہی انبیاء سابقین نبی کہلاتے رہے ہیں۔ چونکہ اس مکالمہ مخاطبہ کا امت کو وعدہ دیا گیا تھا اس لئے وہی موہبت نبوت جو پہلے انبیاء کو براہ راست ملا کرتی تھی اب امتی کو بالواسطہ ملتی ہے۔ (مفہوم حاشیہ اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ")

پھر اس اشتہار کے شروع میں ہی آپ اپنی نبوت کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ہماری جماعت میں سے بعض صاحب جو ہمارے دعویٰ اور

دلائل سے کم واقفیت رکھتے ہیں جن کو نہ بغور کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا اور نہ وہ ایک معقول مدت تک صحبت میں رہ کر اپنی معلومات کی تکمیل کر سکے وہ بعض حالات میں مخالفین کے کسی اعتراض کا ایسا جواب دیتے ہیں جو سراسر واقع کے خلاف ہوتا ہے اس لئے باوجود اہلِ حق ہونے کے ان کو ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔ چنانچہ چند روز ہوئے ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کا جواب محض انکار کے الفاظ میں دیا گیا حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں ہے۔ حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں لفظ رسول، مرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ۔ تو پھر کیونکر یہ جواب صحیح ہو سکتا ہے کہ ایسے الفاظ موجود نہیں۔ بلکہ اس وقت تو پہلے زمانہ کی نسبت بھی بہت تصریح اور توضیح سے یہ الفاظ موجود ہیں اور براہین احمدیہ میں بھی جس کو طبع ہوئے بائیس برس ہوئے یہ الفاظ تھوڑے نہیں۔"

ان الفاظ میں اس بات کا صاف اقرار موجود ہے کہ آپ کے مرید کا اس سوال کے جواب میں کہ جس کی تم نے بیعت کی ہے وہ نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ حضرت اقدس کے نبی یا رسول ہونے

کے دعوے سے محض انکار کے الفاظ سے جواب دنیا درست نہیں تھا۔
اس کے بعد آگے چل کر آپ اسی اشتہار میں اپنی نبوت کی تشریح کرتے
ہوئے لکھتے ہیں:۔

"خدا سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر
بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے اگر کہو اس کا نام محدّث
رکھنا چاہیئے تو میں کہتا ہوں تحدیث کے معنی کسی لغت کی کتاب
میں اظہار غیب نہیں ہے مگر نبوت کے معنی اظہار امر غیب ہے۔"

حضرت اقدسؑ نے اس عبارت میں اپنے آپ کو نبی پیش کیا ہے اور
اپنے مرتبہ کے اظہار کے لئے محض محدث کا لفظ کافی نہیں سمجھا حالانکہ
اس سے پہلے مسلمانوں کی دلجوئی والے اعلان میں آپ صاف لکھ چکے ہیں۔

"مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کے لئے اس لفظ (نبی)
کو دوسرے پیرایہ میں بیان کرنے سے کیا عذر ہو سکتا ہے سو
دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر جگہ
سمجھ لیں اور اس کو یعنی لفظ نبی کو کاٹا ہوا خیال فرمائیں۔"

مگر ۱۹۰۱ء میں اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں قرار دیتے ہیں کہ محدث
کا لفظ آپ کے مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لئے ناکافی ہے صرف نبی کا لفظ
ہی آپ کے مرتبہ کو ظاہر کر سکتا ہے۔ پس یہ بیان غیر مبہم الفاظ میں
اس بات کا اعتراف ہے کہ آپؑ اپنے پہلے عقیدہ میں لفظی تبدیلی کر
چکے ہیں۔ پھر آپؑ ریویو جلد اوّل نمبر ۶ صفحہ ۲۵۷ میں لکھتے ہیں:۔

"خدا نے اس امت میں مسیح موعودؑ بھیجا جو اس سے پہلے مسیحؑ سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔"

یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ مسیح موعودؑ کو نبی ہوئے بغیر مسیح ابن مریم سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

پھر نزول المسیح میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"دونو سلسلوں کا تقابل پورا کرنے کے لئے ضروری تھا کہ موسوی مسیحؑ کے مقابل پر محمدی مسیحؑ بھی شانِ نبوت کے ساتھ آئے تا اس نبوتِ عالیہ کی کسرِ شان نہ ہو۔"

یہ الفاظ بھی اپنے مضمون میں واضح ہیں کہ اس امت کا مسیح موعودؑ مسیحؑ موسوی کے مقابل پوری شانِ نبوت رکھتا ہے۔ غیر نبی نہیں۔ کیونکہ اس کے نبی نہ ہونے پر نبوتِ عالیہ محمدیہ کی کسرِ شان لازم آتی ہے۔

یہ سب عبارات اس بات پر روشن دلیل ہیں کہ سنہ ۱۹۰۱ء سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آپ کو غیر مبہم الفاظ میں نبی اور رسول حضرتِ عیسیٰؑ سے بڑھ کر اور مسیح موسویؑ کے بالمقابل شانِ نبوت کا رکھنے والا اقرار دے دیا تھا۔ اور اپنا نام محض محدث رکھنے سے لوگوں کو منع فرما دیا تھا۔

حالانکہ اس سے پہلے مسلمانوں کی دلجوئی پر آپ یہ اعلان کر چکے تھے کہ جن لوگوں کو لفظ نبی شاق گذرے وہ اسے کاٹا ہوا خیال فرمائیں۔ اب اس کے بالمقابل یہ کہنا کہ آپ کو غیر نبی محدث نہ سمجھا جائے اگر تبدیلیٔ عقیدہ کا واضح اور غیر مبہم اعلان نہیں تو اور کیا ہے؟

ملک صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ کے مریدوں نے آپؑ کو مجدّد سمجھ کر بیعت کی تھی۔ اگر ملک صاحب کا یہ خیال درست ہوتا تو ایسے واضح اعلان کے بعد وُہ کیوں آپؑ کا انکار نہ کر دیتے یہ ایک حقیقت ہے کہ آپؑ کے مریدوں نے آپؑ کو مسیح موعودؑ سمجھ کر بیعت کی تھی جس کا کام تجدیدِ دین ہے اُور مسیح موعودؑ کو بہ پیرایہ محدثیت وُہ جزئی نبی بھی سمجھتے تھے۔ تبدیلی عقیدہ کے اعلان پر ایسے لوگوں سے دوبارہ بیعت لینے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ بارِ ثبوت ملک صاحب کے ذمہ ہے کہ وہ بتائیں اعلانِ نبوت کے بعد کتنے آپکے مریدوں میں سے حضرت مرزا صاحبؑ کی اطاعت سے الگ ہوئے۔ دوبارہ بیعت لینے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اس بارہ میں یہی ہے کہ اپنی شان خاتم النّبیّین کے اعلان پر جو ایک غیر معمولی انقلابی مرتبہ تھا آپؐ نے دوبارہ بیعت نہیں لی بلکہ پہلی بیعت ہی کافی سمجھی ہے۔

ایک ضمنی اعتراض اُور اس کا جواب

ملک صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۳۴ پر لکھتے ہیں :۔

"ان حالات نے مرزا صاحبؑ کے لئے یہ ممکن کر دیا کہ اپنی کتب میں عجز اُور انکساری کے الفاظ اُور انتہائی غلوّ اُور تعلّی کے کلمات ایک ساتھ استعمال کرتے چلے گئے اُور معاملے کو اس حد تک خلط ملط کر دیا کہ مجموعی طور پر تمام کتب ایک چیستان بن کر رہ گئیں۔ جس پہ نہایت دیانتداری سے غور کرنے سے بھی قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ کہ مرزا صاحبؑ

کا دعویٰ کیا تھا۔؟"

ملک صاحب نے اپنی اس رائے کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ "ممکن ہے ہماری یہ رائے غلط ہو۔"

ہم بادب عرض کرتے ہیں کہ ملک صاحب کی یہ رائے واقعی غلط ہے اور محض بدگمانی پر مبنی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل حضرت اقدس کی عجز وانکساری اور قوم کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ اور فیض سے مقامِ نبوت پانے کا اقرار دو ایسے امور ہیں جن میں آپ کی کتب میں کوئی خلط ملط پایا نہیں جاتا۔ اور دیانتداری سے غور کرنے کے نتیجہ میں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ آپ امتی نبی ہیں۔ نبوت کا مقام آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے فیض اور آپ کی پیروی کے واسطہ سے حاصل کیا ہے۔ آپ شانِ نبوت میں مسیح ابن مریم سے کم نہیں بلکہ اپنی تمام شان میں مسیح ابنِ مریم سے بہت بڑھ کر ہیں۔ امتِ محمدیہ میں ہزارہا اولیاء ہوئے لیکن امتی نبی صرف ایک ہی ہوا ہے جو مسیح موعود ہے یہ امور آپ کی کتب میں نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں موجود ہیں۔ بدگمانی سے مجتنب رہ کر دیانتداری سے حضرتِ اقدس کی کتب کو پڑھنے والا انشاء اللہ ہمارے ساتھ ان پیش کردہ نتائج میں پورے طور پر متفق ہو گا۔

اشتہار ایک غلطی کا ازالہ پر اعتراضات کا جواب

پہلی نکتہ چینی ملک صاحب کا اعتراض اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" کی ابتدائی عبارت کے متعلق یہ ہے کہ :-

"کیا یہ ظلم صریح نہیں کہ مصنّف خود تو اپنی کتب کا مطلب نہ سمجھا ہو اور قارئین سے توقع رکھی جائے کہ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہوں جو ابھی بطنِ مصنف میں بھی موجود نہیں - مریدوں کی غلطی کی وجہ سے تو مرزا صاحب نے بتا دی کیا ان کی اپنی غلطی بھی اس وجہ سے تھی کہ انہیں اپنی کتابیں بغور دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا اور اپنی صحبت میں رہ کر معلومات کی تکمیل نہ کر سکے (احمدیہ تحریک ص ۳۲۹)

الجواب جواب میں واضح ہو کہ ملک صاحب کا یہ اعتراض محض ایک طنز اور تمسخر ہے ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام اپنی سابقہ کتب کا حوالہ اس لئے دیتے ہیں کہ ان میں جزئی نبوت کا اقرار موجود تھا اور ایک مبلغ کا فرض تھا کہ تبلیغ کرتے ہوئے وہ تفصیل سے بتاتا کہ کس رنگ میں آپ کو نبوت سے انکار ہے - اور کس رنگ میں آپ علیہ السلام دعویٰ کر رہے ہیں - محض انکار سے جواب دینا تو ایک مبلغ کے لئے مناسب نہ تھا ! اگر مخالف آپ علیہ السلام کی طرف حقیقی نبوت کا دعویٰ یعنی معروف تعریف کے ماتحت نبوت کا دعویٰ منسوب کرتا جس میں امتی

نہ ہونا شرط ہے تو پھر وہ مبلغ حضرت اقدس ؑ کی طرف سے نبوت کے دعویٰ کا انکار کر سکتا تھا۔

دوسری نکتہ چینی

اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اس بات کے ثبوت میں کہ براہین کے زمانہ سے آپؑ کو نبی کا نام دیا گیا ہے اپنے چند الہامات درج فرمائے ہیں۔ ان الہامات پر ملک صاحب نے کچھ نکتہ چینی کی ہے چنانچہ ایک الہام هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۔کے متعلق لکھتے ہیں:

"عجیب بات یہ ہے کہ "براہین احمدیہ" کے صفحہ ۴۹۸ پر مرزا صاحبؑ نے یہ آیت اپنے الہام کے طور پر درج نہیں کی وہاں صورت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے چند الہامات لکھنے کے بعد اس آیت کو بطور آیتِ قرآن الہامات کی تائید میں پیش کیا ہے۔" ص۳۲۰

الجواب

یہ درست ہے کہ براہین احمدیہ کے صفحہ ۴۹۸ پر حضرت مرزا صاحبؑ نے اس آیتِ قرآنیہ میں مسیح موعود کے لئے قرآنی اشارہ قرار دیا ہے۔ مگر اس سے صرف ایک سطر پہلے آپؑ لکھتے ہیں:-

"خدا تعالیٰ اپنے کلام مقدّس میں اشارہ فرما چکا ہے۔ چنانچہ وہ اشارہ حصّہ سوم کے الہامات میں درج ہو چکا ہے۔"

ان الفاظ کو پڑھ کر جب ہم حصّہ سوم میں درج شدہ الہامات کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس آیتِ قرآنی کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بطور الہام کے ہونا بھی اس میں صاف مذکور پاتے ہیں۔ چنانچہ براہین احمدیہ حصّہ

سوم ص ۲۳۹ پر یہ الہام مع سیاق کلام یوں درج ہے :-

"قُلْ اِنِ افتریتہٗ فعلیّ اِجرامی ھو الّذی ارسلَ رسولہٗ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلّہٖ لا مبدّل لکلمات اللّٰہ ظلموا و ان اللّٰہ علی نصرھم لقدیر...... الخ"

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ ملک صاحب نے اپنے اعتراض میں تحقیق سے کام نہیں لیا۔ صرف اعتراض برائے اعتراض کی خاطر نکتہ چینی کر دی ہے۔ تا یہ دکھائیں کہ حضرت اقدس ؑ نے غلط بیانی کی ہے۔ حالانکہ اس اعتراض میں ملک صاحب نے خود غلط بیانی کا ارتکاب کیا ہے۔ ان طریقوں سے بحث کو جیتا نہیں جا سکتا۔

تیسری نکتہ چینی "ایک غلطی کا ازالہ" میں دوسرا الہام براہین احمدیہ سے جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء درج کیا گیا ہے۔ اس کو ملک صاحب نے بطور الہام درج شدہ مانا ہے لیکن اس پر نکتہ چینی یہ کی ہے کہ وہاں یہ ترجمہ کیا گیا ہے :-

"جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء۔ جری اللّٰہ نبیوں کے حلّوں میں۔ اس فقرہ الہامیہ کے یہ معنی ہیں۔ کہ منصب ارشاد و ہدایت اور مورد وحی الٰہی ہونے کا دراصل حلّہ انبیاء ہے اور ان کے غیر کو بطور مستعار ملتا ہے اور حلّہ انبیاء امت محمدیہ کے بعض افراد کو بغرض تکمیل ناقصین

(عطا) ہوتا ہے اور اس کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علماء امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل پس یہ لوگ اگرچہ نبی نہیں مگر نبیوں کا کام ان کے سپرد کیا جاتا ہے۔"

یہ ترجمہ و تشریح نقل کرنے کے بعد ملک صاحب لکھتے ہیں:۔

"ہم حیران ہیں کہ اس عبارت سے وہ مطلب کیسے نکل سکتا ہے جو مرزا صاحبؑ نے اپنے رسالہ "ایک غلطی کا ازالہ" میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔"

"میری نسبت یہ وحی اللہ ہے۔ جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء یعنی خدا کا رسول نبیوں کے حلّوں میں۔"

الجواب واضح ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ابتداء میں نبوت کی عرفی تعریف کے پیش نظر اپنے دعویٰ کو محدثیت اور جزئی نبی تک محدود قرار دیتے تھے مگر آپ اس وقت بھی اپنے تئیں منصب ارشاد و ہدایت پر مامور یقین کرتے تھے گویا مستعار طور پر نبی اور رسول یقین کرتے تھے چنانچہ اس الہام کی تشریح میں براہین احمدیہ میں آپ کے یہ الفاظ بھی صاف موجود ہیں:۔

"کہ اس فقرۂ الہامی کے یہ معنی ہیں کہ منصب ارشاد و ہدایت اور مورد وحی الٰہی ہونے کا دراصل حلّہ انبیاء ہے اور ان کے غیر کو بطور مستعار ملتا ہے۔"

اس لحاظ سے براہینِ احمدیہ میں ہی جری اللہ فی حلل الانبیاء کے اصل معنی یہ ہوئے مستعار طور پر خدا کا رسول نبیوں کے حلّوں میں۔ لہٰذا اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں جو ترجمہ آپؑ نے درج کیا ہے اس میں اور براہین کے ترجمہ میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں کیونکہ اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں بھی آپؑ اپنے تئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور افاضہ کے واسطہ سے مقامِ نبوت و رسالت پانے کے مدّعی ہیں۔ اس لئے آپ کے دعویٰ کی کیفیت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا صرف اتنی تبدیلی ہوئی ہے کہ اپنے جس مقام کو آپؑ عرفی تعریف نبوت کے پیشِ نظر نبوتِ جزئیہ قرار دیتے تھے اب اُسے تعریف نبوت کی غلطی دُور ہو جانے پر نبوت کی ایک الگ قسم قرار دیتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور افاضہ کے واسطہ سے حاصل ہوتی ہے اور جری اللہ فی حلل الانبیاء کے الہام کو اپنے لئے اسی شان کے ذکر پر مشتمل قرار دیتے ہیں۔

چوتھی نکتہ چینی اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں جو الہام حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام براہینِ احمدیہ سے پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے :-

"محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔"

اور اس کے بارہ میں لکھتے ہیں :-

"اس وحی میں میرا نام محمدؐ رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔"

اس تیسرے الہام کے متعلق ملک صاحب کی نکتہ چینی یہ ہے کہ اس عبارت میں کہاں مرزا صاحب کا نام محمدؐ رکھا گیا یا ان کو نبی یا رسول کہا گیا ہے۔"

(احمدیہ تحریک ص۳۴۲)

نیز لکھتے ہیں:۔

"جس سیاق و سباق اور تشریح کے ساتھ یہ الہامات براہین احمدیہ میں درج کئے گئے ہیں ان سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہے کہ ان میں الفاظ نبی اور رسول سے مراد مرزا صاحب کی ذات نہ تھی الہامی عبارت کے ساتھ ہی مزید تصریح مرزا صاحب نے خود ہی کر دی ہے کہ ان کلمات کا حاصل مطلب تلطفات اور برکاتِ الٰہیہ ہیں جو حضرت خیر الرسلؐ کی متابعت کی برکت سے ہر ایک کامل مومن کے شاملِ حال ہو جاتی ہے اور حقیقی طور پر مصداق ان سب عنایات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ....اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر ایک مدح و ثناء جو کسی مومن کے الہامات میں کی جائے وہ حقیقی طور پر آنحضرتؐ کی مدح ہوتی ہے۔ اس وقت مرزا صاحب نے ان الہامات میں الفاظ نبی اور رسول کا مصداق رسولِ کریمؐ کو ہی سمجھا اور قرار دیا تھا۔" (احمدیہ تحریک ص۳۳۹)

الجواب ملک صاحب کی اس نکتہ چینی کا جواب خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ فقرہ ہے جو ملک صاحب نے اپنی اس

عبارت میں یوں درج کیا ہے:۔

"اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر ایک مدح و ثنا جو کسی مومن کے الہامات میں کی جائے وہ حقیقی طور پر آنحضرت صلعم کی مدح ہوتی ہے۔"

اس عبارت کے صاف یہ معنی ہیں کہ ملہم من اللہ بھی اس مدح و ثناء کا مورد ہوتا ہے مگر بالواسطہ اور ظلی طور پر۔ یہ نہیں کہ وہ اس مدح و ثناء کا بالکل مورد ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں ان الہامات سے اپنی ظلی نبوت کے استنباط کرنے کا حق براہین احمدیہ کی محولہ بالا عبارت کی رُو سے ضرور پہنچتا تھا اور اسی وجہ سے یہ الہامات اس اشتہار میں درج کئے گئے ہیں۔

پانچویں نکتہ چینی

حضرت اقدس ؑ چوتھا الہام اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں یوں پیش کرتے ہیں:۔

"پھر یہ وحی الٰہی ہے جو صفحہ ۵۵۷ براہین احمدیہ میں درج ہے۔ 'دُنیا میں ایک نذیر آیا' اس کی دوسری قرأت یہ ہے 'دُنیا میں ایک نبی آیا'۔"

اس الہام پر ملک صاحب بطور نکتہ چینی یہ سوال کرتے ہیں:۔

"کیوں مرزا صاحب ؑ نے اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی صرف یہ لکھدیا ہے کہ دوسری قرأت یہی ہے سوال یہ ہے کہ یہ قرأت کہاں ہے اور کیوں ہے۔ قرأت کہدینے سے تو کچھ ثابت نہیں

ہونا یہ تو صرف پڑھنے کے لئے عربی لفظ ہے۔"

الجواب ملک صاحب کا یہ سوال پڑھ کر ان کی ذہنیت کے متعلق عجیب تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اوٹ پٹانگ جو سوالات ان کے ذہن میں آتے ہیں۔ بلا سوچے سمجھے انہیں لکھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ بھی کوئی سوال ہے کہ کیوں مرزا صاحب نے اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی کہ دوسری قرأت بھی ہے۔ جبکہ حضرت اقدس کے لئے صرف یہ بتا دینا کافی تھا کہ اس کی دوسری قرأت یہ ہے۔ اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ دوسری قرأت والا الہام بھی ہوا ہے۔ اس لئے آپ نے اس کی دوسری قرأت بھی بتا دی۔ ملک صاحب سن لیں کہ یہ الہام آپ پر دو بار نازل ہوا ہے۔ ایک بار ان الفاظ میں :-

"دنیا میں ایک نذیر آیا۔"

اور دوسری بار ان الفاظ میں :-

"دنیا میں ایک نبی آیا۔"

یہ سوال کہ یہ قرأت کہاں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قرأت الہام الٰہی میں موجود ہے جس کا ذکر خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرما دیا ہے پھر ملک صاحب لکھتے ہیں۔ "قرأت کہہ دینے سے کچھ ثابت نہیں ہوتا یہ تو صرف پڑھنے کے لئے عربی لفظ ہے۔" ملک صاحب! قرأت پڑھنے کے لئے ایک لفظ ہی ہوتی ہے مگر لفظ بعض معنی پر دال ہوتا ہے اور اس قرأت میں لفظ نبی کا ہونا اس بات پر دال ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو براہینِ احمدیہ کے زمانہ میں ہی نبی کا نام بھی دیا تھا۔ ویسے نذیر کا لفظ بھی قرآنِ مجید میں نبی کے

معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خدا تعالیٰ صاف الفاظ میں فرماتا ہے :۔

اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا
دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔

(سورہ احزاب ع ۶)

اس جگہ نذیر و بشیر کہہ کر آپؐ کی نبوت کو ہی پیش کیا گیا ہے۔
قرآن مجید میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ

(سورہ فاطر ع ۳)

کہ "ہر امّت میں ایک نذیر یعنی نبی گذرا ہے"۔ چنانچہ اس کی تفسیر میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا
اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (سورہ نحل ع ۵)

کہ "ہم نے ہر امّت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور طاغوت (کی عبادت) سے اجتناب کرو!"

الغرض "اشتہار" ایک غلطی کا ازالہ" تبدیلیٔ عقیدہ کا پہلا اعلان ہونے پر نصّ صریح ہے۔ اور ملک صاحب کی اس پر نکتہ چینیاں محققانہ نہیں بلکہ معاندانہ ہیں۔

اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" کے متعلق ملک صاحب کا آخری نوٹ

ملک صاحب لکھتے ہیں:—

"رسالہ "ایک غلطی کا ازالہ" فی الواقع کسی غلطی کا ازالہ نہیں کرتا .... یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ غلطی کیا تھی اور اس کا ازالہ کیسے کیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ ہماری کم علمی اور نافہمی ہو (بے شک آپ درست فرما رہے ہیں ناقل) لیکن آپ حیران ہوں گے کہ اس نافہمی میں مرزا صاحب کی جماعت کے السابقون الاوّلون اور چوٹی کے علماء بھی شامل ہیں"

نوٹ کے متعلق ہماری رائے اور مولوی محمد علی صاحب کا سابق عقیدہ

بے شک ملک صاحب کی یہ نافہمی ہے۔ اگر وہ اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" کے منطوق کو کما حقہٗ فکر و تدبر سے کام لینے کی وجہ سے سمجھ نہیں سکے۔ جن چوٹی کے علماء کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے تو اپنا مقصد یہ قرار دے دیا تھا کہ حضرت اقدسؑ کو غیر نبی ثابت کریں۔ انہیں اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" کا مضمون کیسے سمجھ میں آ سکتا تھا۔ ان نہ سمجھنے والوں میں سے سب سے چوٹی کے عالم مولوی محمد علی صاحب مرحوم تھے وہ قادیان میں ریویو آف ریلیجنز کی ایڈیٹری کے زمانہ میں (۱۹۰۴ء میں) مولوی کرم دین جہلمی کے حضرت مرزا صاحبؑ کے خلاف استغاثہ میں باقرار صالح بطور گواہ یہ بیان دیتے ہیں:—

"مکذّب مدعیٔ نبوت کذّاب ہوتا ہے۔ مرزا صاحبؑ ملزم مدعی نبوت ہیں۔"

پھر انہوں نے "ریویو آف ریلیجنز" میں خواجہ غلام الثقلین سے تحریری بحث میں صاف لکھا ہے کہ خواجہ غلام الثقلین ایک مدعی نبوت کے خلاف میدان میں نکلے ہیں اور خواجہ غلام الثقلین صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کے بیان پر جو جرح کی اس پر مولوی محمد علی صاحب نے لکھا :-

"چار باتیں خواجہ غلام الثقلین نے آیت اِنّا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا کے ان معنوں کی تردید میں جو میں نے بیان کئے - پیش کی ہیں - (۱) شیطان نے خدا کی قسم کھائی کہ وہ سب کو گمراہ کرے گا ..... شیطان اپنے خیال میں سچا ہو گیا - (۲) قوم فرعون ان (بنی اسرائیل) کے شیر خوار بچوں کو قتل کر دیتی تھی - (۳) مسیح مصلوب ہوئے (۴) خلفاء اربعہ اور سبطین میں سے منجملہ چھ کس کے پانچ نفس دشمنوں کے ہاتھوں سے ہلاک ہوئے - بحث تو یہ تھی کہ سچے اور جھوٹے مدعی نبوت میں امتیازی نشان قرآن کریم نے کیا قرار دیا ہے - اب خواجہ غلام ثقلین خود ہی بتائیں کہ ان پیش کردہ امور میں سے سوائے تیسرے کے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں باقی مدعیٔ نبوت کون کون ہے - کیا شیطان مدعیٔ نبوت ہے - کیا بنی اسرائیل کے شیر خوار بچے مدعی نبوت تھے کیا خلفائے اربعہ اور سبطین مدعی نبوت تھے اگر نہیں تو ان باتوں کا امر زیر بحث سے کیا تعلق ہے ؟ " ریویو آف ریلیجنز جلد پنجم صفحہ ۴۳۲ م

ملک جعفر خان صاحب! خدا لگتی کہیں کہ اس زمانہ میں یہ چوٹی کا عالم جو بعد میں حضرت اقدسؑ کو غیر نبی ثابت کرنے کیلئے سارا زور قلم صرف کرتا رہا۔ اوپر کے بیان اور عبارتوں میں حضرت مرزا صاحبؑ کی زندگی میں آپؑ کو مدعی نبوت کی حیثیت سے پیش کر چکا ہے یا نہیں۔؟

پھر یہی مولوی محمد علی صاحب قادیان کے زمانہ میں آیت اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اور آیت مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ۔ (سورہ نساء ع ۹) کی تفسیر کے پیش نظر فرماتے ہیں:۔

"ہمیں بھی یہ دسیح دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی قبولیت بھی یقینی ہے۔ مخالف خواہ کچھ معنی کرے مگر ہم تو اس پر قائم ہیں کہ خدا نبی پیدا کر سکتا ہے۔ صدیق شہید اور صالح کا مرتبہ عطا کر سکتا ہے مگر چاہیئے مانگنے والا۔" (اخبار بدر ۱۲؍جولائی ۱۹۰۸ء)

افسوس کہ مولوی محمد علی صاحب مرحوم بعد میں ان معنوں پر قائم نہیں رہے مگر ہم لوگ جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی بیعت میں داخل ہیں، اب تک ان کے بتائے ہوئے ان معنی پر خدا کے فضل سے قائم ہیں۔ پس ایسے چوٹی کے علماء جو اپنا عقیدہ بدل لیں اور پھر بعد میں اس تبدیلی کا اعتراف کرنے کے لئے بھی تیار نہ ہوں۔ اپنے

خیالات نبوت مسیح موعود کے متعلق بدل لینے کے بعد اشتہار "ایک غلطی کا
ازالہ" سے نبوت مسیح موعود کو نہ سمجھیں تو ہم ان کی بعد کی باتوں کو جو انہوں
نے حضرت اقدسؑ کے وفات پا جانے کے لمبا عرصہ بعد وضع کیں۔ کیا وقعت
دے سکتے ہیں۔!

ملک صاحب نے اس مقام پر لاہوری فریق کے بعض لوگوں کا جو قسمیہ بیان ان الفاظ میں درج کیا ہے "کہ کبھی ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ ۱۹۰۱ء میں حضرت اقدسؑ نے اپنے دعویٰ میں تبدیلی کی" ایک غلط فہمی یا سادگی پر مشتمل بیان ہے کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے کہیں نہیں لکھا کہ حضرت اقدسؑ نے اپنے دعویٰ میں تبدیلی کی ہے بلکہ تبدیلی صرف تعریف نبوت میں ہوئی ہے نہ آپ کے دعویٰ کی کیفیت میں۔ آپ کے دعویٰ کی کیفیت شروع سے آخر تک امور غیبیہ کثیرہ پر اطلاع پانا تھی۔ اس کیفیت کا نام عرفی تعریف نبوت کے ماتحت جزئی نبوت اور محدثیت رکھا گیا۔ اور تعریف نبوت میں تبدیلی پر حضرت اقدسؑ نے اپنے تئیں جزئی نبی اور محض محدث کہلانا ترک کر دیا اور اپنا نام نبی رکھا چنانچہ ۱۹۰۱ء کے اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں حضرت اقدسؑ لکھتے ہیں:۔

"صحیح مسلم میں بھی مسیح موعود کا نام نبی رکھا گیا۔ اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانیوالا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے؟ اگر کہو اس کا نام محدث رکھنا چاہئے تو میں کہتا ہوں۔ تحدیث کے معنی کسی لغت کی کتاب میں اظہار امر غیب نہیں ہیں۔ مگر نبوت کے معنی اظہار امر غیب ہیں۔"

اس عبارت کی موجودگی میں ہم لاہوری فریق کے ان لوگوں کے قسمیہ بیان کو نرم سے نرم الفاظ میں سادگی یا غلط فہمی پر مشتمل قرار دینے کے لئے مجبور ہیں۔

مولوی محمد علی صاحب مرحوم سابق امیر غیر مبایعین کے اپنے بیانات جو اوپر درج ہو چکے ہیں۔ اس بات پر شاہد ناطق ہیں کہ حضرت اقدسؑ کو نبی مانتے رہے مگر بعد میں خلافتِ احمدیہ کے انکار کے ساتھ نبوت مسیح موعود سے انکار کر دیا۔

ختمِ نبوّت

ختمِ نبوت کے عنوان کے تحت ملک صاحب نے اپنی کتاب کے آخر میں صفحہ ۳۴۶ سے صفحہ ۳۸۸ تک جو باب لکھا ہے۔ اس میں ختمِ نبوت کے بارہ میں بالکل ایک جدید نظریہ اختیار کیا ہے۔ جس کا نہ قرآن مؤید ہے۔ نہ احادیثِ نبویہؐ۔ بلکہ قرآنِ مجید اور احادیث دونوں اس کے خلاف ہیں اور اولیائے امّت کے اقوال و تجارب بلکہ عقل بھی اسے ردّ کرتی ہے اور جمہور مسلمانوں نے قرنِ اوّل سے لیکر اس وقت تک کبھی اس نظریہ کو اختیار نہیں کیا۔ ملک صاحب موصوف بزعمِ خود اس نظریۂ جدیدہ کو علّامہ اقبال کی سند پر پیش کر رہے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے ختمِ نبوت کے بڑے عنوان کے ذیل میں دوسرا چھوٹا عنوان "منذرِ اقبال" دیا ہے۔

نظریہ کا ماحصل اس نظریہ کا ماحصل یہ ہے کہ نوعِ انسانی اپنی عقل کے لحاظ سے قرآنِ مجید کے نزول کے بعد دورِ عقلیت میں داخل ہو کر خدائی الہام کی راہنمائی اور شریعت کے خارجی سہارے سے آزاد ہو چکی ہے۔ ملک صاحب کے نزدیک قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان معنوں میں خاتم النبیّین قرار دیا ہے کہ اب انسان کو عقل کے ارتقاء پا جانے پر کسی خارجی سہارے کی ضرورت نہیں اور وہ اپنے تمام مسائلِ دینیہ و دنیویہ کو صرف آزاد عقل کے ذریعہ حل کرنے کے لئے آزاد

ہے۔ خارجی سہارے یعنی شریعت اور الہام نوع انسانی کے دورِ طفولیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ عقل کو ارتقاء کے نظریہ کے ماتحت اپنی حیوانی کے ایام میں جسے ملک صاحب دورِ عقلیت سے تعبیر کرتے ہیں ان خارجی سہاروں یعنی شریعت و الہام کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ملک صاحب اس نظریہ کو علامہ اقبالؔ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

علامہ اقبالؔ کے نظریہ دورِ عقلیت (نظریہ ختمِ نبوت) کی حمایت و تشریح میں غلام احمد صاحب پرویز نے بھی قلم اٹھایا ہے لیکن انہوں نے اس کی تشریح کرتے ہوئے دورِ عقلیت میں قرآن مجید کی ضرورت سے انکار نہیں کیا۔ چنانچہ وہ خارجی مدد کا دورِ عقل میں انکار کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں:۔

"البتہ اس مقام پر اسے (انسان کو) ایک چیز کی ضرورت باقی رہتی ہے .... اور یہ احتیاج فقط یہ ہے کہ شاہراہِ زندگی میں جہاں جہاں دوراہے آئیں وہاں نشانِ راہ (Sign Post) نصب ہوں جن پہ واضح اور بین الفاظ میں لکھا ہو کہ راستہ کدھر جاتا ہے۔"

(اقتباس ماخوذ از "احمدیہ تحریک" صفحہ ۳۶۰ و ۳۶۱)

یہ عبارت پرویز صاحب کے طویل اقتباس کا آخری حصہ ہے۔ ملک صاحب کے نزدیک اس عبارت میں پرویز صاحب نے علامہ اقبالؔ کے نظریہ کی صحیح ترجمانی نہیں کی چنانچہ ملک صاحب پرویز صاحب کی کتاب

"نظامِ ربوبیت" کے بارہ میں لکھتے ہیں :-

"اس عظیم کتاب کے موضوع کا مرکزی خیال وحی اور عقل کا تقابل ہے۔ مصنف کے نزدیک نظامِ ربوبیت کے لئے تنہا عقل کی راہ نمائی کافی نہیں بلکہ ہر دور میں اس نظام کی بنیاد وحی پر رکھنا ناگزیر ہے یہیں کہنا پڑتا ہے کہ ترجمانِ اقبال (پرویز صاحب) نے اس معاملہ میں اقبالؒ کے فکر کی پوری ترجمانی نہیں کی۔ اقبالؒ کے جن اشعار سے عقل کی کوتاہی ملتی تھی۔ مصنف نے ان کو نمایاں طور پر لکھ دیا لیکن خطبات کا ذکر نہیں کیا جہاں کہ اقبالؒ نے وحی اور عقل کی نسبت اصولی اور سائنٹیفک بحث کی ہے۔" (احمدیہ تحریک صفحہ ۳۶۳)

اور آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"وہ نقطہ جس پر پہنچ کر پرویز صاحب اور علامہ اقبالؒ کے خیال میں اختلاف ایک شدید صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ نوعِ انسانی کے عالمِ جوانی میں وحی کے مقام کی نسبت ہے۔ پرویز صاحب کے نزدیک ختمِ نبوت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انسانی ذہن نے سِنِّ بلوغ حاصل کر لیا ہے۔ اس مقام پر پہنچنے کے بعد آئندہ ارتقاء کے لئے جدید وحی کے ذریعہ ہدایت پہنچانا ضروری نہیں رہا جو اصولی غیر متبدل قواعدِ عمل ایسے ہیں جن کو عقل وضع نہیں کر سکتی وہ ایک مستقل

اور منزّہ من الخطاء وحی کی صورت میں مہیّا کر دیئے گئے ہیں اور اس وحی کی ہمیشہ کے لئے حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا ہے۔ ان اصولی قواعد کے اندر رہتے ہوئے انسان کو تفصیلِ احکام اپنی عقل کی قوت سے خود متعین کرنے ہیں۔

فی الواقع یہ خیالات نظریہ ارتقاء کی درست تعبیر نہیں ہیں۔ حقیقتاً یہ طرزِ فکر انسان کو آزاد کرنے کی بجائے اس کو جدید اور پہلے سے زیادہ سخت پابندیوں میں جکڑنے کا موجب ہیں۔ لیکن اس کی تصریح ذرا بعد میں آئیگی کہ اس ضمن میں بھی علامہ اقبال کا نظریہ پرویز صاحب کے خیال سے واضح مختلف ہے۔ اقبال کے نزدیک ارتقاء کے آخری دور میں انسان کے لئے عمل کے تمام قواعد کی نسبت (خواہ وہ اصولی ہوں یا تفصیلی اور فروعی) تنہا عقل پر انحصار کرنا مقدر ہے۔" (احمدیہ تحریک صفحہ ۳۶۲، ۳۶۳)

ملک صاحب اس کے بعد علامہ اقبال کا یہ اقتباس پیش کرتے ہیں:—

"اس (ختم نبوت) سے مراد اس امر کا شدید احساس ہے کہ زندگی ہمیشہ کے لئے خارجی سہارے کی محتاج نہیں رہ سکتی

ل گویا ملک صاحب کے نزدیک قرآنِ مجید کی ضرورت کا اس طرح منوانا انسان کو آزاد کرنے کی بجائے دورِ عقل میں اسے پہلے سے زیادہ سخت پابندیوں میں جکڑنے کا موجب ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مسلمان کہلاتے ہوئے یہ لادینی۔ دینی موت کے مترادف ہے۔

اور یہ کہ خود شعوری کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ بالآخر انسان محض اپنی استعداد پر انحصار کرنے لگے ....

....

عقل اور جوہر استنباط کی پیدائش کے ساتھ زندگی خود اپنے مفاد کے لئے ان غیر عقلی ذرائع کے شعور کی نمود اور افزائش کو بند کر دیتی ہے۔ جن میں اس کی ذہنی قوت انسانی ارتقاء کے نسبتاً ابتدائی دور میں جاری تھی۔ قیاس کرنے والی عقل جو انسان کو اس کے ماحول پر حاوی بناتی ہے ایک حاصل کی ہوئی استعداد ہے۔ اس استعداد کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی اس کو مزید تقویت کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ علم کے دیگر ذرائع کی مناہی کر دی جائے۔" (احمدیہ تحریک ص۳۶۴)

یہ اقتباس ملک صاحب نے علامہ اقبال کی تحریر کا پیش کیا ہے۔ ملک صاحب موصوف اس کی رُو سے پرویز صاحب کے خیال پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"ہم نے ابھی کہا ہے کہ پرویز صاحب کا نظریہ نہ صرف علامہ اقبال کے عقیدہ کی غلط توجیہہ ہے بلکہ اس سے انسان اپنے فکر وعمل میں آزاد ہونے کی بجائے پہلے سے زیادہ سخت پابندیوں میں جکڑا جاتا ہے۔ بظاہر پرویز صاحب پیشوائیت کے خلاف ہیں لیکن حقیقتاً ان کی تعلیم ایک جدید اور نہایت سخت گیر

پیشوائیت کی بنیاد ہے۔ پرویز صاحب کے نزدیک ختم نبوت
کے بعد ہماری احتیاج فقط یہ ہے کہ شاہراہِ زندگی میں جہاں
جہاں دوراہے آئیں وہاں نشانِ راہ (SIGN POST)
نصب ہوں جن پر واضح اور بیّن الفاظ میں لکھا ہو کہ یہ راستہ
کدھر جاتا ہے اور دوسرا راستہ کس طرف۔ اب صورت یہ ہے
کہ زندگی کے ہر لمحے ہم ایک دوراہے سے دوچار ہیں Sign
Post (نشانِ راہ ناقل) سے پرویز صاحب کی مراد قرآنی
آیات ہیں لیکن کیا ان نشانِ راہ Sign Post پر کوئی واضح اشارہ
موجود ہوتا ہے اس پر ہم متفق ہیں کہ قرآنی آیات میں جو ہدایت
درج ہے وہ واضح اور بیّن ہے خود قرآن کا دعویٰ یہی ہے
لیکن مشکل یہ ہے کہ بیشتر آیات کے جو معانی پرویز صاحب
کرتے ہیں وہ "آج تک" کسی نے نہیں کئے اور قرآن کی ظاہری
عبارت سیاق و سباق اور تاریخی پس منظر کے سراسر خلاف
ہیں۔ اس صورت میں اگر پرویز صاحب کے معانی درست ہیں
تو قرآنی آیات ایک ایسا Sign Post ہے جس کی
عبارت سمجھنے کے لئے ہر وقت ایک مذہبی راہ نما کی ضرورت قائم
رہے گی۔ بلکہ اس صورت میں بہتر یہی ہوگا کہ یہ راہ نمائی ایک
نبی کے ذریعہ کی جائے تاکہ اگر قرآن کے معنی ہماری عقل
کے مطابق نہیں ہیں تو کم از کم ہمیں یہ تو تسلی ہو کہ ان معانی

کی تائید وحی سے کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک درست صورت یہ ہے کہ ختمِ نبوت کی تکمیل پر انسان مکمل طور پر آزاد ہے جس طرح راستے پر چلنا اس کے اختیار میں ہے۔ اسی طرح Sign Post مقرر کرنا بھی اس کا اپنا کام ہے۔ جو خیال اس صورتِ حال کے خلاف ہے وہ لازماً اس حد تک نظریۂ ختمِ نبوت کے خلاف ہے۔"

(احمدیہ تحریک ص۳۷۷ و ص۳۷۸)

قارئین کرام ہمیں اس بات سے بحث نہیں کہ علامہ اقبالؔ کا نظریہ ختمِ نبوت یا نظریۂ دَورِ عقلیت کا مفہوم دراصل کیا ہے۔ ہمیں بحث صرف اس بات سے ہے کہ ملک صاحب کیا نظریہ پیش کر رہے ہیں۔ گو وہ اس کو علامہ اقبال کی طرف منسوب کر رہے ہوں۔ اس امر کا جائزہ لینا کہ ملک صاحب علامہ اقبال کا نظریہ صحیح طور پر پیش کر رہے ہیں یا پرویز صاحب یہ علامہ اقبالؔ کے شاگردوں کا کام ہے۔ اوپر کے اقتباسات سے ملک صاحب کا عندیہ ان کی اس تنقید سے صاف ظاہر ہو گیا ہے جو انہوں نے پرویز صاحب کے بیان پر کی ہے۔ پرویز صاحب دَورِ عقلیت میں قرآنِ مجید کی ضرورت کے قائل ہیں اور ختمِ نبوت کا مفہوم یہ نہیں بتاتے کہ دورِ عقلیت میں انسان قرآنی شریعت سے بھی مستغنی ہو جاتا ہے۔ لیکن ملک صاحب نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا ہے اور علامہ اقبال کے بعض اقتباسات پیش کر کے ان کا اپنے الفاظ میں یہ نتیجہ پیش کیا ہے کہ دورِ عقلیت میں قرآن مجید

کی بھی حاجت نہیں رہی۔ زندگی کی شاہراہ میں جہاں بھی دوراہے آئیں وہاں قرآن مجید کی آیات میں نشانِ راہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ختم نبوت کی تکمیل پر انسان مکمل طور پر آزاد ہے جس طرح راستہ پر چلنا اس کا اختیار ہے۔ اسی طرح نشانِ راہ قائم کرنا بھی اس کا اپنا کام ہے۔ اس امر کو وہ ختمِ نبوت کی تکمیل کا ضروری نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اور جو صورت اس کے خلاف ہو اسے نظریۂ ختمِ نبوت کے منافی سمجھتے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ملک صاحب کے نزدیک پرویز صاحب بھی ایک حد تک ختمِ نبوت کے منکر ہیں۔ یعنی قرآنی ضرورت کا احساس اور اس کو آئندہ کے لئے راہ نما قرار دینا ملک صاحب کی تشریح کے مطابق علامہ اقبال کے مسلّمہ نظریۂ ختمِ نبوت کے خلاف ہے۔ ملک صاحب موصوف قرآن کو Sign Post (نشانِ راہ) قرار دینے کی صورت میں یہی بہتر قرار دیتے ہیں کہ پھر یہ راہ نمائی ایک نبی کے ذریعہ کی جائے تاکہ اگر قرآن کے معنی ہماری عقل کے مطابق نہ ہوں تو کم از کم ہمیں یہ تو تسلی ہو کہ ان معانی کی تائید وحی سے کی گئی ہے (احمدیہ تحریک ص ۳۷۷)

اس سے ظاہر ہے کہ اگر قرآن مجید کی ضرورت کو مانا جائے تو ملک صاحب کو احساس ہوگا کہ پھر نبی کی ضرورت بھی تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ نبی کی ضرورت کا انکار اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ قرآنِ کریم کو بھی کلیتہً فارغ خطی دے دی جائے اور اس کی آیات و احکام کو شاہراہِ زندگی کے دوراہے پر بھی جو ہر لمحہ پیش آتے ہیں۔ نشانِ راہ کے طور پر

استعمال نہ کیا جائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اسے تصرفِ الٰہی سمجھنا چاہیئے کہ ملک صاحب کو محسوس ہوگیا ہے کہ قرآنِ مجید کی ضرورت مان کر عقلوں کے اختلاف کی وجہ سے اس کے معانی میں ایسا اختلاف پیدا ہو سکتا ہے کہ جس کے متعلق راہ نمائی کے لئے ایک نبی کی ضرورت ہو۔ چونکہ ملک صاحب آزاد عقل کے دلدادہ تھے اور کسی نبی کی پیشوائی کو بھی اپنے مزعوم دورِ عقل میں ماننے کے لئے تیار نہ تھے اس لئے انہوں نے قرآنِ مجید کی ضرورت سے بھی انکار کر دیا۔ پس ان کے ختمِ نبوت کے نظریہ کا ماحصل یہ نکلا کہ قرآنِ مجید کے نزول کے بعد اس کی ضرورت بھی ختم ہو چکی ہے۔ یہ امر احمدیت کے مقابلہ میں ان کی شکست کا واضح اعتراف ہے۔ جس نے ان کی ساری کتاب پر پانی پھیر دیا ہے۔ احمدیت کو مان کر جو اس کا منکر ہو جائے اس کا یہی انجام ہونا چاہیئے تھا کہ وہ لادینی کے گہرے گڑھے میں جا پڑتا۔

اے احمدی نوجوانو! آپ نے دیکھ لیا ہے کہ ملک صاحب موصوف تمہیں کہاں پہنچانا چاہتے ہیں۔ وہ عقل کی پوجا پیش کر کے تمہیں قرآن مجید کے گوہرِ ہدایت سے محروم کرنا اور روحانیت کے بلند آسمان سے قعرِ لادینی میں گرانا چاہتے ہیں۔ آپ لوگوں سے صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انکار کرانا ہی ان کے مدِّ نظر نہیں بلکہ وہ آپ کو اس آخری سٹیج تک لے جانا چاہتے ہیں۔ جو قرآنِ مجید کی اتم و اکمل شریعت کے انکار کے ساتھ خالص الحاد اور لادینی کی سٹیج ہے۔ یہ ملحدانہ نظریہ کہ دورِ عقلیت میں انسان شریعتِ حقہ اسلامیہ سے بھی کلیتہً آزاد ہے اور شاہراہِ زندگی میں اسے کسی مذہبی نشانِ راہ

کی ضرورت نہیں۔ دراصل یورپ کے ملحدانہ فلسفہ کی پیداوار ہے کیونکہ شریعت سے آزاد ہونے کا نظریہ یورپ کے عیسائی فرقوں کی مذہبی جنگوں کے ردِّ عمل کے طور پر سیکولرازم (لادینی) کی صورت میں منصۂ شہود پر آیا ہے۔ یورپ کے فلاسفروں نے جب دیکھا کہ مختلف عیسائی فرقے مذہب کے نام پر خون ریزی کو جائز سمجھتے ہیں اور دین کے بارے میں ہر قسم کا جبر و تعدی روا رکھتے ہیں۔ تو انہوں نے ایسا نظریہ اختیار کیا جس سے کم از کم معاشرہ میں مذہب سے آزادی حاصل کر لی جائے چنانچہ انہوں نے مذہب کا تعلق صرف اور صرف عبادتِ الٰہی اور تزکیۂ نفس سے قرار دے کر معاشرہ میں اس کا کوئی عمل دخل قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پس سیکولرازم "مذہب میں جبر جائز ہے" کے فاسد خیال کا ردِّ عمل ہے اور یہ نظریہ درحقیقت مذہب کی غلط ترجمانی کی پیداوار ہے ورنہ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ جو مذاہب خدا کی طرف سے آئے ہیں ان میں قطعاً جبر کی تعلیم نہیں دی گئی۔ جبر کا عقیدہ ان مذاہب کے ان علماء کے دماغوں کی پیداوار ہے جو لوگوں پر اپنی حکومت مسلّط رکھنا چاہتے ہیں۔ اسلام تو شروع سے ہی مذہب میں جبر کے نظریہ کا حامی نہیں کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرما دیا ہے:۔

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔ (پارہ ۳ ع ۲)

کہ "دین کے بارہ میں کوئی جبر جائز نہیں ہدایت کا راستہ گمراہی کے راستے سے واضح ہو چکا ہے۔"

مسلمانوں کے تمام فرقے خدا کے فضل و کرم سے قرآنِ مجید کو خدا تعالیٰ کی آخری شریعت اور اسے قیامت تک کے لئے تمام قوموں اور نسلوں کے لئے ضروری پیغامِ ہدایت سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ملک صاحب کے نظریہ دورِ عقلیت کو خواہ اسے علامہ اقبالؔ جیسے مفکر کی سند پر ہی پیش کیا جائے۔ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ یہ نظریہ قرآنِ مجید کی اتم - کمل اور دائمی شریعت کی روح اور تعلیم کے سراسر خلاف ہے اور اس نظریہ کی تغلیط قرآنِ کریم کی واضح اور محکم آیات سے ہوتی ہے۔ ملک صاحب کو خود بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ نظریہ مسلمانوں میں مقبول نہیں ہو سکا مگر وہ احمدیت کی مخالفت کے پردہ میں مسلمانوں میں اس نظریہ کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں تا انہیں لادین بنایا جائے۔ اس نظریہ کے اس وقت تک مقبول نہ ہونے کا اعتراف ملک صاحب ذیل کے الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"ہمیں اعتراف ہے کہ نبوت کی نسبت علامہ اقبالؔ کے اس نظریہ کو دورِ حاضر کے مسلمانوں (بالخصوص طبقۂ علماء) نے بہت کم قبول کیا ہے۔ ہمارے پاکستان کے اہلِ علم حلقوں میں محترم غلام احمد صاحب پرویز تنہا وہ شخص ہیں جنہوں نے علامہ اقبال کے نظریہ کا تتبع کیا ہے۔" (احمدیہ تحریک ص ۳۵۸ و ص ۳۵۹)

تعجب ہے کہ دورِ عقل شروع ہے۔ ملک صاحب کے نزدیک عقل ارتقائی منازل طے کر کے جوان ہو چکی ہے لیکن پھر اس پر معاذ اللہ کچھ ایسے پتھر پڑ گئے ہیں کہ ارتقاء کے زینے طے کر لینے پر بھی وہ اس نظریہ کو

اپنانے کے لئے تیار نہیں ہوئی۔ جس کو ملک صاحب علامہ اقبال جیسے مفکر کی سند پر پیش کرکے منوانا چاہتے ہیں۔ ملک صاحب کے نزدیک علامہ اقبال کے اس نظریہ کو اب تک صرف ایک شخص نے سمجھ کر قبول کیا ہے اور وہ تنہا ملک محمد جعفر خان صاحب ایڈووکیٹ ہیں۔ پرویز صاحب نے صرف اس کا بظاہر یعنی ادھورا تتبّع کیا ہے۔ ملک صاحب کے نزدیک وہ اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکے۔

جب پڑھے لکھے سمجھدار مسلمانوں میں اس نظریہ کی مقبولیت کا یہ عالم ہے تو احمدی نوجوان ایسے کم عقل نہیں کہ وہ اس نظریہ کو قبول کرکے لادینی اور ضلالت کے اتھاہ گڑھے میں گرنے کے لئے تیار ہوں جس میں ملک صاحب خود بھی گرے ہیں اور دوسروں کو بھی گرانا چاہتے ہیں۔

قارئین کرام معلوم کر چکے ہیں کہ ملک صاحب نے دورِ عقلیت میں قرآن مجید کی ضرورت سے بطور نشانِ راہ بھی یہ کہہ کر انکار کر دیا ہے کہ:۔

"ہمارے نزدیک درست صورت یہ ہے کہ ختم نبوت کی تکمیل پر انسان مکمل طور پر آزاد ہے جس طرح راستے پر چلنا اس کے اختیار میں ہے اسی طرح Sign Post۔ (نشانِ راہ۔ ناقل) مقرر کرنا بھی اس کا اپنا کام ہے جو خیال اس صورتِ حال کے خلاف ہے وہ لازماً اس حد تک نظریۂ ختم نبوت کے خلاف ہے۔"

جب دورِ عقل ہی قرآنِ مجید کو نشانِ راہ کے طور پر استعمال کرنے کی

بھی ضرورت نہ رہی تو اگر مسلمان ملک صاحب کا یہ نظریہ قبول کرلیں۔ تو پھر انہیں مسلمان کہلانے کی بھی ضرورت نہ رہے گی۔ عیسائیوں کو عیسائی کہلانے کی ضرورت نہ رہے گی۔ یہودیوں کو یہودی کہلانے کی ضرورت نہ رہے گی۔ اگر تمام اہل مذاہب کو لامذہب اور ملحد بنانا اس نظریہ کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے۔؟

ملک صاحب کے فاسد نظریہ کی تردید

قارئین کرام ملک صاحب کے اقتباسات سے معلوم کر چکے ہیں کہ ملک صاحب نے ختمِ نبوت کے خود ساختہ مفہوم کا جو نظریہ پیش کیا ہے۔ جسے وہ دورِ عقلیت کے نظریہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور اس کے لحاظ سے ارتقائے ذہنی کے کمال پر یا ان کے الفاظ میں یوں کہیئے کہ ختمِ نبوت کی تکمیل پر نہ کسی الہام کی ضرورت باقی رہتی ہے نہ خود شریعتِ اسلامیہ کی۔ یہ ایک سخت فاسد اور لادینی نظریہ ہے کیونکہ اس نظریہ کی رُو سے مسلمانوں کے لئے قرآن شریف کی پیروی اور تتبع کی بھی کوئی حاجت نہیں رہتی اگر علامہ اقبالؔ کی مراد بھی اس نظریہ سے یہی ہے جو ملک صاحب ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں تو اس کے یہ معنے ہوتے کہ علامہ اقبالؔ جیسے مفکر نے اپنی آخری عمر میں ایک ایسا نظریہ قوم کے سامنے رکھا ہے جس میں ضرورتِ قرآن سے انکار کر کے اس کے ڈانڈے لادینی اور الحاد سے ملا دیتے ہیں کیونکہ اس نظریہ کی رُو سے الہام کی ضرورت سے انکار کر کے صرف احمدیت کی ضرورت سے ہی انکار

کرانا مقصود نہیں بلکہ اسلام کی ضرورت سے بھی انکار کرانا مقصود ہے۔
اگر علامہ اقبال کے اس نظریہ کا یہ مفہوم نہیں جو ملک صاحب نے ان کی طرف منسوب کیا ہے تو پھر اس مفہوم کو علامہ اقبال کی طرف منسوب کرکے ملک صاحب نے ان پر انتہائی ظلم کیا ہے اس حالت میں علامہ اقبال کے شاگردوں کا یہ خاص فرض ہے کہ وہ ملک صاحب کے خیالات کی پر زور تردید کریں۔ اس نظریہ کو درست طور پر منسوب ماننے کی صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ملک صاحب نے علامہ اقبال سے یہ نظریہ منسوب کرکے ان کی مفکرانہ پوزیشن کو سخت خطرہ میں ڈال دیا ہے کیونکہ اس کے یہ معنی ہوئے کہ علامہ اقبال نے ساری عمر حمایتِ اسلام کے بعد ضرورتِ اسلام سے انکار کر دیا
تعجب ہے کہ ملک صاحب احمدی نوجوانوں کو تو یہ ہدایت کرتے ہیں کہ وہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے متعلق تحقیقات کرتے ہوئے کسی بڑی سے بڑی سند کو بھی خاطر میں نہ لائیں۔ یہ تو ہوئی ان کی ہدایت۔ مگر ان کا اپنا عمل بالکل اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ وہ خود ایک مفکر کے نہ صرف بے دام غلام بن گئے ہیں بلکہ اس کی سند پر دوسرے مسلمانوں کو بھی قرآن کریم کی ضرورت اور احتیاج سے منکر بنانا چاہتے ہیں
ع "منکرِ مے بودن و ہمرنگِ مستاں زیستن" اسی کو کہتے ہیں۔

نظریہ کی تردید

اب ہم خدا کے فضل سے اس نظریہ کی تردید میں بعض دلائل عقلیہ و نقلیہ پیش کرتے ہیں۔ ہماری تحقیق میں یہ نظریہ توحیدِ الٰہی کے بھی خلاف ہے۔ قرآن مجید کی واضح اور یقینی

نصوص بھی اسے ردّ کرتی ہیں۔ احادیثِ نبویہؐ کے بھی خلاف ہے۔ صوفیائے کرام اور فقہائے امت کے اقوال بھی اسے ردّ کرتے ہیں۔ یہ اولیاء اللہ کے ذاتی تجارب کے بھی صریح خلاف ہے گویا اس طرح خدا تعالیٰ کی قولی شہادت کے ساتھ اس کی فعلی شہادت بھی اسے ردّ کر رہی ہے۔ پھر یہ نظریہ عقلِ سلیم اور منطق کی میزان پر بھی پورا نہیں اترتا کیونکہ منطقی قیاس اسے ردّ کرتا ہے۔

دلیل اوّل

یہ نظریہ توحید کے منافی اس لئے ہے کہ وہ آزاد عقل جسے دیگر ذرائع علم سے روک دیا گیا ہے۔ الہام سے روشنی حاصل کرنے سے محروم کر دیا گیا ہو۔ شریعت سے استفادہ اس کے لئے ممنوع ہو تو ایسی عقل بالضرور ہوائے نفس کے تابع ہو گی اور ہوائے نفس کا رنگ اس پر ایسا چڑھ جائے گا کہ انسان کے لئے عقل اور ہوائے نفس میں تمیز مشکل ہو گی۔ یہ عقل کلامِ الٰہی کے بالمقابل انسان کو مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ کے مصداق بنا دے گی۔ عقل کو اس طرح معبود بنا لینا شرک ہے۔ جو توحید باری کے منافی ہے۔ اسی آزاد عقل کے نتیجہ میں دہریت پیدا ہوئی ہے۔

دلیل دوم

اس نظریہ کو قبول کر کے قرآنِ مجید کی شریعت کاملہ کی ضرورت سے بھی انکار کر دیا گیا ہے۔ جس کی حفاظت کا خود خدا تعالیٰ نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ میں حتمی وعدہ فرمایا ہے اور جس کی شان میں یہ اعلان

کیا ہے:-

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ - (آلِ عمران ع ۸)

یعنی "جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دین چاہے گا - وہ دین اس سے قبول نہیں کیا جائے گا - اور انجام کار وُہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو گا -"

نظریۂ دورِ عقلیت کو قبول کرنے کے نتیجہ میں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قرآن کریم کی شریعتِ کاملہ سے استفادہ اب آزاد عقل کے لئے ممنوع ہے - عقل اور اسلام دونوں چیزیں ایک نہیں - کیونکہ ملک صاحب کے نزدیک عقل کی پختگی کے ساتھ اسلام کی تعلیم سے استفادہ ممنوع ہے اور عقل کے بڑھنے کے ساتھ مذہب کے خارجی سہارے کی ضرورت نہیں رہتی - لیکن قرآن شریف یہ بتاتا ہے کہ اسلام کے سوا کسی اور دین کا قبول کرنا عنداللہ مقبول نہیں - اور ایسی خواہش انجامِ کار خسارہ پر منتج ہو گی -

آزاد عقل معاشرہ کے میدان میں تو کچھ فائدے دے سکتی ہے مگر وہ بھی اس وقت جبکہ دوسرے لوگوں کے تجربات یعنی خارجی سہاروں سے استفادہ کرے کیونکہ عقل جب قیاس پر اپنے نتائج کی بنیاد رکھے گی - تو وُہ صحیح نتائج پر بھی پہنچ سکے گی جب کہ اس کے منطقی قیاس کے مقدماتِ یقینیہ

ہوں۔ نہ کہ فرضی اور متوہم۔ گویا استقراء اسے مقدمات یقینیہ مہیا کرے گا۔ اور استقرائی قیاس سے جو منطقی نتیجہ حاصل کیا جائے وہ یقینی تبھی ہوگا جبکہ مقدمات صحیح تجارب سے حاصل شدہ ہوں۔ پس پہلے لوگوں کے تجارب سے بھی انسان بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ تجارب سے استفادہ کے بغیر معاشرہ کے میدان میں بھی انسانی عقل اندھی ہے۔ مگر روحانیت کے میدان میں تو خدا تعالیٰ کے کلام سے براہِ راست یا بالواسطہ استفادہ کے بغیر وہ کوئی قدم ہی نہیں اٹھا سکتی۔ گویا خارجی سہارے اور خارجی روشنی کے بغیر عقل دین و دنیا کے دونوں میدانوں میں اندھی ہے۔

ع "عقل خود اندھی ہے گر نیرِ الہام نہ ہو!"

عقل کا معاملہ بالکل حسّی باصرہ اور سامعہ کی طرح سمجھنا چاہیئے جس طرح ہماری قوتِ باصرہ گو آنکھ میں موجود ہوتی ہے لیکن خارجی روشنی سے تعلق پیدا ہوئے بغیر وہ بیکار ہے۔ جس طرح ہمارے کانوں میں قوتِ سامعہ موجود ہوتی ہے لیکن وہ ہوا کے خارجی واسطہ کے بغیر جو متکلم اور سامع میں تعلق پیدا کرتا ہے۔ کام نہیں کر سکتی۔ جسطرح یہ دونوں ظاہری حسّیں خارجی سہارے کے بغیر اپنا فعل نہیں کر سکتیں۔ باصرہ اندھی اور سامعہ بہری ہے اسی طرح عقل جو قوتِ ادراک ہے۔ تجربہ اور کلام الٰہی کے خارجی سہارے کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتی۔ اگر حواس ظاہری کے لئے خارجی سہارا کا حاصل استعداد انسان کی شان کے منافی نہیں تو عقل انسانی کے لئے دوسروں کے تجربات اور کلامِ الٰہی کا سہارا کیونکر اس کی شان کے منافی ہو سکتا ہے؟

جبکہ اصل فطرت میں ہی خلاقِ فطرت نے حسب آیت خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا اسے خارجی سہاروں کا محتاج رکھا ہے۔

پھر غور فرمائیے کہ عقل جو قوت مدرکہ ہے مادیات کے ادراک میں ہر آن حواسِ خمسہ ظاہری کی محتاج ہے اور ان حواس کے سہارے کے بغیر وہ کوئی ادراک نہیں کر سکتی کیونکہ یہ حواس اس کے لئے بمنزلہ آلات کے ہیں۔ جن کے ذریعہ وہ مادی شئے کا ادراک کرتی ہے پس وہ کبھی بھی سہارے سے مستغنی نہیں ہو سکتی۔ اگر کہا جائے کہ ایسے سہارے تو انسان کو خود اپنے انسانی وجود میں میسر ہیں وہ خارجی قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ بلکہ اندرونی ہیں تو یاد رہے کہ حواس ظاہری خود آگے خارجی سہاروں کے محتاج ہیں۔ جیسا کہ باصرہ اور سامعہ کا حال بیان کیا گیا ہے۔ پس اس طرح عقل بواسطہ حواس ان خارجی سہاروں کی محتاج ثابت ہوئی۔ یہ نتیجہ بالکل منطقی ہے جسے رد نہیں کیا جا سکتا پس عقل کو علم حاصل کرنے کے لئے خارجی ذرائع سے روکنا صحیح فلسفہ نہیں کیونکہ یہ فلسفہ میزانِ منطق پر پورا نہیں اترتا۔ کیونکہ یہ قیاس استقرائی کے خلاف ہے۔ قیاس استقرائی سے یہی ثابت ہے عقل مادیات کے ادراک میں ہر آن خارجی سہارے کی محتاج ہے۔ پس عقل جب مادیات کے ادراک میں خارجی سہارے سے مستغنی نہیں تو روحانیت کے دائرہ میں کیسے شریعتِ الٰہیہ اور الہام الٰہی کے سہارے سے مستغنی قرار دی جا سکتی ہے۔ اگر اسے اس میدان میں آزاد چھوڑا جائے۔ تو روحانیت کا ادراک نہ کرنے کی وجہ سے وہ دہریت بلکہ لادینیت کی طرف چلی جائیگی۔

دلیلِ سوم عقل جب آزاد فکر سے کام لے گی ناممکن ہے کہ وہ علوم جو اس نے دیگر خارجی ذرائع سے حاصل کئے ہیں۔ عالم فکر میں اس پر دانستہ یا نادانستہ اثر انداز نہ ہوں۔ پس انسان جو کچھ بھی سوچے گا وہ بالضرور خارجی ذرائع سے حاصل کردہ علم کے پرتو کے نیچے سوچے گا۔ لہٰذا اس کا فکر کبھی بھی خارجی ذرائع سے حاصل کردہ علم کے سہارے سے آزاد نہ ہوگا۔ جو دانستہ یا نادانستہ اس پر اثر انداز رہتا ہے۔ علمِ نفسیات میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ انسان کے تحت الشعور میں تمام خارجی اثرات موجود رہتے ہیں۔ بلکہ وہ اثرات بھی جو آباؤ اجداد سے متوارث طور پر انسان میں منتقل ہوتے ہیں۔ عالمِ فکر میں انسان ان اثرات سے متاثر ہونے سے نیچے رہنے کا دعوٰے نہیں کر سکتا۔ جس طرح عالم خواب میں بعض اوقات ہمارا تحت الشعور ہم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ویسا ہی عالمِ فکر (Meditation) کی حالت میں بھی انسان تحت الشعور کے اثر سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ یعنی خارجی ذرائع سے حاصل کردہ علوم ہر آن نئے علم کے حصول میں اثر انداز رہیں گے پس یہ بات ہی درست نہیں کہ مفکر کسی وقت بھی خارجی سہاروں سے مطلق طور پر آزاد ہو سکتا ہے۔

دلیلِ چہارم ختم نبوت کا یہ نظریہ۔ جسے دورِ عقلیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کا مفاد یہ بتایا گیا ہے۔ کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور پر الہام کا دروازہ قطعاً بند ہو گیا ہے۔ کیونکہ خاتم النبیین کے بعد دورِ عقلیت شروع ہو گیا ہے۔ جس میں خارجی سہاروں کی منا ہی کر دی گئی ہے۔ اس نظریہ کے خلاف قرآنِ کریم کی واضح نصوص

موجود ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ نَحْنُ اَوْلِيَآؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

(سورہ حٰم السجدہ ع ۵)

یعنی "جن لوگوں نے کہا۔ کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور پھر استقامت دکھائی۔ تو ان پر خدا کے فرشتے نازل ہوں گے (یہ بشارت لے کر) کہ کوئی خوف و غم نہ کرو اور اس جنت (یعنی کامیاب زندگی) کی بشارت پاؤ۔ جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو۔ ہم دنیا اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں۔"

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے سچے مومنوں پر جو دین میں استقامت دکھاتے ہیں، ملائکہ کے نزول اور ان کے ذریعہ اس دنیا میں بشارتوں کے ملنے کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہے۔ پس الہام کو مطلق ممنوع قرار دینا ختم نبوت کا مقصد ہرگز نہیں ہے کیونکہ یہ آیت اس بات پر نصِ صریح ہے کہ الہامِ الٰہی کا دروازہ امتِ محمدیہ میں کھلا ہے اور اس کی ضرورت باقی ہے۔ شیخِ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

هٰذَا التَّنْزِيْلِ هُوَ النُّبُوَّةُ الْعَامَّةُ لَا نُبُوَّةُ التَّشْرِيْعِ ۔ (فتوحات مکیہ جلد ۲ ۔ صفحہ ۴۲۳ باب معرفۃ الاستقامۃ)

"ملائکہ کا اس طرح بشارتوں کے ساتھ نازل ہونا۔ نبوت عامّہ ہے نہ کہ شریعت والی نبوت۔"

پس آیت خاتم النبیینؐ سے اس آیت کی موجودگی میں صرف ایسی وحی کے نازل ہونے کا دروازہ بند قرار دیا جا سکتا ہے جو شریعت جدیدہ پر مشتمل ہو۔ یہ آیت بشارات اور علوم غیبیہ پر مشتمل الہامات کا دروازہ بند قرار نہیں دیتی۔ ایک اور آیت میں اس آیت کے مضمون کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے :-

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (سورہ یونس ع ۷)

یعنی "سن لو کہ خدا کے پیاروں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خدا کے وہ پیارے جو ایمان لائے۔ اور پرہیزگاری دکھاتے رہے۔ انہیں دنیوی اور اخروی زندگی میں بشارتیں ملتی رہیں گی۔ یہ کلمات بدل نہیں سکتے۔ اور یہ (بشارات کا ملنا) بڑی کامیابی ہے۔"

پس خاتم النبیین کے یہ معنی لینے کہ الہام الٰہی کا دروازہ بالکل بند ہے

محکمات قرآنیہ کے صریح خلاف ہے۔ اگر قرآنِ مجید نے یہ "انقلابی نظریہ" اختیار کیا ہوتا۔ کہ نزولِ قرآن کے بعد الہام کا دروازہ کلیتہً بند ہے۔ تو "اس انقلابی نظریہ" کی تائید میں قرآن مجید میں ایک چھوڑ کئی محکم آیات موجود ہوتیں۔ کیونکہ اس سے پہلے اس "انقلابی نظریہ" سے دنیا بالکل روشناس نہ تھی۔ کہ ایک وقت ایسا آئے گا۔ جب عقلِ انسانی نظریۂ ارتقا کے ماتحت اتنی ترقی کر جائے گی کہ وہ خدائی شریعت سے بھی مستغنی ہو جائے گی۔ اور اسے الہامِ الٰہی کی بھی ضرورت نہ رہے گی۔

ملک صاحب موصوف اپنی کتاب میں نزول المسیح کی تمام احادیث سے اس وجہ سے انکار کر رہے ہیں کہ ان کے نزدیک قرآن مجید کی کسی واضح آیت میں مسیحؑ کی آمد کا ذکر موجود نہیں۔ ہم ان کے اس بیان کردہ اصل کے ماتحت۔ (جس کی رو سے انہوں نے نزول مسیح کی تمام احادیث سے انکار کیا ہے) کیوں نہ ان کے اس نظریۂ دورِ عقلیت کا انکار کر دیں۔ جبکہ قرآنِ مجید میں اس بارہ میں کوئی ایسی نص موجود نہیں۔ کہ عقل کے ارتقاء پر آئندہ نوعِ انسانی کو قرآنِ مجید اور الہام کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ واضح نصوص اس کے خلاف موجود ہیں۔ جو قرآنِ کریم کو دائمی اور غیر متبدل شریعت قرار دیتی ہیں اور الہام کا دروازہ کھلا قرار دیتی ہیں۔ نزولِ مسیح کی غرض تو صرف تجدیدِ اسلام ہے مگر یہ انقلابی نظریہ ایسا نظریہ ہے جس کو قبول کر کے اسلام کی سرے سے ہی ضرورت نہیں رہتی۔

اگر یہ نظریہ درست ہوتا کہ دنیا آئندہ زمانہ میں دورِ عقلیت کے شروع ہونے پر

شریعتِ الٰہیہ کے خارجی سہارے کی بھی محتاج نہیں رہے گی اور الہام الٰہی سے بالکل مستغنی ہو جائے گی تو چاہئے تھا کہ قرآنِ مجید میں یہ نظریہ واضح اور محکم آیات میں بیان ہوتا اور قرآنِ کریم اپنے واضح الفاظ میں یہ بھی تعیین کر دیتا کہ یہ دَور فلاں وقت سے شروع ہو رہا ہے مگر ایسے غیر معمولی انقلاب کا قرآن مجید میں کہیں ذکر موجود نہیں بلکہ اس کے برخلاف قرآن مجید واضح الفاظ میں الہامِ الٰہی کا دروازہ کھلا قرار دے رہا ہے۔

پس ختمِ نبوت کا یہ مفہوم کہ "آئندہ الہام الٰہی کا دروازہ کلیتہً بند ہے اور شریعت محمدیہ کے وجود سے بھی دَورِ عقلیت کے عاقل مستغنی اور بے نیاز ہیں۔ نصوصِ قرآنیہ اور اس کی آیاتِ بیّنات کے صریح خلاف ہے۔ پھر قطع نظر اس کے یہ معنے سیاق آیت کے بھی خلاف ہیں اور ان معنوں پر نہ صحابہ کرام نے اطلاع پائی ہے اور نہ امّت کے اولیاء صلحاء اور علماء میں سے کسی نے ختم نبوت کا یہ مفہوم سمجھا ہے۔ جو ملک صاحب پیش کر رہے ہیں۔ اگر ختم نبوت کے ان معنوں کی تائید کسی اور آیت قرآنیہ سے ہوتی۔ تو قرنِ اول کے مسلمانوں۔ اولیاء کرام اور فقہائے عظام میں سے کوئی تو ختمِ نبوت کے یہ معنی بیان کرتا۔ "کہ دورِ عقلیت شروع ہو جانے پر اب نہ الہام کی ضرورت ہے نہ شریعتِ محمدؐیہ کی۔"

پس یہ نظریہ صرف ملک محمد جعفر خان صاحب کی دماغی اختراع ہے جسے انہوں نے علامہ اقبال کی طرف منسوب کر کے پیش کیا ہے تا ان کی سند پر یہ نظریہ دوسرے مسلمانوں میں مقبول ہو سکے۔ ملک صاحب موصوف

نے پرویز صاحب کے خلاف اپنی اس کتاب میں لکھا ہے کہ :-

"انہوں نے قرآنی آیات کے جو معانی کئے ہیں وہ آج تک کسی نے نہیں کئے اور قرآن کی ظاہری عبارت سیاق وسباق اور تاریخی پس منظر کے سراسر خلاف ہیں" (احمدیہ تحریک ص۳۷۸)

اس اصل کے ماتحت آیتِ خاتم النبیین کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے جو معنے ملک صاحب نے بیان کئے ہیں کہ آئندہ نہ قرآنی شریعت کی حاجت ہے۔ نہ الہام الٰہی کی۔ یہ معنی آج تک کسی نے نہیں کئے اور یہ معنی قرآن مجید کی ظاہری عبارت سیاق وسباق اور تاریخی پس منظر کے سراسر خلاف ہیں۔ اس لئے یہ معنی سراسر باطل ہیں۔

نظریہ سیاق آیت کے خلاف

لہٰذا ملک صاحب کا یہ نظریہ اس وجہ سے بھی باطل ہوا کہ قرآن مجید کی آیت بیّنات کے خلاف ہے۔ اور ان وجوہ سے بھی باطل ہے۔ جن وجوہ سے ملک صاحب پرویز صاحب کے معانی کو جو انہوں نے بیشتر آیاتِ قرآنیہ کے کئے ہیں غلط قرار دیتے ہیں۔ یہ نظریہ سیاقِ آیت اور تاریخی پس منظر کے خلاف اس لئے ہے کہ آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں آیت کے پہلے حصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُبوّت کی نرینہ بالغ اولاد کے لحاظ سے نفی کی گئی۔ تاریخی پس منظر یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو اپنا متبنّیٰ بنایا ہوا تھا۔ اس تبنّیٰ کی رسم کو مٹانے کے لئے یہ آیت

نازل ہوئی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نرینہ بالغ اولاد کے لحاظ ابوّت کی نفی کی گئی تو اس سے شبہ پیدا ہوتا تھا کہ آپ معاذ اللہ ابتر ہیں یعنی آپ کا کوئی وارث نہیں ہوگا۔ اس شبہ کا تدارک وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ کہ گو آپؐ کی جسمانی نرینہ بالغ اولاد موجود نہیں۔ لیکن آپ رسول اللہ ہیں۔ رسولؐ ابتر نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ امت کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ اور امت اس کی روحانی وارث ہوتی ہے۔ پھر رسول اللہؐ کے الفاظ پر خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے الفاظ کا عطف کر کے اس مضمونِ ابوّت کو اور ترقی دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ صرف عام امتیوں کے ہی باپ نہیں بلکہ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ بھی ہیں۔ یعنے نبیوں کے بھی باپ ہیں یعنی تمام انبیاء آپ کی ختمِ نبوت کی مہر سے مستفیض ہیں۔ اور آئندہ کیلئے آپؐ اور آپؐ کی شریعت کی پیروی سے آپؐ کی امت میں بھی یہ فیض جاری رہے گا۔ پس اس آیت کے پہلے حصہ میں جسمانی ابوّت کی نفی کی گئی ہے اور دوسرے حصہ میں آپ کی روحانی ابوّت کا اثبات ہے اس سیاق عبارت کے خلاف خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے کوئی اور معنی درست نہیں۔ اس آیت نے صرف غیر قوموں میں نبوت کا دروازہ بند کیا ہے نہ کہ امتِ محمدیہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد ہے لفظ خَتَمَ کے حقیقی معنی "مفرداتِ راغب" میں جو لغتِ قرآن کی مستند کتاب ہے۔ هُوَ تَاثِيْرُ الشَّيْءِ كَنَقْشِ الْخَاتَمِ بیان ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے

خاتم النّبیین کے حقیقی لغوی معنے یہ ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نبی ہیں جن کی تاثیر یعنی افاضہ سے نبی پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہی لغوی معنے سیاق آیت کے بھی مطابق ہیں اور قرآن مجید کی دوسری آیات کے بھی مطابق ہیں۔

آیت اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ کے متعلق ملک صاحب اپنی کتاب میں بالکل خاموش ہیں۔ مگر لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کے متعلق آپ لکھتے ہیں۔ کہ:۔

"اس آیت میں لبشریٰ سے مراد سچی خوابیں لیا گیا ہے۔ معمولی تدبر سے معلوم ہوگا۔ کہ اس لفظ کے یہ معنی نہیں ہو سکتے۔ اگر لبشریٰ سے مراد سچی خوابیں ہیں تو آخرت میں سچی خوابیں دکھائے جانے کا کیا مطلب ہے۔" (احمدیہ تحریک صـ۳۸۳)

یہ نوٹ ان کا اجرا ئی ضرورت سے انکار میں ہے مگر ایک محقق کا یہ فرض ہوتا ہے کہ اگر کسی آیت کے ایک معنی کو غلط قرار دے کر ردّ کر دے تو اس کے متبادل اس کے صحیح معنی بھی پیش کرے۔ مگر ملک صاحب نے یہ انداز اختیار نہیں کیا۔ لبشریٰ کے معنی سچی خوابیں غلط نہیں کیونکہ اس کے معنی الرویا الصالحہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ گو رویائے صالحہ میں الہام و کشوف بھی داخل ہیں۔

اس جگہ ہمارا سوال یہ ہے کہ سچی خوابوں کے آخرت میں نہ آنے کے بارہ میں ملک صاحب کے پاس کیا دلیل موجود ہے جس کی بنا پر آپ لبشریٰ کے

ان مضمون کورد کر رہے ہیں اگر اس عالم میں سچی خوابیں آتی رہیں۔ تو اس عالم میں جو اس عالم کے بالمقابل ایک مثالی دنیا ہے۔ کیوں سچی خوابیں نہیں آسکتیں؟ قرآن مجید سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں جنتی جنت میں یہ دعا کرتے رہیں گے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ اس دعا کی قبولیت کے بعد اگر جنتیوں کو وہاں اگلا نورانی مقام پانے کی بشارت دی جائے تو یہ کیوں ناممکن ہے۔ حدیث نبوی میں وارد ہے:

لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ۔

(بخاری کتاب التعبیر)

کہ "نبوت میں سے المبشرات کے سوا کچھ باقی نہیں رہا"

اس کی تشریح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے المبشرات کو رویائے صالحہ عام مومنوں کے لحاظ سے قرار دیا ہے۔ ورنہ اولیاء اللہ کو سچی خوابوں کے علاوہ کشف اور الہام اور مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا شرف بھی حاصل ہوا ہے جس کا انکار واقعات و حقائق کے خون کے مترادف ہو گا۔ اس حدیث کی ترکیب لَمْ يَبْقَ مِنَ الْمَالِ اِلَّا الْفِضَّةُ کی طرح ہے۔ کہ مال میں سے چاندی کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ ظاہر ہے کہ چاندی بھی مال کی ایک قسم ہے اس حدیث نے دراصل ختم نبوت کے مثبت اور منفی دونو پہلو بیان کر دیئے ہیں۔ مثبت پہلو یہ ہے۔ کہ مبشرات والی قسم نبوت باقی ہے اور منفی پہلو یہ ہے کہ مبشرات کے علاوہ جو نبوت ہے یعنی تشریعی نبوت وہ باقی نہیں رہی پس یہ حدیث نبوی الہام الٰہی کا دروازہ امت محمدیہ کے لئے کھلا قرار دے

یہی ہے۔ چونکہ قرآنِ مجید کی آیات الہام کا دروازہ کھلا قرار دیتی ہیں اور یہ حدیث قرآن کریم کے مضمون کے مطابق ہے اس لئے مقبول ہے۔

ملک صاحب کی پیش کردہ آیتیں

مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کی بندش کے ثبوت میں ملک صاحب نے دو قرآنی آیتیں بھی پیش کی ہیں۔ ان میں سے ایک "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" ہے اور دوسری آیت۔ "لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ" ہے۔

ملک صاحب نے پہلی آیت کا مفاد یہ بیان کیا ہے کہ "قرآن مجید کے ذریعہ تکمیلِ دین ہو چکی ہے" اور دوسری آیت کو اس نظریہ کی تائید و تشریح قرار دیا ہے کہ نیکی اور بدی میں فرق کر دیا گیا ہے۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ رشد و گمراہی میں امتیاز نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں باتیں ملک صاحب کی سچی ہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ امتِ محمدیہ میں کبھی ایسا اختلاف پیدا نہیں ہو سکتا کہ ایک آسمانی حکم و عدل کی ضرورت ہو جو الہامِ الٰہی سے تائید یافتہ ہو اور امتِ محمدیہ کے اختلاف میں فیصلہ دے۔ خواہ اس کا فیصلہ اجتہاد سے ہی ہو۔ آپ دیکھیں ان دونوں آیتوں کی موجودگی میں امت کے اندر اس وقت بھی شدید اختلاف موجود ہے اور یہ اختلاف پکار پکار کر ایک حکم و عدل کی ضرورت کا احساس دلا رہا ہے۔

پس ان آیتوں سے یہ استنباط نہیں ہو سکتا کہ الہام الٰہی کا دروازہ

کلیۃً بند ہے۔ کیونکہ تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اور لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا والی دونوں آیات اور اولیاء اللہ کے تجارب الہام الٰہی کا دروازہ کھلا قرار دیتے ہیں۔ واقعات کا انکار صحیح منطق نہیں۔ جو امر منطق کے مطابق نہ ہو وُہ ملک صاحب کے نزدیک خلافِ عقل ہے پس عقل واقعات کی روشنی میں ان کے نظریہ کو رد کرتی ہے۔

آیت۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ سے صرف یہ مستنبط ہوتا ہے کہ وہ نبوت جس کا تعلق شریعت کی تکمیل سے ہے۔ بے شک قرآنی شریعت کی تکمیل پر بند کر دی گئی ہے اور آیت لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ" سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ شریعت قرآنیہ کی اصولی ہدایات میں رشد و گمراہی کے درمیان بیّن فرق کر دیا گیا ہے۔

لیکن مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کا مقصد چونکہ محض شریعت لانا نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد خدا تعالیٰ کی ہستی پر زندہ ایمان پیدا کرنا اور اس کا قرب حاصل کرنے پر آسمانی شہادت مہیا کرنا بھی ہے اس لئے ان آیتوں کا منشاء مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کا دروازہ کلیۃً بند قرار دینا نہیں ہو سکتا ورنہ قرآن مجید میں تضاد ماننا پڑے گا۔ کیونکہ دوسری آیتوں میں صاف ملائکہ کے بشارتوں کے ساتھ نازل ہونے کا وعدہ دیا گیا ہے۔

امتِ محمدیہ کے مسیح موعود کو المبشرات (امورِ غیبیہ) سے معتدبہ حصہ پانے کی وجہ سے ہی نبی اللہ کا نام دیا گیا ہے پس آیت خاتم النبیین کے یہ معنی کہ مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ من کل الوجوہ بند ہے۔ محکماتِ قرآنی ،

لغتِ عربی اور احادیثِ نبویہؐ کے خلاف ہونے کی وجہ سے رد کیا جانے کے قابل ہیں ۔ قرآنِ کریم تو ایسی نبوت اور رسالت کا دروازہ جو تائید اسلام کے لئے ہو۔ بند قرار نہیں دیتا۔ بلکہ سورہ اعراف میں مسلمانوں کو ہدایت دیتے ہوئے یہ خوشخبری دیتا ہے۔ کہ :۔

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ ۙ فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔ (سورہ اعراف ع ۴)

یعنی "اے بنی آدم! جب کبھی آئندہ تم میں سے رسول آئیں جو تم پر میری آیات بیان کریں، تو جو لوگ تقوے اختیار کر کے اپنی اصلاح کر لیں گے۔ ان پر کوئی خوف اور غم نہیں ہو گا۔"

ان رسولوں کا مقصد یہ قرار دیا گیا ہے کہ ان کی بیان کردہ آیات بینات سے قوم میں تقویٰ یعنی زندہ ایمان اور قوتِ عمل پیدا ہو گی۔ جو انہیں کامیابی سے ہمکنار کرے گی۔ ملک صاحب یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس آیت میں کوئی پرانا قصہ بیان کیا گیا ہے اور آئندہ کے لئے ہدایت نہیں کیونکہ اس آیت کا سیاق بتاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمام بنی نوع انسان کو بعض احکام دیئے جا رہے ہیں۔ انہی میں سے ایک حکم یہ ہے کہ آئندہ جو رسول آئیں۔ تقوے اور اصلاحِ نفس کے حصول کے لئے ان سے تعلق پیدا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ دنیا اور آخرت میں حقیقی کامیابی محال ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے یہ حکم دیا گیا ہے :۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ
وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُسْرِفِيْنَ ۔ (سورہ اعراف ع ۴)

یعنی "اے بنی آدم! ہر عبادت کے وقت لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ بعض لوگ خانہ کعبہ کا طواف ننگے بدن کرتے تھے اس لئے اسی آیت میں ہدایت دی گئی کہ لباس پہن کر عبادت کیا کریں۔ اسی سلسلہ میں اس آیت کے بعد آگے فرماتا ہے:۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ
لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ط قُلْ هِيَ
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً
يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ط كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ
يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۔ (سورہ اعراف ع ۴)

یعنی "(ان سے) کہدو اللہ کی زینت (لباس) کو جس نے اپنے

بندوں کے لئے نکالی ہے اور پاک رزق کو کس نے حرام کیا ہے؟
کہدو کہ دنیا کی زندگی میں یہ مومنوں کے لئے ہے اور قیامت کے
دن خالص طور پر ان ہی کے لئے ہے۔ اس طرح سمجھ رکھنے والوں
کے لئے ہم (اپنے) احکام کھول کر بیان کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ یقیناً
میرے رب نے ظاہری و باطنی بے حیائیوں (برائیوں) کو اور
گناہ اور ناحق سرکشی کو اور اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کو
جس کے متعلق کوئی دلیل نہیں۔ اور خدا پر وہ بات کہنے کو
(منسوب کرنے کو) جسے تم نہیں جانتے حرام قرار دیا ہے۔ ہر امت
کے لئے ایک میعاد مقرر ہے۔ جب اس کی وہ میعاد آجاتی ہے
تو وہ لوگ ایک ساعت پیچھے رہ سکتے ہیں۔ اور نہ آگے
بڑھ سکتے ہیں۔" (یعنی اس ساعت سے بچاؤ کی کوئی صورت
نہیں ہوتی)

ان آیتوں کے بعد مذکورہ آیت ہے جس میں رسولوں کے آئندہ آنے
اور ان سے تعلق پیدا کرنے کی ہدایت ہے اس سیاقِ کلام سے ظاہر ہے۔ کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بنی آدم کو جو ہدایات دی جا رہی ہیں
ان میں سے ایک ہدایت یہ بھی ہے کہ آئندہ جب تم میں سے رسول آویں۔ تو
ان پر ایمان لاکر تقویٰ کی راہ اختیار کی جائے اور اپنی اصلاح کی جائے۔

پس ایسی واضح نص کے موجود ہوتے ہوئے کس طرح کہا جا سکتا ہے
کہ ایسی نبوت کا دروازہ بھی بند ہے۔ جس کا مقصد محض تائیدِ اسلام ہے

حصولِ تقویٰ اور اصلاحِ نفس ہو نہ کہ شریعتِ جدیدہ کا لانا۔ پھر اللہ تعالیٰ سورہ النساء رکوع ۹ میں فرماتا ہے :-

مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؁

یعنی "جو لوگ اللہ تعالیٰ اور الرّسول یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے۔ وہ (جو انعام پاتے ہیں) پہلے انعام یافتہ گروہوں یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہیں۔ اور یہ اطاعت کرنے والے ان انعام یافتہ لوگوں کے اچھے ساتھی ہیں" (یعنی انعام پانے کے لحاظ سے ساتھ ہیں نہ کہ یونہی جسمانی طور پر ساتھ ہیں۔ کیونکہ اس جگہ معیت یعنی درجہ میں معیت مراد ہے نہ کہ معیت زمانی یا مکانی کیونکہ معیت زمانی اور مکانی تو سارے افرادِ امت کے لئے محال ہے)

اس آیت میں نبوت، صدیقیت، شہادت اور صالحیت کی نعمت پانے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے وابستہ کیا گیا ہے پس یہ آیت حسبِ قولہ القرآن یفسر بعضہ بعضاً آیت خاتم النبیین کی صحیح تفسیر بیان کرتی ہے۔
ملک صاحب کے نزدیک نبوت کے عمومی معنی الہامِ الٰہی کا پانا اور اس کی دعوت دنیا ہیں اور اس آیت میں امتِ محمدیہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی پیروی کی شرط کے ساتھ ایسی نبوت کا دروازہ کھلا قرار دیا گیا ہے۔ جو اسلام کی تائید کے لئے ہو۔ شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ اسی نبوت کو جاری قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"فَالنُّبُوَّةُ سَارِيَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فِي الْخَلْقِ وَإِنْ كَانَ التَّشْرِيعُ قَدِ انْقَطَعَ فَالتَّشْرِيعُ جُزْءٌ مِنْ أَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ۔"

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ باب ۷۳-۸۲)

کہ "نبوت مخلوق میں قیامت تک جاری ہے گو تشریعی نبوت منقطع ہو گئی ہے۔ تشریعی نبوت، نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔"

پھر درود شریف کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"فَعَلِمْنَا أَنَّ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ مَنْ لَحِقَتْ دَرَجَتُهُ دَرَجَةَ الْأَنْبِيَاءِ فِي النُّبُوَّةِ لَا فِي التَّشْرِيعِ" فتوحات مکیہ جلد اول صفحہ ۵۶۹ و ۵۷۰)

"ہم نے قطعی طور پر جان لیا ہے کہ اس امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا درجہ نبوت میں اللہ کے نزدیک انبیاء کے درجہ سے ملا دیا گیا ہے۔ نہ کہ شریعت جدیدہ لانے میں۔"

پھر حدیث لَا نَبِيَّ بَعْدِی کے متعلق لکھتے ہیں۔

"ای لَا نَبِيَّ بَعْدِی يَكُونُ عَلَى شَرْعٍ يُخَالِفُ

شَرْعِيٌّ بَلْ اِذَا كَانَ يَكُوْنُ تَحْتَ حُكْمِ شَرِيْعَتِيْ۔"

(فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ صـــ۳)

کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ سے یہ ہے کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہ ہوگا۔ جو میری شریعت کے خلاف شریعت رکھے۔ بلکہ جب بھی کوئی نبی ہوگا۔ تو میری شریعت کے حکم کے ماتحت ہوگا"

آپ ایسی نبوت بند نہ ہونے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ:۔

فَاِنَّہٗ یَسْتَحِیْلُ اَنْ یَنْقَطِعَ خَبَرُ اللّٰہِ وَاَخْبَارُہٗ مِنَ الْعَالَمِ اِذْ لَوِ انْقَطَعَ لَمْ یَبْقَ لِلْعَالَمِ غِذَاءٌ یَتَغَذّٰی بِہٖ فِیْ بَقَاءِ وُجُوْدِہٖ۔

(فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ صـــ۱)

کہ "یہ امر محال ہے کہ اللہ کی طرف سے اخبارِ غیبیہ کا دیا جانا بند ہو جائے۔ کیونکہ اس صورت میں دنیا کے لئے کوئی (روحانی) غذا باقی نہ رہے گی۔ جس سے دنیا اپنے (روحانی) وجود کو قائم رکھ سکے۔"

امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

اِعْلَمْ اَنَّ مُطْلَقَ النُّبُوَّۃِ لَمْ تَرْتَفِعْ اِنَّمَا ارْتَفَعَ نُبُوَّۃُ التَّشْرِیْعِ۔

(الیواقیت والجواہر جلد ۲ صـــ۳۵)

کہ "جان لو کہ نبوت مطلق اٹھائی نہیں گئی - صرف شریعت والی نبوت اٹھائی گئی ہے -"

حضرت عبدالکریم جیلانی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "انسان کامل" میں لکھتے ہیں :-

"فَانْقَطَعَ حُکْمُ نُبُوَّۃِ التَّشْرِیْعِ بَعْدَہٗ وَکَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ"

کہ "تشریعی نبوت کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہو گیا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین قرار پائے ہیں -" (الانسان الکامل" باب ۳۶)

حضرت امام علی القاری خاتم النبیین کے معنے بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اَلْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَا یَاْتِیْ نَبِیٌّ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِہٖ" (موضوعات کبیر صفحہ ۵۹)

یعنی "اس آیت کے یہ معنی ہیں - کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا - جو آپؐ کے مذہب کو منسوخ کرے اور آپؐ کی امت میں سے نہ ہو -"

گویا صرف غیر مسلموں میں اس آیت نے نبوت کا دروازہ بند قرار دیا ہے اور آپ کے نزدیک امت محمدیہ کے اندر امتی نبی کا آنا آیت خاتم النبیین کے منافی نہیں خاتم النبیین کے یہ معنی جو بزرگوں کے اقوال سے پیش کئے گئے ہیں صاف بتاتے ہیں کہ ان کے نزدیک ختم نبوت سے صرف تشریعی نبوت کا دروازہ بند ہوا ہے - امت محمدیہ میں غیر تشریعی نبوت یا الہام کا دروازہ بند نہیں

ہوا۔ گویا وُہ نبوت جو اسلام کی تائید میں ہو عقلاً اور فرقاناً ختم نبوت کے منافی نہیں۔

ماسوا اس کے اولیاء اللہ نے اپنے تجربات بھی پیش کئے ہیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ انھوں نے فی الواقع خدا تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف پایا ہے حضرت سیّد عبدالقادر صاحب جیلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

اُوْتِيَ الْاَنْبِيَاءُ اِسْمَ النُّبُوَّةِ وَاُوْتِيْنَا اللَّقَبَ اَیْ حُجِرَ عَلَيْنَا اِسْمُ النُّبُوَّةِ مَعَ اَنَّ الْحَقَّ سُوِّیَ یُخْبِرُ فَانِیْ سَرَائِرِنَا مَعَانِیْ کَلَامِہٖ وَکَلَامِ رَسُوْلِہٖ وَصَاحِبُ ھٰذَا الْمَقَامِ مِنْ اَنْبِيَاءِ الْاَوْلِيَاءِ۔ (الیواقیت والجواہر جلد ۲ ص ۳۵)

کہ "انبیاء کو تو نبی کا نام دیا گیا ہے اور ہم امتی لقب نبی دیئے گئے ہیں (یعنی ہمیں مرکب نام دیا گیا ہے) ہم سے النّبوۃ کا نام (یعنی محض نبی کہلانے کا حق) روکا گیا ہے۔ باوجود اس کے کہ ہمارا حق مساوی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ہمیں ہمارے نفس میں اپنے کلام اور اپنے رسول کے کلام کے معنوں سے خبر دیتا ہے۔ اور اس مقام کا پانے والا انسان انبیاء الاولیاء میں سے ہوتا ہے یعنی نبی الاولیاء کا مقام رکھتا ہے۔"

الہام اور نبوت الولایت کا دروازہ حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی اپنے تجربات کی رو سے کھلا قرار دیتے ہیں۔ خالی نبی کے نام کا اطلاق جائز نہیں

سمجھتے۔ بلکہ مرکب نام "نبی الاولیاء" کا اطلاق جائز سمجھتے ہیں تا لوگوں کو تشریعی نبوت کے دعویٰ کا دھوکہ نہ لگے
چنانچہ شیخِ اکبر حضرت محی الدین ابنِ عربی رحمہ نبی کے نام کے اٹھائے جانے کی یہی وجہ بیان
فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فَسَدَدْنَا بَابَ اِطْلَاقِ لَفْظِ النبوة عَلٰی هٰذَا الْمَقَامِ
مَعَ تَحَقُّقِهٖ لِئَلَّا يَتَخَيَّلَ مُتَخَيِّلٌ اَنَّ الْمُطْلِقَ
لِهٰذَا اللَّفْظِ يُرِيْدُ نُبُوَّةَ التَّشْرِيْعِ فَيَغْلَطَ۔

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۳)

کہ "نبوت کے پائے جانے کے باوجود لفظِ نبوت کا استعمال ہم نے اس
لئے نہیں کیا۔ کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اس لفظ کو بولنے والا تشریعی
نبوت مراد لیتا ہے اور غلطی میں پڑ جائے۔" الیس غلط فہمی سے لوگوں
کو بچانے کے لئے نبوتِ جاریہ کے لئے ان بزرگوں نے نبوت الولایت
کی اصطلاح اختیار فرمائی ہے ۔"

محدثیت بھی ان لوگوں کے نزدیک جزوی طور پر نبوتُ الولایت ہی ہے۔ اور
نبوت غیر تشریعی کو جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء بنی اسرائیل کو ملی تھی۔
اسے بھی یہ نبوت الولایت ہی کہتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ نبوت مستقلہ تھی ملاحظہ
ہو فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ صفحہ ۹ بلحاظ ایڈیشن مختلف) وہ لکھتے ہیں:۔

اِنْ اَرَادَ اَصْحَابُ النُّبُوَّةِ الْمُطْلَقَةِ فَالْمُحَدَّثُوْنَ
جزءٌ مِنْهَا فَالنَّبِيُّ الَّذِيْ لَاشَرْعَ لَهٗ هُمَا
يُوْحِيْ اِلَيْهِ بِهٖ هُوَ رَأْسُ الْاَوْلِيَاءِ ....

وَهٰؤُلَاءِ هُمْ أَنْبِيَاءُ الْأَوْلِيَاءِ[1] وَأَمَّا الْأَنْبِيَاءُ الَّذِيْنَ لَهُمُ الشَّرَائِعُ فَلَا بُدَّ مِنْ تَنَزُّلِ الْأَرْوَاحِ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ بِالْأَمْرِ وَالنَّهْيِ

کہ "نبوتِ مطلقہ رکھنے والے انبیاء مراد ہیں تو محدثؑ ان کا جزو ہیں اور وہ نبی جس کی وحی میں شریعت نہ ہو وہ راس الاولیاء ہوتا ہے .... اور یہ سب لوگ (غیر تشریعی انبیاء اور محدثین) انبیاء الاولیاء ہیں لیکن وہ انبیاء جن کو شریعت ملتی ہے ان کے دل پر ملائکہ کا امر و نہی کے ساتھ نازل ہونا ضروری ہے۔"

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ محدثؑ کی تعریف میں لکھتے ہیں:۔

"اِنَّ کَلَامَ اللّٰہِ قَدْ یَکُوْنُ شِفَاھًا وَذٰلِکَ الْاَفْرَادُ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَقَدْ یَکُوْنُ لِبَعْضِ الْکُمَّلِ مِنْ مُتَابِعِیْھِمْ وَاِذَا کَثُرَ ھٰذَا الْقِسْمُ مَعَ وَاحِدٍ مِنْھُمْ سُمِّیَ مُحَدَّثًا" (مکتوبات جلد ۲ ص۲)

کہ "کبھی مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کا شرف بالمشافہ بھی حاصل ہوتا ہے اور یہ کلام انبیاء کے افراد سے ہوتا ہے اور کبھی ان کے بعض کامل متبعین سے بھی ایسا مکالمہ مخاطبہ ہوتا ہے اور جب کسی کامل متبع سے خدا تعالیٰ بکثرت بالمشافہ کلام کرے تو اسے محدث کہتے ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود

---

[1] حضرت اقدس کی امتی نبی کی اصطلاح میں نبی الاولیاء کی اصطلاح کی نسبت زیادہ احتیاط ہے۔ کیونکہ نبی الاولیاء کی اصطلاح محدثین امت اور غیر تشریعی مستقل انبیاء میں مشترک ہے۔ اور امتی نبی کی اصطلاح مستقل نبوت سے الگ ہے۔ منہ

قرار دیا ہے۔ پھر مکتوبات جلد اول صفحہ پر فرماتے ہیں :۔

"جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ علوم وحی سے حاصل کئے یہ بزرگانِ ملت الہام کے ذریعہ وہی علوم اصل یعنی خداتعالیٰ سے حاصل کرتے ہیں۔ اور علماء ان علوم کو شریعتوں سے اخذ کرکے بطریقِ اجمال پیش کرتے ہیں۔ وہی علوم جس طرح انبیاء کو تفصیلاً اور کشفاً حاصل ہوتے ہیں۔ ان بزرگوں کو بھی اسی طرح حاصل ہوتے ہیں۔ اور اس کمال کے پانے میں صرف اصالت اور تبعیت (یعنی براہِ راست اور بالواسطہ پانے) کا فرق موجود ہوتا ہے۔ اس قسم کا کمال پانے کے لئے ان میں سے (کامل اولیاء میں سے) صرف بعض کو لمبے زمانہ میں انتخاب کیا جاتا ہے۔"

سیّد اسمٰعیل شہید "منصبِ امامت" صفحہ ۳۱ پر فرماتے ہیں۔ کہ :۔

"جاننا چاہیئے کہ خداتعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک الہام بھی ہے، یہی الہام اگر انبیاء کو ہو۔ تو اسے وحی کہتے ہیں اور اگر انبیاء کے غیر کو ہو تو اسے تحدیث کہتے ہیں۔ کبھی مطلق الہام کو خواہ انبیاء یا اولیاء کو ہو قرآن کی رُو سے وحی کہتے ہیں۔"

حضرت مولانا جلال الدین رومی جن سے علامہ اقبال تصوف میں فیض پانے کے مدّعی ہیں۔ گویا جن کی شاگردی کا دم بھرتے ہیں۔ الہام کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ؎

نے نجوم است و نہ رمل است و نہ خواب

وحئ حق واللہ اعلم بالصّواب

از پئے رُو پوشِ عامہ در بیاں

وحئ دل گویند آں را صوفیاں

کہ "جو باتیں اوپر کہی گئیں ہیں۔ یہ نجوم رمل اور خواب کی باتیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ خدائی وحی ہیں صرف عوام النّاس سے چھپانے کے لئے صوفی اسے وحیِ دل کہہ دیتے ہیں۔"

(مثنوی جلد ۴ صفحہ ۱۵۱)

پھر حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ خاتم النّبیین کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں:۔

"بہر ایں خاتم شد است او کہ بجود — مثلِ او نے بود و نے خواہند بود"

کہ " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے خاتم ہیں کہ سخاوت یعنی افاضہ روحانیہ میں آپؐ جیسا نہ کوئی ہوا ہے اور نہ ہو گا۔"

"چونکہ در صنعت برد استاد دست

تو نہ گوئی ختمِ صنعت بر تو است"

" جب کوئی کاریگر اپنی صنعت میں کمال تک پہنچ جاتے تو اسے مخاطب کیا تو یہ نہیں کہتا۔ کہ تجھ پر صنعت ختم ہو گئی ہے یعنی تو نے کاریگری کے کمال کو پا لیا ہے۔"

اس شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین بمعنی ایسے صانع قرار دیا ہے جو کاریگری (یعنی افاضۂ روحانیہ) میں انتہائی کمال پر پہنچ گیا ہو اس سے ظاہر ہے کہ خاتم النّبیین کے معنی آپؐ کے نزدیک نبی تراش ہیں

چنانچہ اسی ختمِ نبوت کا فیض دائرہ صاف الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:۔

سے فکر کن در راہِ نیکو خدمتے
تا نبوت یابی اندر اُمتے

(دفترِ پنجم مثنوی مولانا روم ص۵۳ شائع کردہ مولوی فیروز الدین صاحب)

کہ "اے انسان نیکی کی راہ میں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کوئی ایسی خدمت بجا لا کہ تجھے امت کے اندر نبوت مل جائے۔" پس حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ کے نزدیک خاتم النبیین سے مراد ایسا فیض وجود ہے۔ جس کی اطاعت اور پیروی سے امت کے اندر نبوت مل سکتی ہے۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

اَمَّا الْاِلْقَاءُ بِغَیْرِ التَّشْرِیْعِ فَلَیْسَ بِمَحْجُوْرٍ وَ لَا التَّعْرِیْفَاتُ الْاِلٰھِیَّۃُ بِصِحَّۃِ الْحُکْمِ الْمُقَرَّرِ اَوْ فَسَادِہٖ وَکَذٰلِكَ تَنَزُّلُ الْقُرْآنِ عَلٰی قُلُوْبِ الْاَوْلِیَاءِ مَا انْقَطَعَ مَعَ کَوْنِہٖ مَحْفُوْظًا لَھُمْ وَلٰکِنْ لَھُمْ ذَوْقُ الْاِنْزَالِ وَھٰذَا لِبَعْضِھِمْ۔ (فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۷)

یعنی "غیر تشریعی الہام ممنوع نہیں اور نہ ایسا الہامِ الٰہی ممنوع ہے جو کسی (رائج) حکم کی تصدیق کرنے کے لئے ہو یا کسی (رواج یافتہ غلط) حکم کے فساد وخرابی کو دور کرنے کے لئے ہو۔ اسی طرح قرآن مجید کا اولیاء کے قلوب پر نازل ہونا منقطع نہیں ہوا

باوجودیکہ قرآن مجید ان کے لئے محفوظ ہے لیکن انہیں نزولِ قرآنی کا ذوق عطا کرنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے اور یہ شان بعض اولیا کو عطا کی جاتی ہے۔
مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ مکتوبات جلد اول کے مکتوب نمبر ۳۱۰ میں فرماتے ہیں:۔

متشابہات قرآنی خدا تعالیٰ کے نزدیک تاویل پر محمول ہیں اور ظاہر سے پھیری گئی ہیں اور علمائے راسخین کو خدا تعالیٰ نے اس تاویل کے علم سے ایک حصہ عطا فرمایا ہے چنانچہ علم غیب پر جو خدا تعالیٰ سے مخصوص ہے خاص رسولوں کو اطلاع بخشتا ہے اس تاویل کو ایسی رنگ کا خیال نہ کرنا جیسے ہاتھ کی تاویل قدرت اور وجہ (چہرہ) کی تاویل ذاتِ الٰہی کی جاتی ہے حاشا و کلا یہ تاویل اسرار سے ہے جس کا علم اخص الخواص کو ہی عطا فرماتا ہے۔"

ان تمام اقتباسات سے ظاہر ہے کہ امتِ محمدیہ کے اندر غیر تشریعی نبوت اور الہام کا دروازہ اولیاء اللہ کے نزدیک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند نہیں بلکہ ان کے تجربہ سے کھلا ہوا ثابت ہے اوپر کے اقتباسات میں ان بزرگوں نے غیر تشریعی الہام کے بعض فوائد بھی بیان کر دیئے ہیں:۔

ایک فائدہ یہ بیان کیا ہے کہ ان الہامات کے ذریعہ اسرارِ قرآنیہ و آیاتِ متشابہات کے حقائق و معارف سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

دوسرا فائدہ یہ بیان کیا ہے کہ قرآنی وحی کے نزول کا ذوق عطا کرنے کے لئے بعض اولیاء اللہ کے قلوب پر قرآنی آیات بھی نازل ہوتی ہیں۔

تیسرا فائدہ یہ بیان کیا ہے کہ رائج احکام کی صحت یا ان کی خرابی کو ان الہامات

کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا ہے (گویا غیر تشریعی نبوت یا الہام بطور حکم عدل کے کام کرتے ہیں)

ماسوا ان فوائد کے ان الہامات سے نبی متبوع کے فیوض و برکات کا کمال بھی ظاہر ہوتا ہے۔ یہ الہامات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ذریعہ ملہم کے قرب الہٰی پانے پر یقینی شاہدِ ناطق ہوتے ہیں۔ بالخصوص جب وہ امورِ غیبیہ پر مشتمل ہوں تو پیشگوئیوں کے ظہور پر دوسرے لوگوں کو بھی خدا تعالےٰ کی ہستی پر ان سے زندہ ایمان حاصل ہوتا ہے اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اسلام ان الہامات کے ذریعہ زندہ مذہب ثابت ہوتا ہے ایسے الہامات گویا قرآنِ مجید کے شجرۂ طیبہ کا ثمر ہوتے ہیں۔ جس کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا۔

کہ "یہ پاک کلمات ہر زمانہ میں خدا کے اذن سے پھل دیتے ہیں"

پس الہام الہٰی یا امورِ غیبیہ پر اطلاع شجرۂ قرآن کے ثمرات میں سے اعلیٰ درجہ کے ثمرات ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر نازل ہونے والے الہامات اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے امید کا پیغام ہیں۔ جو امید جماعتِ احمدیہ کے دل میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ان الہامات سے پیدا ہوئی ہے ان کے بغیر ناممکن تھی۔ مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت سے مراد صرف یہی ہے کہ آپ پر امورِ غیبیہ کا کثرت سے نازل ہوئے۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی

علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

لَیْسَتِ النُّبُوَّۃُ بِاَمْرٍ زَائِدٍ عَلَی الْاَخْبَارِ الْاِلٰھِیْ۔ (فتوحاتِ مکیّہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۷ سوال عـ ۱۸۹)

کہ "نبوت غیب کی خبریں پانے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

لغت بھی نبی کے یہی معنی بتاتی ہے اور قرآنِ مجید بھی اس بات کی تصدیق کر رہا ہے کہ کثرت سے امورِ غیبیہ صرف اس شخص پر ظاہر کئے جاتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کا برگزیدہ یعنی رسول ہو۔ جیسا کہ آیت لَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ،

(سورہ جن ع ۲، پارہ ۲۹ ع ۱۲) سے ظاہر ہے (اظہار کا صلہ علیٰ ہو تو مراد غلبہ یعنی کثرت ہوتی ہے۔ یہ غلبہ نبی کو دوسرے ملہموں کے بالمقابل دیا جاتا ہے)

پس جس شخص کا نام خدا تعالیٰ نبی رکھے اور وہ مخلوق کی طرف مامور ہو از روئے قرآن مجید اس پر امورِ غیبیہ کا دروازہ کثرت سے کھولا جاتا ہے اور وہ امتی نبی اور امتی رسول کہلاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ایک سوال اٹھا کر اس کا جواب دیتے ہیں اور الہام کی ضرورت پر اس جواب میں روشنی ڈالتے ہیں:۔

سوال یہ ہے کہ جب دین کتاب و سنّت کے ذریعہ کامل ہو گیا تو اس کمال کے بعد الہام کی کیا ضرورت تھی اور کونسی کمی رہ گئی تھی جو الہام کے ذریعہ پوری کی جاتی۔؟"

اس کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

"الہام دین کے مخفی کمالات کو ظاہر کرنے والا ہے ۔ دین میں کمالات زائد کرنے والا نہیں ۔ جس طرح اجتہاد احکام کو ظاہر کرنے والا ہے اِسی طرح الہام ان دقیق اسرار کو ظاہر کرنے والا ہے جن کے سمجھنے سے اکثر لوگوں کے فہم قاصر ہیں۔"
(مکتوبات مجدد الف ثانی رح جلد ۲ مکتوب ۵۵)

پھر مجدد صاحب علیہ الرحمۃ یہ بھی لکھتے ہیں :-

"کہ خاتم الرسل حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپؐ کے متبعین کا آپؐ کی پیروی سے اور وراثت کے طور پر کمالاتِ نبوت حاصل کرنا آپ کے خاتم الرسل ہونے کے منافی نہیں ۔" (مکتوبات مجدد الف ثانی رح)

اور کمالات نبوت کے حصول کا دوسرا طریق یہ بیان کرتے ہیں کہ :-

"ولایت کے کمالات حاصل کر کے کمالاتِ نبوت تک پہنچنا میسر آتا ہے ۔" (مکتوبات جلد اول مکتوب ۳۰۱)

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"مستقل نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے مگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں ۔ فیضِ محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی ۔ تا انسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو ۔" (حقیقۃ الوحی صـ ۲۸)

پس الہام الٰہی ان بزرگوں کے اقوال اور تجربہ کے رو سے بھی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری ہے اور آپ کا خاتم النبیین ہونا اس میں کبھی مانع نہیں ہوا۔ اگر ملک صاحب موصوف کے نظریہ کو درست سمجھ لیا جائے تو ان سب اولیاء اللہ کو جو فخرِ امت بلکہ فخرِ نوعِ انسانی اور سچائی کے آسمان کے ستارے ہیں جھوٹا مفتری یا وہمی قرار دینا پڑے گا۔ ایسے مقدسین کو جھوٹا یا وہمی سمجھنا ان پر ظلم عظیم ہے کیونکہ یہ لوگ ایسے ہیں جن کے متقی اور دیانت دار اور راستباز ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا پس یہ دانشمندی نہیں کہ الہام کے بارے میں ان کے تجربات کو جو حقائق وواقعات پر مشتمل ہیں ردّ کر دیا جائے اور انہیں ملک صاحب کے فاسد نظریہ کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ حقائق وتجارب کو ردّ کرنا اور جو نظریہ ان حقائق کے خلاف ہو اس پر اڑے رہنا صحیح منطق نہیں۔ منطقی قیاس ہرگز ایسے نظریہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا جو تجربات اور حقائق اور واقعات کے خلاف ہو۔ لیکن ملک صاحب اس دورِ عقل میں منطق بھی نئی ہی ایجاد کر رہے ہیں۔ وہ تجربات حقائق وواقعات سے تو آنکھیں بند کر رہے ہیں اور ان کے صریح خلاف ایک نظریہ علامہ اقبال کی سند پر دنیا کے دماغوں میں ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ ایسے نظریات پر قائم رہنا جو تجربات کے معیار پر پورے نہ اتریں صحیح فلسفہ نہیں۔ نظریہ کی بنیاد مقدماتِ یقینیہ پر ہو تو نظریہ سچا ہوگا اگر تجارب اور واقعات کے خلاف ہے تو باطل ہوگا۔ چونکہ ملک صاحب کا نظریہ قرآن مجید، احادیث نبویہ اور فقہاء کی تفسیر اور

اولیاء اللہ کے تجارب کے بھی خلاف ہے اس لئے ہمارے نزدیک قابلِ ردّ اور ناقابلِ قبول ہے۔

دلیل پنجم (۵)

خاتم النّبیین کے الفاظ اپنے معنی کے لحاظ سے ہم میں اور ملک صاحب میں متنازع فیہ ہیں۔ اولیاء اللہ اپنے اقوال اور تجارب کے لحاظ سے ہمارے عقیدہ کے مؤیّد ہیں کہ آیت خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کے لئے نہ الہام کا دروازہ بند کرتی ہے نہ کمالاتِ نبوت یا مقامِ نبوت کے حاصل کرنے میں روک ہے۔ ربانی علماء کے نزدیک اس آیت کے ذریعہ صرف تشریعی نبوت کا دروازہ بند کیا گیا ہے۔ یہی عقیدہ فقہائے عظام کا بھی ہے مگر ملک صاحب اس کے خلاف آیت خاتم النبیین کے رو سے مطلق الہام پانے کا دروازہ بھی بند قرار دیتے ہیں۔ اور ختمِ نبوت کی تکمیل پر ان کے نزدیک چونکہ دورِ عقلیت شروع ہو گیا ہے اس لئے اب قرآن مجید کو بھی نشانِ راہ کے طور پر استعمال کرنے کی ان کے نظریہ کی رو سے حاجت نہیں رہی بلکہ اب صرف عقل کی راہ نمائی کافی ہے۔ جب خاتم النبیین کے الفاظ کے معنی ہم میں اور ملک صاحب میں یوں متنازع فیہ ہیں تو پھر محض ان الفاظ کو ہی ان کا اپنے دعویٰ کی دلیل قرار دے دینا تاوقتیکہ کوئی اور محکم آیت ان کے معنی کی تائید میں نہ ہو علمِ منطق کی رو سے مصادرہ علی المطلوب یعنی دعویٰ کو ہی دلیل قرار دے دینا کہلاتا ہے جو درست طریقِ تحقیق نہیں۔ ملک صاحب کے دعویٰ کے مطابق ختمِ نبوت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ

دورِ عقلیت شروع ہو چکا ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد الہام الٰہی کا دروازہ کلیتہً بند کر دیا گیا ہے اور اب قرآنِ مجید کی رہنمائی کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ دلیل اس کی وہ یہ قرار دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں۔ ملک صاحب نے بزعمِ خود اپنے اس دعویٰ کو مصادرہ علی المطلوب سے بچانے کے لئے آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ اور آیت لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ کو پیش کیا ہے۔ مگر یہ دونوں آیتیں صرف تشریعی الہام کو بند قرار دیتی ہیں۔ اور ان کے نظریہ کے خلاف قرآنِ مجید کی ضرورت کو ثابت کرتی ہیں۔ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اور آیت لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ الہامِ الٰہی کا دروازہ کھلا قرار دیتی ہیں۔ اور آیت وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ (کہ جو شخص دینِ اسلام کے سوا کسی اور دین کی خواہش کرے گا تو وہ دین اس سے قبول نہیں کیا جائے گا) اس بات پر نصِ صریح ہے کہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے رہنما ہے۔ پس ملک صاحب کا نظریۂ ختمِ نبوت محض مصادرۃ علی المطلوب ہے۔ کیونکہ وہ کسی قرآنی دلیل پر مبنی نہیں۔

دلیل ششم ملک صاحب کا نظریۂ دورِ عقلیت ان کے نزدیک مسئلہ ارتقاء (Evolution Theory) پر مبنی ہے۔ قرآنِ کریم کے نزول کا زمانہ بھی ملک صاحب کے نزدیک نسبتاً دورِ

طفولیت کی ہی ایک کڑی ہے۔ الہام الٰہی آدم علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوا۔ اس پر ہزارہا سال گذر گئے۔ مگر نوعِ انسانی ملک صاحب کے نظریہ کے مطابق دورِ طفولیت سے نہ نکلی اور جونہی قرآنِ مجید تیئیس۲۳ سال میں بتمام کمال نازل ہوگیا تو ۲۳ سال کے عرصہ میں نوعِ انسانی کی طفولیت پروان چڑھ گئی اور قرآن مجید کے مکمل طور پر نازل ہوجانے پر یا بالفاظِ دیگر ختمِ نبوت کی تکمیل پر نوعِ انسانی ذہنی طور پر بالغ ہو کر دورِ عقلیت میں داخل ہوگئی۔ اب نوعِ انسانی کے اس کمال پر پہنچنے کی وجہ سے ملک صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کا مفہوم یہ بن گیا کہ اب قرآنِ شریف کو نشانِ راہ کے طور پر استعمال کرنے کی بھی حاجت نہیں رہی۔ اس لئے اس نظریہ کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ قرآنِ مجید کی ضرورت اس کے نزول کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ایک سوال

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ملک صاحب کی یہ بات درست ہے تو پھر خدا تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی حفاظت کا وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ میں تاکیدِ اکید کے ساتھ کیوں کیا۔ ایک غیر ضروری شے کے لئے جسے نشانِ راہ کے طور پر بھی استعمال کرنے کی حاجت نہیں رہی خدا تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کے اہتمام کے لئے وعدہ کی کیا ضرورت تھی؟ اس کے ساتھ ہی جب دورِ عقلیت شروع ہوچکا تھا اور ختمِ نبوت کی تکمیل کا مفاد یہ تھا کہ اب قرآنِ مجید کو بھی نشانِ راہ کے طور پر استعمال کرنے کی حاجت نہیں رہی تو

وہ مسلمان جن کی عقلیں قرآنِ مجید کے نزول پر بالغ ہو چکی تھیں انہیں کبھی
ملک صاحب کا یہ نظریہ سمجھ میں نہ آگیا۔ بلکہ وہ اس کے برخلاف قرآن مجید
کے دامن سے ہی وابستہ رہے اور اپنے معاشرہ میں وہ کتاب وسنت کو
نشانِ راہ کے طور پر استعمال کرکے ختمِ نبوت کے اس نظریہ کے عملاً منکر
رہے۔ پھر اس کے بعد تیرہ صدیاں گزر گئیں ہیں اور مسلمان اب بھی اعتقاداً
قرآنِ مجید کو ہی اپنا دینی رہنما سمجھتے ہیں اور ملک صاحب کے نظریہ ختمِ نبوت کے
منکر ہیں بلکہ سچی بات یہ ہے کہ خود خدا تعالیٰ بھی ملک صاحب کے اس نظریہ
کا منکر ہی رہا ہے کیونکہ اس نے امتِ محمدیہ کے اولیاء اللہ سے اپنے الہام
وکلام کا سلسلہ برابر جاری رکھا ہے۔ پس ختمِ نبوت کے اس نظریہ کے صحیح
طور پر ماننے والے صرف دو انسان مسلمانوں میں سے ہوئے ہیں ایک بقول
ملک صاحب علامہ اقبال اور دوسرے ملک صاحب نفسِ نفیس۔ ورنہ
جمہور مسلمان اور خود خدا تعالیٰ بھی اس نظریہ کے خلاف ہیں۔ جب اس نظریہ
کی قبولیت کا یہ حال ہے تو احمدی خلافِ قرآن کسی بڑے سے بڑے علامہ
کی سند پر بھی اس نظریہ کو قبول نہیں کر سکتے۔ وہ ختمِ نبوت کے متعلق امت
کے تیرہ صد سالہ اجماعی عقیدہ کو ہی درست سمجھتے ہیں کہ آیت خاتم
النبیین کے ذریعہ صرف تشریعی نبوت اور مستقلہ نبوت کا دروازہ بند
کیا گیا ہے۔ اور الہامِ الٰہی کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے

دلیل ہفتم

دورِ عقلیت بقول ملک صاحب ختمِ نبوت کی تکمیل پر شروع
ہو چکا ہے لیکن ہمارے مشاہدہ میں یہ بات آرہی ہے کہ اس

دورِ عقلیت میں بھی سب انسانوں کی عقل کا درجہ ایک نہیں۔ اگر ہمیں ایک طرف
عاقل، فہیم اور اعلیٰ درجہ کے ذہین آدمی ملتے ہیں تو دوسری طرف کند ذہن لوگوں
لوگوں کی بھی کمی نہیں۔ یونیورسٹیوں کے امتحانات کے نتائج انسانوں کی فہم و
عقل میں تفاوت پر روشن گواہ ہیں۔ لہٰذا اگر اس دورِ عقلیت میں بنیادی اور
اصولی امور میں بھی سب لوگوں کی عقل کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو بجائے وحدتِ فکر
کے قوم کے فکر میں خطرناک انتشار پیدا ہو گا۔ اس دورِ فکر میں پرویز صاحب کا
اندازِ فکر آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر میں ملک صاحب سے مختلف ہے ملک صاحب
ان کی تفسیر کو غلط سمجھتے ہیں۔ پرویز صاحب ختمِ نبوت کی تکمیل یا دورِ عقلیت
کے شروع ہو جانے پر بھی قرآنِ مجید کی رہنمائی کو ضروری سمجھتے ہیں مگر ملک
صاحب اپنے اس نظریہ کو قطعی اور بلا استثنا سمجھتے ہوئے قرآن مجید کو بھی
بطورِ نشانِ راہ استعمال کرنے کی ضرورت سے انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ ان
کے نزدیک اس صورت میں قرآنِ مجید کی آیات کے معانی و تفسیر میں اختلاف
ہو جانے پر الہام و نبوت کی ضرورت ثابت ہو جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ
چونکہ ملک صاحب کے پیشِ نظر امت میں نبوت کی ضرورت سے انکار تھا سلئے
ان کا یہ انکار قرآن مجید کی ضرورت کے انکار پر منتج ہوا ہے۔ مگر ملک صاحب
نے یہ نہیں سوچا کہ اگر قرآن مجید کی رہنمائی کی ضرورت سے انکار کر دیا جائے۔
اور دورِ عقلیت کے ہر فرد کو آزاد عقل سے اپنے لئے راہِ زندگی متعین کرنے کے
لئے آزاد چھوڑ دیا جائے تو عوام الناس کے لئے پھر بھی اپنے سے زیادہ عقلمندوں
کی تقلید سے چارہ نہ ہو گا۔ اور بڑے عقلمندوں کی لیڈرشپ اور پیشوائیت بہر حال

قائم رہیگی۔ لیکن قرآنِ مجید سے استفادہ کا یہ فائدہ ضرور ہوگا کہ قوم روحانی۔
معاشی اور سیاسی معاملات میں کم از کم دین کی قائم کردہ لائنوں پر سوچے
گی اور یہ امران میں اتحاد پیدا کرنے کا موجب ہوگا۔ دورِ عقلیت میں دینِ اسلام
سے آزاد ہوکر صرف وہی لوگ ہی لیڈر اور پیشوا ہوں گے جن کی عقل دوسروں سے
بڑھی ہوئی ہوگی یا جن کو بعض ذرائع سے قوم میں اقتدار حاصل ہوجائے گا۔
عوام الناس بیچارے تو مذہب کے محتاج ہی رہے خواہ وہ مذہب عقل کی
پیداوار ہو یا اس کا نازل کرنے والا خدا تعالیٰ ہو۔ جب یہ حال ہے تو کیوں
نہ خدا تعالیٰ کے دین کو ہی ترجیح دی جائے اور اگر دین کی تفسیر میں مفسرین اختلاف
پیدا کردیں تو خدا تعالیٰ کے متعلق یہ یقین رکھا جائے کہ وہ اپنے کسی مامور کو اپنے
مکالمہ مخاطبہ کی نعمت سے مشرف کرکے اس اختلاف میں حکم و عدل بنا ئیگا
ملک صاحب موصوف غور فرمائیں۔ دورِ عقلیت میں آزاد عقل کے فکر کا نتیجہ
کمیونزم کی صورت میں دنیا کی سٹیج پر نمودار ہوا ہے۔ کمیونزم کے حامیوں نے
دینِ الٰہی اور الہام کے عنصر کو مذہب سے خارج کرنے کے ساتھ ہی ہستی باری تعالیٰ
سے بھی انکار کردیا ہے وہ خدا کے تخیل کو مذہب کی پیداوار قرار دے کر درست
نہیں سمجھتے۔ اگر آپ بھی یہی سبق دیتے ہیں کہ ہمارے مفکرین کو قرآنِ کریم سے
آزاد ہوکر سوچنا چاہیئے۔ اور قرآنِ کریم سے رہنمائی حاصل نہیں کرنی چاہیئے۔
تو اس فکر کا نتیجہ کمیونزم سے بہت مختلف نہیں ہوگا۔ جس کے سیلاب سے پہلے
ہی دنیا ترساں ہے کیا یہ نظریہ پیش کرکے ملک صاحب موصوف اپنے ملک
میں کمیونزم کو دعوت دینا چاہتے ہیں؟

دلیل ہشتم ملک صاحب کا نظریۂ دورِ عقلیت نظریۂ ارتقاء پر مبنی ہے۔ اگر عقل و الہام میں تضاد و اختلاف ہے تو نظریہ ارتقاء کے فلسفہ پر غور کرنے سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ ابتدائے آفرینش میں جبکہ انسان دورِ طفولیت میں تھا اس وقت اسے الہامی سہارے کا اس سے زیادہ محتاج ہونا چاہیئے تھا اور خاتم النبیینؐ کے ظہور پر جبکہ نوع انسانی کے ارتقاء ذہنی پر ہزاروں سال بیت چکے تھے نوعِ انسانی کو کم از کم الہامی سہارے کی ضرورت ہونی چاہیئے تھی۔ پھر اس فلسفہ کا منطقی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ ابتدائے آفرینش میں یعنی دورِ طفولیت کے آغاز میں انسان کو ایک جامع شریعت دی جاتی۔ اور عقل کے بتدریج پختہ ہو جانے پر نزولِ الہام میں کیفیت و کمیت میں بتدریج کمی ہوتی چلی جاتی۔ مگر واقعات اس فلسفہ کے بالکل برعکس ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے وقت الہام صرف چند ابتدائی۔ تمدنی اور معاشی احکام دیئے گئے جو صرف یہ کرو اور یہ نہ کرو تک محدود تھے۔ قریباً یہی حال بعد کے زمانہ میں بھی تھا کہ اس زمانہ کے انبیا کو فلاں کام کرو اور فلاں کام نہ کرو کی حد تک احکام دیئے جاتے رہے اور ان احکام کے عقلی دلائل الہامی طور پر سمجھائے نہیں جاتے تھے۔ چنانچہ یہ بات ملک صاحب کو اپنی کتاب "احمدیہ تحریک" میں خود بھی مسلّم ہے کہ پہلی قوموں کو دلائل مہیا نہیں کئے گئے لیکن قرآن مجید کی وحی میں اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ اوامر و نواہی کے نزول کے ساتھ ہی ان کے فلسفہ اور حکمت کو بھی سمجھا دیا گیا ہے۔

ایک ضروری سوال - اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ

ہے کہ ابتدائے آفرینش میں جب الہامی سہارے کی نوعِ انسانی کو زیادہ ضرورت تھی اس وقت تو کم سہارا دیا گیا لیکن جب عقلِ انسانی پروان چڑھنے کے قریب آ گئی تو اسے الہامِ الٰہی کا زیادہ سے زیادہ سہارا دیا گیا۔ اس واقعہ سے تو صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دورِ عقل میں انسان الہامی سہارے کا پہلے زمانوں سے بھی زیادہ حاجت مند ہے اور ملک صاحب کا نظریہ کہ دورِ عقلیت میں انسان الہامی سہارے اور شریعتِ الٰہیہ کی حاجت سے مستغنی ہے۔ سچے فلسفہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

دلیل پنجم ملک صاحب کے نظریہ اور ان کی تعریفِ نبوت میں ایک صریح تضاد موجود ہے جس کی طرف ملک صاحب نے توجہ نہیں فرمائی۔ ان کے نزدیک علامہ اقبال کے قول کے مطابق نبوت ایک تصوفانہ شعور ہے ...... نبی کی شخصیت میں زندگی کا مرکز اپنی ہی لامحدود گہرائیوں میں ڈوب کر تازہ قوت حاصل کر کے ابھرتا ہے۔ گویا نبوت علامہ اقبال کے نزدیک ایک قسم کا شعور ہے۔ نبوت کی یہ تعریف درست نہیں کیونکہ شعور تو ایک داخلی امر ہے اور الہام و نبوت آپ کے نزدیک خارجی سہارا ہے۔ ہاں استعداد کی حد تک یہی یہ مسلم ہے کہ جس میں یہ استعداد پیدا ہو جائے وہ شخص ملہم من اللہ اور موردِ وحی ہو سکتا ہے۔ یہ تصوفانہ شعور جسے علامہ اقبال نبوت سمجھتے ہیں دورِ عقلیت میں آج بھی ممتنع نہیں کیونکہ علامہ اقبال، تو

ع

"اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی"

کی دورِ عقلیت میں بھی تلقین کر گئے ہیں۔ شریعتِ جدیدہ والی نبوت تو ہمارے نزدیک بھی منقطع ہے مگر سراغِ زندگی کے پانے کی حد تک تو نبوت کا شعور اور اس شعور پر الہام کا دروازہ آپ کو بھی کھلا ماننا چاہیئے۔

علاوہ ازیں ہمارا سوال ہے کہ نبوت کوئی اچھی چیز ہے یا بُری ؟ کسی روحانی رحمت اور تقرب الی اللہ پر دال ہے یا تنزلِ انسانی پر۔ اگر نبوت ایک اچھی چیز ہے اور روحانی طور پر قربِ الٰہی پر دال ہے تو ایک اچھی چیز۔ نعمت اور قربِ الٰہی کے بلند مقام سے دورِ عقلیت کے لوگوں کو محروم قرار دینا عقلاً کیوں کر درست ہے۔ ہاں اگر نبوت کوئی بری چیز ہوتی۔ کوئی بیماری ہوتی۔ یا غضبِ الٰہی کی علامت ہوتی تو اس کا دروازہ بند ہونا بہرحال مناسب ہوتا۔ مگر نبوت تو آسمانی حکمت سکھاتی ہے اور ایک رحمتِ الٰہی ہے لیکن ملک صاحب موصوف اس کے بالمقابل اس انسانی عقل کو کھلی چھٹی دے رہے ہیں۔ جس کے آزادانہ استعمال سے دہریت اور کمیونزم کا فلسفہ معرضِ وجود میں آیا ہے۔

دلیل دہم

دورِ طفولیت میں ابلیس نے آدم ؑ کے بالمقابل آزاد عقل کو ہی استعمال کیا تھا جس کے نتیجہ میں وہ خلافتِ الٰہیہ کو قبول کرنے سے محروم رہا۔ جب ابلیس کو آدم کی خلافت کی اطاعت کا حکم دیا گیا تو اس نے خلافتِ آدم کا انکار اس دلیل پر کیا۔ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ۔ (کہ "مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم ؑ کو مٹی سے) اس موقع پر گویا اس کی دلیل یہ تھی کہ میری قابلیتیں آدم ؑ کی قابلیتوں سے بڑھ کر ہیں تو میں کس طرح اس

کی اطاعت کروں ملک صاحب کا دورِ عقلیت کا نظریہ اس مفہوم کے ساتھ جو ملک صاحب نے پیش کیا ہے۔ دینِ خداوندی کے خلاف دراصل اسی الحاد کی روح پیدا کرتا ہے جس روح کے ساتھ ابلیس نے آدم علیہ السلام کی خلافت سے انکار کیا تھا۔ ملک صاحب بھی عملاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کی ضرورت سے انکار کر رہے ہیں اور کرانا چاہتے ہیں کیونکہ اس نظریہ میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ انسانی عقل اب اتنی ترقی حاصل کر چکی ہے کہ اسے اب نہ الہامی سہارے کی ضرورت ہے نہ شریعتِ قرآنیہ کی حاجت ہے گویا ملک صاحب موصوف قوم کو اس طرف لانا چاہتے ہیں کہ وہ ۔۔ شریعت محمدیہ سے جو خلافتِ الٰہیہ ہے انکار کر کے اپنی عقل کی سرداری کو تسلیم کرے اور اپنی عقل کے بالمقابل کسی سند کو خاطر میں نہ لائے خواہ وہ سند آسمانی ہی کیوں نہ ہو۔

دلیل یازدہم قرآنِ کریم میں الہام آلہی کو بارش سے تشبیہہ دی گئی ہے عقلی استعداد اور قابلیت اس کے بالمقابل زمین کی استعداد کے مشابہ ہے۔ انسانی دماغ کا حال بالکل زمین کی طرح ہے جس طرح فصل مصنوعی آبپاشی سے بھی بڑھتی ہے اور آسمانی بارش سے بھی اور پانی کے بغیر زمینی قابلیتیں کام نہیں کرتیں۔ ویسے ہی انسانی عقل کبھی بھی آسمانی پانی یعنی وحی الٰہی سے مستغنی نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ وحی والہام بالواسطہ حاصل ہو یا براہِ راست جس طرح محض انسانی تدبیروں کے سہارے ہی زمین سے کافی پیداوار حاصل نہیں کی جا سکتی اسی طرح محض انسانی تدابیر سے نہ دنیا کی کامل اصلاح ہو سکتی ہے

اور نہ اسے کامل امن و اطمینان نصیب ہو سکتا ہے اہل دنیا کی نجات دنیا اور آخرت میں شریعتِ الٰہیہ اور الہام الٰہی سے ہی وابستہ ہے جو آسمانی پانی ہے جس طرح زمین اپنی اصل فطرت میں کھیتی باڑی کے لئے پوری قابلیت رکھنے کے باوجود خوراک پیدا کرنے کے لئے خارجی سہارے کی محتاج ہے اور انسان اس سہارے سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اس سہارے میں اپنی کوئی ہتک نہیں سمجھتا تو عقل انسانی بھی اپنی اصل فطرت میں اگر خارجی سہارے کی محتاج رہے تو اس کی عظمت و شان میں کیا کمی آ سکتی ہے۔ ہاں نظریۂ ارتقا کے مطابق ہمیں یہ ماننا چاہیئے کہ جس شخص کا ذہنی ارتقاء جتنا بلند ہوگا اس پر الہام کی تجلّی بھی اپنی کیفیت اور کمیّت کے لحاظ سے اسی قدر اعلیٰ وارفع ہونی چاہیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں بلحاظ اصولِ شرعیتہ و قوت دلائل و جامعیتِ تعلیم اسی بنا پر بیّن فرق ہے۔ حالانکہ دونو صاحب شریعت نبی ہیں۔ ہمارے نزدیک ارتقاءِ ذہنی کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس کمال پر پہنچے ہیں اس نقطۂ کمال تک نہ کوئی پہلوں میں سے پہنچ سکا اور نہ قیامت تک کسی ذہن کو اس غایت درجہ کی استعداد حاصل ہوگی۔ اسی لئے آپؐ کو ایک ایسی شریعت دی گئی جو اپنے کمالات میں اتم و اکمل ہے یعنی اس نے شریعت کی تمام ضرورتوں کو اصولی طور پر قیامت تک کے لئے پورا کر دیا ہے۔

دلیل دوازدہم بدقسمتی سے ملک صاحب نے عقل اور الہام میں تضاد سمجھ رکھا ہے۔ اسی لئے وہ عقل کی جوانی اور بلوغ پر الہام کا بند

ہو جانا ضروری قرار دیتے ہیں۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ عقل اور الہام میں کوئی تضاد نہیں بلکہ یہ باہم ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ الہام عقل کی مدد کے لئے آیا ہے اور عقل انسانی کو قرآنِ مجید نے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کہہ کر الہام کو سمجھنے کی اپیل کی ہے۔ ملک صاحب کے نزدیک تو قرآن مجید نے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کہہ کر عقل کو آزاد کر دیا ہے۔ مگر یہ بات ان کی نادرست ہے کیونکہ قرآنِ مجید ایسے مقام پر قرآنی آیات میں عقل و تدبّر کو استعمال کرنے کی ہدایت فرما رہا ہے۔ نہ کہ آیاتِ قرآنیہ کو چھوڑ کر سوچنے کا حکم دے کر عقل کو آزاد ہو جانے کی تلقین کر رہا ہے چنانچہ فرماتا ہے اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ کہ کیا یہ لوگ قرآنِ مجید میں تدبّر سے کام نہیں لیتے کیا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔" ملک صاحب موصوف قرآنی الہام کے فائدہ مند ہونے سے انکار نہیں کر سکتے۔ انھوں نے صرف اس بات سے ڈر کر یہ نظریہ اختیار کیا ہے کہ قرآنِ مجید کے سمجھنے میں چونکہ اختلاف بھی ہو جاتا ہے اس لئے قرآن کی ضرورت سے ہی انکار کر دیا جائے تاکہ اس اختلاف سے بھی بچ جائیں اور آئندہ کے لئے کسی نبی کی ضرورت بھی نہ ماننی پڑے ان کے نزدیک قرآنِ مجید کی ضرورت کو مان کر اس کی تفسیر میں اختلاف کا پیدا ہو جانا ضروری امر ہے اور اختلاف پیدا ہو جانے پر نبوت کی ضرورت ان کے نزدیک خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔ کیا ملک صاحب دل سے دینِ الٰہی سے بیزار تو نہیں؟ کیونکہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے

وہ ختم نبوت کے عجیب و غریب معنی گھڑ کر ضرورت قرآن سے انکار کرانا چاہتے ہیں۔

دلیل سیزدہم ملک صاحب موصوف کو خود مسلّم ہے کہ :-

"مسلمانوں کا کوئی فرقہ اس مفروضہ پر ایمان نہیں رکھتا کہ قرآنی تعلیم پرانی ہو گئی ہے اور وقت کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتی۔" (احمدیہ تحریک ص ۱۳۱)

جب اسی دورِ عقلیت میں مسلمانوں کا کوئی فرقہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیم کو وقت کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے والی خیال کرتا ہو۔ بلکہ یہ سب فرقے قائل ہیں کہ قرآنی تعلیم ہمارے وقت کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے تو پھر انہیں کیا ضرورت ہے کہ ختم نبوت کے ملک صاحب کے اختراعی معنی مان لیں کہ اب ہمیں قرآنی شریعت کی ضرورت نہیں رہی۔ ملک صاحب کے ختم نبوت کے اختراعی معنے اس دورِ عقلیت کے عاقل مسلمانوں کے نزدیک سراسر نادرست ہیں کیونکہ ان معنوں کو ماننے کے نتیجہ میں انہیں اسلام چھوڑنا پڑتا ہے اور اس کے بدلہ میں لادینی اختیار کرنا پڑتی ہے۔ مغربی اقوام تو آج اپنی زندگی کی تشنگی کو بجھانے کے لئے الہامی عناصر کی ضرورت محسوس کرنے لگی ہیں اور اپنے اسی دورِ عقلیت کے نظریہ کی خامی کو محسوس کر رہی ہیں لیکن ملک صاحب موصوف اب الٹی گنگا بہانا چاہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ یورپ جب کسی نظریہ سے بیزار ہونے لگتا ہے تو ہمارے ملک کے ملا سفر اور مفکر اس پر ایمان لانے لگتے ہیں گویا یہ کالوحیہ

مِنَ السَّمَاءِ ہے۔

دلیل چہاردہم چونکہ قرآن مجید کو ملک صاحب موصوف نے نسبتاً دورِ طفولیت کی کتاب قرار دیا ہے اور ختمِ نبوت کی تکمیل پر اس کی ضرورت سے بھی انکار کر دیا ہے لہٰذا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص حضرت خاتم النبیّٖن صلی اللہ علیہ وسلم کو عقل کے لحاظ سے نسبتاً دورِ طفولیت کا انسان سمجھا جائے اور ختمِ نبوت کی تکمیل پر وہ فلاسفر جو آزاد عقل سے کام لینے والے ہوں ان کا مقام ذہنی ارتقاء کے لحاظ سے تمام انبیاء کرامؑ اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بالا سمجھا جائے۔ ختمِ نبوت کے وہ معنی جو یہ نتیجہ پیدا کریں درست نہیں ہو سکتے کیونکہ اس میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین ہے۔ حالانکہ وہ فلاسفر جن کو اس نظریہ کی رُو سے ذہنی ارتقاء میں انبیاء سے بالا قرار دینا پڑتا ہے۔ درحقیقت وہ ان انبیائؑ کی جوتیاں اٹھانے کے قابل بھی نہیں۔ پس چونکہ یہ نظریہ انبیائے کرام علیہم السلام کی توہین و ہتک کا موجب ہے اس لئے مردود ہے۔

دلیل پانزدہم روحانی میدان میں دنیا الہام و شراعیت کے خارجی سہاروں سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتی اور عقل و الہام میں تضاد نہیں بلکہ جہاں عقل کا دائرۂ عمل ختم ہوتا ہے وہاں سے الہام کا دائرۂ عمل شروع ہوتا ہے محض عقل کی رہنمائی انسان کو روحانیت کی منازل طے نہیں کرا سکتی۔ اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ محض عقل کی

رہنمائی سے کوئی شخص روحانیت کے میدان میں کمال حاصل کر کے قرب الٰہی پا چکا ہو اس لئے روحانی منازل حاصل کرنے کے لئے الہامی رہنمائی کی ہمیشہ ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ پر زندہ ایمان اور قرآن مجید کی رہنمائی پر زندہ یقین بھی الہامی تائید سے حاصل ہوتا ہے دنیا کو آئندہ جو خطرات پیش آنے والے ہیں ان میں محض عقل کی رہنمائی کافی نہیں علاوہ ازیں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی امیدِ کامل بھی صرف الہام سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ الہام کے ذریعہ امور غیبیہ پر اطلاع پانے سے خدا تعالیٰ کی ہستی پر جو زندہ ایمان انسان کو براہ راست یا بواسطہ ملہم من اللہ حاصل ہو سکتا ہے وہ محض عقل سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتا پس انسان کو الہام کے سہارے سے مستغنی قرار دینا محض ایک عقلی ڈھکوسلہ ہے۔ جس کو عقلِ سلیم اور واقعات رد کرتے ہیں۔ محض عقل سے زیادہ سے زیادہ علم الیقین پیدا ہو سکتا ہے مگر الہام عین الیقین اور حق الیقین کے مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے علم کے ان آخری دو مرتبوں کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

دلیل شانزدہم

ملک صاحب موصوف علامہ اقبال کے نظریہ کے وکیل ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نظریہ کا یہ حصہ کہ استعداد مہیا ہو جانے پر تمام ذرائع علم کی مناہی کر دینی چاہیئے ایک ایسا نظریہ ہے جو ایک بدیہی فلسفیانہ نظریہ سے متصادم ہے۔ اصول تعلیم میں (From Known to Unknown) "معلوم سے مجہول کی طرف جانا۔" کے نظریہ پر تعلیم میں خاص زور دیا جاتا ہے۔ یعنی تعلیم میں

یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ متعلّم کی سابقہ معلومات سے فائدہ اٹھایا جائے اور ان معلومات کی مدد سے اس کیلئے مجہول کو معروف بنایا جائے۔ یہ نظریہ بالکل درست ہے کیونکہ علم منطق میں فکر و نظر کی تعریف کے بالکل مطابق ہے۔ علم منطق میں نظر و فکر کی تعریف یہ ہے کہ امور معلومہ تصوّریہ یا تصدیقیہ کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ وہ امور معلومہ، تصوریہ کسی مجہول تصوری تک پہنچا دیں۔ اور امور معلومہ تصدیقیہ کسی مجہول تصدیقی کے حصول کا ذریعہ ہوں۔ پس معلومات کی مدد سے مجہولات کی تحصیل ایک ایسا نظریہ ہے جو علم کی تحصیل اور اس میں اضافہ کے لئے ازبس ضروری ہے۔ لہٰذا عاقل کو فکر کے وقت دیگر ذرائع علم سے مستفید ہونے ۔ سے منع کر دینا ایک ایسی بات ہے جو ناقابل عمل ہے اگر اس طریق پر عمل کیا جائے تو انسان کبھی امور مجہولہ کو حاصل نہیں کر سکتا اور نہ اپنے علم میں اضافہ کر سکتا ہے جب علم کے حصول میں معلوم سے مجہول کی طرف جانا لابدی ہے تو روحانی امور میں اس نظریہ سے کیسے مستغنی ہو سکتے ہیں۔

پس ملک صاحب کا یہ نظریہ منطق کی میزان پر پورا نہیں اترتا۔

ایک اور طرح سے

مسئلہ ھذا پر ایک اور طرح سے غور فرمائیے اسلام اپنی نشأۃ اولے میں بڑھا، پھلا اور پھولا۔ خدا تعالیٰ نے تین صدیوں میں حسب حدیث "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ......" الخ اسے خوب ترقی دی۔ پھر وہ دور آگیا۔ جس کا ذکر اسی حدیث میں ثم یفشو الکذب

کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ اور قرآن مجید میں اس دور کے بارے میں بیان ہوا ہے۔ "یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ" (سورۃ سجدہ ع۱ پ۲۱)

یعنی خدا اپنے امر کی آسمان سے زمین پر تدبیر کر رہا ہے (یعنی قرآن کی تعلیم کو نازل کر کے نافذ کر رہا ہے) پھر یہ قرآن ایک ایسے وقت میں جس کی مقدار ہمارے شمار کے مطابق ایک ہزار برس ہے۔ خدا کی طرف اٹھ جائے گا۔ گویا اسلام پر خیرالقرون کی تین صدیوں کے بعد ایک ہزار سال گذر جائیں گے تو اس وقت اسلامی تعلیم کا اثر دلوں سے اٹھ چکا ہوگا۔ اور چونکہ اسلام خدا تعالیٰ کا آخری دین ہے اور اس کی حفاظت کا اس نے خود وعدہ کر رکھا تھا۔ اس لئے عین چودھویں صدی پر اللہ تعالیٰ نے حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام پر اپنے الہام سے ظاہر کیا کہ اب آپؑ کے ہاتھوں پر دینِ اسلام نئے سرے سے زندہ ہوگا یعنی اس کی تجدید ہوگی۔ اور اُسے ادیانِ باطلہ پر غلبہ دیا جائے گا۔ گویا بروقت آپؑ کے ذریعہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ جس وقت حضرتِ بانی سلسلہ احمدیہؑ کا ظہور ہوا۔ وہ دور ایک مایوسی کا دور تھا۔ مسلمان سخت خطرات میں گھرے ہوئے تھے۔ عیسائی اور آریہ اسلام پر حملہ آور تھے مسلمانوں کی کشتیٔ حیات ڈگمگا رہی تھی اور ان کے علما یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ ناؤ اب ڈوبی کہ اب ڈوبی۔ چنانچہ علامہ حالی لکھتے ہیں۔ ؎

؎ پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
؎ مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

اس مایوسی کے دور میں مسلمانوں کے دلوں میں الہام کے نور نے ایک امید کی شمع روشن کر دی۔ ایک بیداری نے جنم لیا۔ اور ایک درویشوں کی جماعت اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا پیغام سن کر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر جمع ہو گئی۔ یہی جماعت احمدیہ کہلاتی ہے جو آج اپنے سرفروشانہ اور جان نثارانہ کارنامے اسلام کی راہ میں سرانجام دے کر اکنافِ عالم میں اسلام کا علم بلند کر رہی ہے۔ اس کے بانی کے سامنے مشکلات کے پہاڑ کھڑے کئے گئے۔ اس کے دعاوی کے خلاف خطرناک معاندانہ تنقید کی گئی۔ علماءِ وقت کی طرف سے اس کے خلاف کفر کے فتوے لکھے گئے۔ دعویٰ سے پہلے جو اعزاز قوم کے دل میں آپؑ کا تھا وہ دعویٰ کے بعد ملیامیٹ کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔ ایسے خطرات میں گھرے ہوئے کسی دنیادار مفتری یا وجاہت پسند کا قدم جادۂ اعتدال پر قائم نہیں رہ سکتا۔ ایسے مواقع پر وہی شخص ثابت قدم رہ سکتا ہے۔ جسے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہامی تائید حاصل ہو۔ اور جس کی ڈھارس خود خدا تعالیٰ اپنے تازہ بتازہ مکالمہ مخاطبہ سے بندھاتا ہو اس مقام پر محض عقلِ انسانی وہ ہمت، وہ حوصلہ، وہ امید اور وہ

قوت نہیں دلا سکتی۔ جو الہامِ الٰہی کے چند الفاظ سے ملہم من اللہ کو مل سکتی ہے۔ الہام ملہم کے سامنے اس کے انجام کو سو فیصدی واضح کر دیتا ہے لیکن عقلی تدابیر سے یہ یقین اور امید پیدا نہیں ہو سکتی کہ میں سو فیصدی کامیاب ہو جاؤں گا۔

لہٰذا اسلام کی اس نشاۃ ثانیہ کے دور میں امید کا پیغام دینے کے لئے الہام کی ایسی ہی اشد ضرورت تھی جیسا کہ اس کی نشاۃِ اولیٰ کے وقت ضرورت تھی۔ قرآنِ کریم نے الہام کی ایک ضرورت لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ کے الفاظ میں امید دلانا بھی بیان فرمائی ہے ان الفاظ میں معترضین کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ قرآن یکدم کیوں نازل نہیں ہو گیا؟ خدا تعالیٰ جواب میں فرماتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو مضبوطی دینا چاہتے تھے۔ اس قلبی مضبوطی کے حاصل کرنے کے لئے عقل اور اس کی تدابیر ناکافی ہیں۔ اس لئے الہام کی ضرورت سے خصوصاً اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے دور میں ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا مسلمانوں کو امید کا پیغام دینے کے لئے الہام کا نزول اس زمانہ میں از بس ضروری تھا۔ پھر سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانیت کے میدان میں جو عقل عطا کی گئی اس حد تک تو کوئی عقل نہیں پہنچ سکتی۔ وہ اُمّی تھے مگر خدا تعالیٰ نے ان کو ایسی تربیت دی اور ان کی عقل کو ایسا پروان چڑھایا کہ قیامت تک دنیا کے تمام فلاسفر اور عقلمند

ان کے خوشہ چین رہیں گے۔ اور ان کے سہارے سے بے نیاز ہو کر روحانیت کی کوئی منزل طے نہ کر سکیں گے۔ آپ کی پیروی اور اتباع کو چھوڑ کر وہ قرب الٰہی کا کوئی درجہ طے نہیں کر سکتے کیونکہ آپؐ کی پیروی ہی روحانی زندگی ہے اور روحانی زندگی کے حصول کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے سہارے سے کوئی شخص بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

مَنْ یَبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ۔

کہ "جو بھی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی خواہش کرے گا۔ اس سے وہ دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ انجام کار خسارہ پانے والا ہوگا۔"

نظریے کے متعلق حرفِ آخر

علامہ اقبال نے احمدیت کی مخالفت میں اگر یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ الہامِ الٰہی کا دروازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہے تو ان کا یہ کہنا محض سیاسی وجوہ کی بنا پر ہوگا۔ ورنہ ان کی اپنی فطرت تو بلند آواز سے یہ پکار رہی تھی ؎

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی

اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لاتخف

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شجرِ طور سے "لاتخف" کی جو آواز سنی تھی قرآنی بیان کے مطابق یہ خدا تعالیٰ ہی کی آواز تھی یہ آواز علامہ اقبال کے نزدیک اب بھی سنی جا سکتی ہے لہٰذا ان کی خطرت خود پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ الہام الٰہی کا دروازہ ہرگز بند نہیں اس زمانہ میں بھی اگر کوئی معرکہ آزما ہو تو وُہ موسیٰ کلیم اللہ کی طرح الہام کے ذریعہ امید افزا پیغام سن سکتا ہے۔ اب ہمارے زمانہ میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح معرکہ آرا ہوئے اسلئے انہوں نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے الہام الٰہی کے ذریعہ امید افزا آواز سُن لی۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا یہ امید افزا پیغام ہی ہے جس کی بدولت آپؑ کی جماعت سرفروشانہ تبلیغِ اسلام کے جہاد میں مصروف ہے۔ اور اس امید کامل کے ساتھ مصروف ہے کہ اس کے ہاتھوں پر اسلام ضرور فتح پائے گا۔ یہ خدائی تقدیر ہے جو احمدیہ تحریک کے ذریعہ ظہور پذیر ہو کر رہے گی۔ یہ تحریک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اعجاز ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ؎

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد

یہ خدا کی ازلی تقدیر ہے جسے انسانی تدبیریں رد نہیں کر سکتیں۔

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا"

(الہامِ مسیح موعودؑ)

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

جن لوگوں کو خدا تعالیٰ دنیا کی رہنمائی کے لئے مامور فرماتا ہے۔ ان کو اپنے خزانہ سے نشانات کے کچھ ایسے جواہر عطا فرماتا ہے۔ جن کے حاصل کرنے پر وہ شخص ہرگز قادر نہیں ہو سکتا۔ جو خدا تعالیٰ سے قرب کا تعلق نہ رکھتا ہو۔ مامورین اللہ ان نشانوں کی وجہ سے "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کا مصداق بن جاتے ہیں۔ نشانات ان کے دعویٰ کو جو پہلے نظری حیثیت رکھتا ہے۔ بدیہی امور کی طرح بنا دیتے ہیں۔ اور مامورین اللہ کی ان نشانات سے ایسی تائید ہوتی ہے کہ ہر سلیم الفطرت جو ان نشانات میں غور کرتا ہے۔ اور ان کا صحیح مشاہدہ کرتا ہے وہ علم الیقین و عین الیقین بلکہ ان پر ایمان لانے کی برکت سے حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اپنی ذات میں بعض انفسی نشانات کا مشاہدہ کرنے لگ جاتا ہے۔ مامورین اللہ کے یہ نشانات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ آفاقی اور انفسی جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۔ ہم

یعنی ہم ان لوگوں کو نشانات آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے نفسوں میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی۔ کہ یہ سچ ہے

ہماری مراد ان نشانات سے وہ امورِ غیبیہ ہیں جو مامورین اللہ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی تائید و نصرت کے لئے کثرت کے ساتھ عطا ہوتے ہیں۔ یہ امورِ غیبیہ خدا تعالیٰ کے خالص غیب پر مشتمل ہوتے ہیں۔ قیاس اور تخمینے کا ان میں کوئی دخل متصور

نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ (انعام ۶۰) یعنی غیب کی کنجیاں خدا کے پاس ہیں غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ وہ یہ بھی فرماتا ہے عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (سورہ جن ۲۶) یعنی خدا عالم الغیب ہے پس وہ اپنے غیب پر کسی کو (دوسرے لوگوں کے مقابل) غلبہ نہیں دیتا۔ بجز اس شخص کے جو اس کا برگزیدہ رسول ہو۔ پس کسی مامور من اللہ کے دعویٰ کی صداقت کا ایک قطعی معیار اس کے نشانات بھی ہیں جو اسے خدا کے اس خزانہ سے ملتے ہیں جس کی چابیاں صرف خدا کے قبضہ میں ہیں اور اس خزانہ سے کوئی مفتری علی اللہ کوئی ایسا نشان اپنی تائید کے لئے حاصل نہیں کر سکتا۔ جو صرف مامور من اللہ کے لئے دکھایا جاتا ہے۔ پس کسی مامور من اللہ کی صداقت پر بحث کرتے ہوئے اُسکے نشانات کو زیر بحث لانا اور ان کا پورے طور پر جائزہ لینا اور اُنکے بارے میں سیر حاصل تحقیق کرنا ازبس ضروری ہوتا ہے۔ ہم افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار کرنے پر مجبور ہیں کہ ملک محمد جعفر خاں صاحب ایڈووکیٹ کی کتاب اس بارے میں قریبًا بالکل خاموش ہے وہ صرف دو پیشگوئیاں زیر بحث لائے ہیں جو دونوں کی دونوں انذاری اور وعیدی ہیں اور اُن پر ملک صاحب کی تنقید کا جواب ہم اپنی جگہ پڑھ چکے ہیں۔ لیکن بہت سی ایسی پیشگوئیاں جو آفاقی یا انفسی ہیں اور حضرت اقدس کے حق میں تبشیر کا پہلو رکھتی ہیں۔ یا محیر العقول طریق سے پوری ہو چکی ہیں ان کو سراسر تحقیق سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ پس ملک صاحب کی کتاب اس لحاظ سے ہر غور کرنے والے کے لئے سراسر ایک ناکام حربہ ہے۔ جو انہوں نے احمدیت کے

خلاف استعمال کیا ہے۔ ہم ذیل میں حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کی ایسی سترہ پیشگوئیاں ایک غیر جانبدار محقق کے رسالہ "اظہار حق" سے نقل کر رہے ہیں:۔

یہ رسالہ مولوی سمیع اللہ خاں صاحب فاروقی جالندھری نے تقسیم ہند سے قبل شائع کیا تھا یہ رسالہ مولوی صاحب موصوف نے نذیر پرنٹنگ پریس امرتسر میں باہتمام سید مسلم حسن زیدی پرنٹر طبع کرایا تھا۔ اسمیں جماعت کے عقائد اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی پیشگوئیوں کے متعلق مولوی سمیع اللہ صاحب فاروقی نے اپنی غیر جانبدارانہ تحقیق علماء کے سامنے بصورت استفسار پیش کی تھی یہ رسالہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ مولوی صاحب موصوف اس رسالہ کے صفحہ ۵۹ پر حضرت اقدس کی پیشگوئیوں کو آٹھ قسم کی قرار دیکر آٹھویں قسم کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"بعض پیشگوئیاں ایسی بھی ہیں جو حیرت انگیز طریق پر پوری ہوتی ہیں اور اُن کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک شخص کئی سال پہلے ایسی محیّر العقول باتیں کہدے جنکی نسبت بظاہر کوئی قرائن موجود نہ ہوں"

اس کے بعد مولوی صاحب موصوف جماعت احمدیہ کے بعض عقائد کو زیر بحث لانے اور ان کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرنے کے بعد حضرت اقدس کی سترہ پیشگوئیاں درج کرتے ہیں اور اپنے رسالہ کے صفحہ ۱۳ پر ان کے درج کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:۔

"آپ کے اس دعویٰ (غیر تشریعی - امتی ظلّی اور بروزی نبی) کے ثبوت میں احمدی حضرات مرزا صاحب کے الہامات اور پیشگوئیاں پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض پیشگوئیاں واقعی محیّر العقول ہیں جنھیں ہم درج کرتے ہوئے علمائے اسلام سے دریافت کرتے ہیں کہ ایک معمولی انسان جس کا خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق نہ ہو کیونکر بعض آنے والے واقعات کی خبر کئی کئی سال

پیشنر دے سکتا ہے۔ ہم علمائے اسلام کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ جذبات سے قطع نظر فرماتے ہوئے دلائل سے ثابت کریں کہ اس قسم کی پیشگوئیوں کا ظہور کسی ایسے انسان سے کیونکر ہو سکتا ہے۔ جو اپنے دعوے میں سچّا نہ ہو۔" (اظہار حق صفحہ ۱۳)

اس کے بعد صفحہ ۱۴ سے صفحہ ۲۶ تک وہ سترہ پیشگوئیاں درج کرتے ہیں اور ان کے بارہ میں اپنی غیر جانبدارانہ رائے یوں پیش کرتے ہیں:۔

"ان واقعات کے متعلق اس امر کا اقرار ناگزیر ہے کہ مرزا صاحب کو ضرور اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی کا شرف حاصل تھا۔" (اظہار حق صفحہ ۲۶)

اب ہم ذیل میں مولوی سمیع اللہ صاحب فاروقی کے مضمون کا وہ حصہ درج کرتے ہیں۔ جو "مرزا صاحب کی پیشگوئیاں کے عنوان کے ماتحت انہوں نے لکھا ہے۔"

مرزا صاحب کی پیشگوئیاں

(۱) ۱۸۹۳ء میں مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مرنے سے پہلے میرا مومن ہونا تسلیم کر لیں گے۔ اس پیشگوئی کے پورے بیس برس بعد ۱۹۱۳ء میں جب کہ مرزا صاحب کو فوت ہوئے چھ برس گذر چکے تھے گوجرانوالہ کی ایک عدالت میں بیان دیتے ہوئے تسلیم کر لیا کہ فرقہ احمدیہ بھی قرآن اور حدیث کو مانتا ہے اور ہمارا فرقہ کسی ایسے فرقے کو جو قرآن اور حدیث کو مانے کافر نہیں کہتا۔

(دیکھو مقدمہ نمبر ۳۰۰ بعدالت لالہ دیولی نند مجسٹریٹ۔ درجہ اوّل)

واضح رہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مرزا صاحب کے سخت مخالف تھے حتیٰ کہ آپ نے مرزا صاحب پر کفر کے فتوے لگائے تھے۔ عین اس زمانہ میں مرزا صاحب نے

پیشگوئی کی کہ مولانا موصوف وفات سے قبل میرا مومن ہونا تسلیم کر لیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ اور مولوی صاحب کو عدالت میں یہ بیان دینا پڑا۔ کہ اُن کا فرقہ جماعت مرزائیہ کو مطلقاً کافر نہیں کہتا۔ یہ ایک ایسا بدیہی نشان ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

(۲) پنڈت لیکھرام کی وفات کی مرزا صاحب نے پیشگوئی کی اور کہا کہ "عید اس نشان کے دن سے بہت قریب ہو گی" یعنی لیکھرام کی وفات اور عید کا دن متصل ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ اور پنڈت لیکھرام عید کے دوسرے دن مقتول ہوئے یقیناً یہ بات انسان کے بس کی نہیں ہے۔ ایک شخص عرصہ پہلے یہ کہدے کہ فلاں شخص فلاں موقعہ پر قتل ہو گا۔ اور پھر ایسا ہی ہو۔ یقیناً اس قسم کے واقعات انسانی عقل سے بہت بالا ہیں +

(۳) ۲۶-۲۷-۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ئہ کو لاہور میں جلسہ مذاہب ہونے والا تھا۔ جس میں دوسرے مذاہب کے نمائندوں کے علاوہ مرزا صاحب نے بھی تقریر کرنی تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ ۲۱ دسمبر ۱۸۹۶ئہ کو مرزا صاحب کو بقول اُن کے اللہ تعالیٰ سے اطلاع ملی کہ ان کا مضمون سب سے بلند رہے گا۔ چنانچہ اسی روز آپ نے اشتہار کے ذریعہ اعلان بھی کر دیا کہ ہمارا ہی مضمون غالب رہے گا۔ نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ مرزا صاحب کا مضمون سب پر غالب رہا۔ اور سول ملٹری گزٹ پنجاب، اوبزرور اور دوسری اخباروں نے صاف صاف لکھ دیا کہ مرزا صاحب کا مضمون بہت بلند تھا۔ خود صدر جلسہ نے جلسہ کی کارروائی کی جو رپورٹ مرتب کی اس میں بھی اس مضمون کی خوبیوں کا اعتراف کیا۔

یہ ایسی باتیں نہیں ہیں جنہیں اتفاقی کہا جائے۔ ایک شخص کئی روز پہلے یہ اعلان کرتا ہے کہ اس کا مضمون سب پر بازی لے جائیگا۔ حالانکہ دوسرے مقرر

بھی کچھ کم پایہ کے لوگ نہ تھے۔ بالضرور اس میں تصرف الٰہی کے کرشمے نمودار ہیں۔
(۴) ۲۲ مئی ۱۹۰۵ء کو آپ نے رؤیا دیکھا۔ "آہ نادر شاہ کہاں گیا" یہ اس وقت کی
بات ہے۔ جب کہ نادر خاں ابھی بچہ ہی ہوگا۔ اور اس وقت دنیا کے تمام بادشاہوں میں
کوئی نادر شاہ بادشاہ نہ تھا۔ لیکن حیرانی ہے کہ بعد میں ایک شخص غیر متوقع طور پر نادر خاں
سے نادر شاہ بنا اور وہ طبعی موت سے بھی نہ مرا۔ بلکہ ایسے طریق سے قتل ہوا۔ کہ اس
وقت ہر زبان پر یہی الفاظ جاری تھے کہ "آہ نادر شاہ کہاں گیا"

یہ اس قسم کی باتیں ہیں جنہیں کوئی انسان قرائن سے نہیں سمجھ سکتا اور بغیر تصرف الٰہی
کے ۱۹۳۰ء میں ہونے والے ایک واقعہ کی خبر ۱۹۰۵ء میں دینا ناممکن ہے پس اس سے
صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس اطلاع میں خدا تعالیٰ کا تصرف کام کر رہا تھا۔

(۵) مرزا صاحب کو الہام ہوتا ہے غلبت الروم فی ادنی الارض الخ اور یہ پیشگوئی
حرف بحرف پوری ہوئی ہے۔ اگر تصرف الٰہی کام نہیں کرتا تو یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے
کہ ایک شخص عرصہ پہلے ایک ایسی بات کہہ دے جس کے حصول میں اسے مطلق کوئی دسترس
حاصل نہ ہو اور پھر وہ بات بجنسہ پوری بھی ہو جائے۔ روم کے معاملہ میں مرزا صاحب
یا آپ کی جماعت کو ذرہ بھر بھی دخل حاصل نہ تھا۔ روم کے مغلوب ہونے میں مرزائیوں
کا کچھ بھی ہاتھ نہ ہو سکتا تھا۔ اور پھر مغلوب ہونے کے بعد دوبارہ غلبہ حاصل کرنے میں
بھی مرزائیوں کی کوئی طاقت بروئے کار نہ آسکتی تھی۔ لیکن اس کامل بے بسی کے
عالم میں محولہ بالا پیشگوئی کی گئی۔ جس نے تھوڑا ہی عرصہ بعد پوری ہو کر لوگوں کو محو حیرت کر دیا

(۶) دسمبر ۱۹۰۵ء میں آپ کو اطلاع ملتی ہے۔ کہ "میں تیری جماعت کے لئے تیری
ہی ذریت سے ایک شخص کو قائم کروں گا۔ اور اس کو اپنے قرب اور وحی سے مخصوص

کروں گا اور اس کے ذریعہ سے حق ترقی کرے گا اور بہت سے لوگ سچائی قبول کرینگے"۔

اس پیشگوئی کو پڑھو اور بار بار پڑھو۔ اور پھر ایمان سے کہو کہ کیا یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی ہے۔ اس وقت موجودہ خلیفہ ابھی بچے ہی تھے اور مرزا صاحب کی جانب سے انہیں خلیفہ مقرر کرانے کے لئے کسی قسم کی وصیت بھی نہ کی گئی تھی۔ بلکہ خلافت کا انتخاب رائے عامہ پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس وقت اکثریت نے حکیم نورالدین صاحب کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ جس پر مخالفین نے بحوالہ صدر پیشگوئی کا مذاق بھی اڑایا۔ لیکن حکیم صاحب کی وفات کے بعد مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفہ مقرر ہوئے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کے زمانہ میں احمدیت نے جس قدر ترقی کی وہ حیرت انگیز ہے +

خود مرزا صاحب کے وقت میں احمدیوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ خلیفہ نورالدین صاحب کے وقت میں بھی خاص ترقی نہ ہوئی تھی لیکن موجودہ خلیفہ کے وقت میں مرزائیت قریباً دنیا کے ہر خطہ تک پہنچ گئی۔ اور حالات یہ تبلاتے ہیں کہ آئندہ مردم شماری میں مرزائیوں کی تعداد ۱۹۳۱ء کی نسبت دگنی سے بھی زیادہ ہوگی۔ بحالیکہ اس عہد میں مخالفین کی جانب سے مرزائیت کے استیصال کے لئے جس قدر منظم کوششیں ہوئی ہیں پہلے کبھی نہ ہوئی تھیں +

الغرض آپ کی ذریت میں سے ایک شخص پیشگوئی کے مطابق جماعت کے انتظام کے لئے قائم کیا گیا اور اس کے ذریعہ سے جماعت کو حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب کی یہ پیشگوئی بھی من وعن پوری ہوئی

(۲۷) اپریل ۱۹۰۶ء میں آپ کو اطلاع ملی کہ "زلزل در ایوان کسریٰ فتاد۔

اس پیشگوئی کی اشاعت سے تھوڑا ہی عرصہ بعد شاہِ ایران تخت سے معزول کئے گئے۔ اور یہ پیشگوئی پوری ہو گئی ۔

(۸) ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن وائسرائے ہند نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ وائسرائے بہادر کے اس اقدام سے بنگالی مشتعل ہو گئے۔ اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ بنگال کو دوبارہ متحد کر دیا جائے۔ وائسرائے نے انکار کیا۔ بنگالیوں نے انار کی شروع کر دی۔ چنانچہ صوبۂ بنگال میں تشدد کا زور زور شروع ہو گیا انارکسٹ پارٹی نے بم سازی اور بمباری شروع کر دی۔ کئی انگریزوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ پولٹیکل ڈاکوؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ الغرض بنگال کی حالت بے حد خطرناک ہو گئی۔ لیکن وائسرائے بہادر نے صاف طور پر اعلان کر دیا۔ کہ وہ تقسیم بنگال کو ہرگز منسوخ نہ کریں گے۔ اس حالت میں کون سمجھ سکتا تھا کہ وائسرائے کا یہ حکم منسوخ ہو جائے گا۔ اور بنگالیوں کی دلجوئی ہو گی ۔

مگر قارئین متعجب ہوں گے۔ کہ ۱۹۰۶ء میں مرزا صاحب کو اطلاع ملی کہ

"پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا۔ اب ان کی دلجوئی ہو گی"

اس کے بعد بھی حکومت کی طرف سے یہی کہا جاتا تھا کہ اس حکم میں کوئی ترمیم نہ ہو گی۔ لیکن ۱۹۱۱ء میں شاہ جارج پنجم ہندوستان میں تشریف لائے اور آپ نے تقسیم بنگال کو منسوخ کر کے بنگالیوں کی دلجوئی کر دی۔ گویا پانچ سال بعد خود بادشاہ کے ہاتھوں مرزا صاحب کی پیشگوئی پوری ہو گئی یقیناً اس پیشگوئی کے پورا ہونے میں صاحب نظر لوگوں کے لئے ایک سبق ہے۔ اور اصحابِ دانش کے لئے غور و فکر کا موقعہ ہے ۔

(۹) ۲۹ر جولائی ۱۸۹۷ء کو آپ نے دیکھا کہ حکام کی طرف سے ڈرانے کی کچھ کارروائی ہوگی۔ پھر آپ نے دیکھا کہ دونوں پر ایک ابتلا آیا۔ پھر تیسری مرتبہ ایک اور اطلاع ملی کہ ؎

صادق آن باشد کہ ایام بلا ؛ میگذارد با محبت باوفا

ان تمام اطلاعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالحمید نامی ایک شخص نے عدالت فوجداری امرتسر میں یہ بیان دیا۔ کہ مجھے مرزا غلام احمد نے ڈاکٹر ہنری مارٹن کو قتل کرنے پر متعین کیا ہے۔ اس بیان پر مجسٹریٹ امرتسر نے مرزا صاحب کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے۔ لیکن بعد میں مجسٹریٹ کو معلوم ہوا کہ وہ وارنٹ کے اجراء کا مجاز نہ تھا۔ چنانچہ اس نے وارنٹ واپس منگوا لئے۔ اور مسل گورداسپور بھجوا دی۔ جس پر صاحب ضلع نے مرزا جی کو ایک معمولی سمن کے ذریعے طلب کیا۔ یہاں خدا کا کرنا یہ ہوا۔ کہ خود عبدالحمید نے عدالت میں اقرار کر لیا۔ کہ عیسائیوں نے مجھ سے یہ جھوٹا بیان دلوایا تھا۔ ورنہ مجھے مرزا صاحب نے قتل کے لیے کوئی ترغیب نہیں دی مجسٹریٹ نے یہ بیان سُن کر مرزا صاحب کو بری کر دیا اور اس طرح سے مذکورہ بالا اطلاعات پوری ہوئیں ؛

(۱۰) امریکہ کا ایک عیسائی ڈوئی نامی جو اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ مرزا صاحب نے اسکو بہت سمجھایا کہ وہ اپنے دعویٰ سے باز آئے مگر وہ باز نہ آیا بلکہ مرزا صاحب اور ڈوئی کے درمیان مباہلہ ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو نقد سات کروڑ روپیہ کا نقصان پہنچا۔ اس کی بیوی اور بیٹا اس کے دشمن ہو گئے۔ اس پر فالج کا حملہ ہوا۔ اور بالآخر وہ پاگل ہو کر مارچ ۱۹۰۷ء میں فوت ہو گیا۔ اس

سے پہلے اگست سنہ ۱۹۰۳ء میں مرزا صاحب کو یہ اطلاع ملی تھی کہ "م اس کے صیحون پر جلد تر ایک آفت آنے والی ہے ۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا ۔ کہ وہ اپنے آباد کردہ شہر صیحون سے نہایت ذلت کے ساتھ نکالا گیا ؛

اس مباہلہ اور اطلاع سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں باتیں من وعن پوری ہوئیں ۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسا ہونا محض ایک اتفاقی بات تھی ۔ یا اس کے ساتھ خدائی امداد شامل تھی ۔ حالات اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ یہ باتیں اتفاقی نہ تھیں ۔ بلکہ بتلانے والے کا تصرف اس کے ساتھ شامل تھا اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تصرفات الہٰی سے کسی خائن اور کاذب کی بھی امداد ہوا کرتی ہے ۔ یقیناً یہ بات فطرۃ اللہ کے قطعاً خلاف ہے پس ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کا صحیح نکلنا ان کی صداقت پر اٹل دلیل کی حیثیت رکھتا ہے

(۱۱) مولوی کرم الدین صاحب نے مرزا صاحب کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا ایک دعویٰ گورداسپور کی عدالت میں دائر کیا ۔ بنائے دعویٰ مرزا صاحب کے یہ الفاظ تھے جو انہوں نے مولوی کرم الدین کے خلاف استعمال کئے تھے ۔ یعنی لئیم اور کذاب ۔ عدالت ابتدائی نے مرزا صاحب کو ملزم قرار دیتے ہوئے سزا دے دی ۔ لیکن مرزا صاحب کو اطلاع ملی ۔ "ہم نے تمہارے لئے لوہے کو نرم کر دیا ۔ ہم کسی اور معنے کو پسند نہیں کرتے ...... ان کی کوئی شہادت قبول نہیں کی جائے گی " اس کے بعد مرزا صاحب نے اپیل دائر کی جس پر صاحب ڈویژنل جج نے لکھا ۔ کہ کذاب اور لئیم کے الفاظ کرم الدین کے حسب حال ہیں ۔ چنانچہ مرزا صاحب کو بری کر دیا ؛

(۱۲) محولہ بالا مقدمہ کے مجسٹریٹ سماعت کنندہ مسٹر آتما رام کے متعلق مرزا صاحب

کو اطلاع ملی کہ آتمارام اپنی اولاد کے ماتم میں مبتلا ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ
بیس پچیس دن کے عرصہ میں یکے بعد دیگرے اس کے دو بیٹے وفات پا گئے ؛

(۱۴۳) اپریل ۱۹۰۵ء میں آپ کو اطلاع ملی کہ

"زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار"

یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ زار اپنی پوری قوت اور طاقت کے ساتھ روس
کے کروڑ ہا بندگانِ خدا پر خود مختارانہ حکومت کر رہا تھا۔ لیکن چند ہی سال بعد
انقلابِ روس کے موقعہ پر بالشویکوں کے ہاتھ سے زارِ روس کی جو گت بنی
وہ نہایت ہی عبرت انگیز ہے ؛

دنیا کا سب سے بڑا خود مختار بادشاہ پائے بجولاں ہے اس کے خاندان
کے تمام ارکان پابندِ سلاسل ہیں۔ اور باغی اپنی سنگینوں اور بندوقوں سے
خاندان شاہی کے ایک ایک رکن کو ہلاک کرتے ہیں۔ جب زار کے تمام بچوں اور بیوی
کو باغی تڑپا تڑپا کر مار چکتے ہیں تو زار کو نہایت بیرحمانہ طریق پر قتل کر دیتے ہیں ؛

(۱۴۴) ۱۸۷۷ء کی بات ہے کہ مرزا صاحب نے عالم رؤیا میں دیکھا کہ رلیا رام
وکیل نے ایک سانپ میرے کاٹنے کے لئے مجھے بھیجا ہے اور میں نے اُسے
مچھلی کی طرح تل کر واپس کر دیا ہے۔ اس رؤیا کے بعد مرزا صاحب نے رلیا رام
وکیل کے اخبار میں چھپنے کے لئے ایک مضمون بھیجا اور اس پیکٹ میں ایک خط
بھی رکھ دیا (مرزا صاحب کو یہ علم نہ تھا۔ کہ پیکٹ میں خط رکھنا قانون ڈاکخانہ
کی رُو سے جرم ہے) رلیا رام وکیل جانتا تھا کہ مرزا صاحب کا یہ فعل قانونی
طور پر جرم ہے۔ اور اس کی سزا پانچصد روپیہ جرمانہ اور چھ ماہ قید ہے۔

رلیارام نے اس خط کی مخبری کر دی۔ جس پر افسران ڈاک نے مرزا صاحب پر مقدمہ چلا دیا۔ عدالت گورداسپور سے طلبی ہوئی۔ مرزا صاحب نے وکیلوں سے مشورہ کیا۔ تو ان سب نے یہی کہا کہ سوائے جھوٹ بولنے کے کوئی چارہ نہیں ہے لیکن مرزا صاحب نے جھوٹ بولنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ عدالت میں اقبال کیا۔ کہ یہ میرا خط ہے۔ پیکٹ بھی میرا ہے میں نے اس خط کو پیکٹ کے اندر رکھ کر روانہ کیا تھا۔ مگر میں نے بدنیتی سے یہ کام نہیں کیا۔ افسر ڈاک خانہ نے جو مدعی تھا مرزا صاحب کو پھنسانے کی بہتیری کوشش کی لیکن اس کے دلائل کا عدالت پر کچھ اثر نہ ہوا چنانچہ عدالت نے مرزا صاحب کو بری کر دیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عرصہ پہلے رلیارام کا سانپ بھیجنا اور مرزا صاحب کا تلی ہوئی مچھلی لوٹانا اور پھر اس مقدمہ کا رلیارام کے ہاتھ سے ہی شروع ہونا اور مرزا صاحب کا باعزت طریق پر بری ہونا اپنے اندر کیسی سبق رکھتا ہے۔ یہ نہیں سکتا۔ کہ کوئی شخص اٹکل پچو طریق پر ایسی پیشگوئی کر دے جو حرف بحرف پوری ہو کر رہے ٭

چشم بصیرت رکھنے والے لوگوں کے لئے ان پیشگوئیوں کی صداقت میں شبہ کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض لوگ کیوں مرزا دشمنی میں اپنے آپ کو مبتلا کر رہے ہیں۔ اور ایسے شواہد کی جانب سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔ جن کی تکذیب محال ہے۔ علمائے اسلام سے مؤدبانہ التماس ہے۔ کہ وہ بتلائیں۔ کہ کئی کئی سال پہلے ہونہ کی باتیں کہہ دینا سوائے تائید خداوندی کے کسی اور صورت میں بھی ممکن ہے۔ اگر نہیں تو ایک ایسے آدمی کی تکفیر کرنا از روئے اسلام کہاں تک جائز ہے ٭

(۱۵) ۱۸۸۳ء میں مرزا صاحب کو یہ خبر تواتر کے ساتھ دی گئی۔ کہ

"میں تمہاری مدد کروں گا"

اب دیکھنے والے یہ دیکھتے ہیں اور جاننے والے یہ جانتے ہیں کہ عیسائیوں نے بلکہ خود مسلمانوں نے آپ کے خلاف کئی مقدمے کھڑے کئے اور ہر مقدمہ میں بالآخر مرزا صاحب کو ہی فتح اور کامرانی حاصل ہوئی۔ سلسلہ احمدیہ کے مٹانے اور درہم برہم کرنے کے لئے چاروں طرف سے حملے کئے گئے۔ مگر یہ امر واقعہ ہے کہ احمدیت بڑے زور سے ترقی کرتی رہی اور کر رہی ہے ؛

جن دنوں میں محولہ بالا پیشگوئی کی گئی۔ ان دنوں میں مرزا صاحب کے پیروؤں کی تعداد شاید انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔ لیکن آج یہ حالت ہے کہ ہندوستان کا شاید ہی کوئی ایسا شہر ہوگا۔ جس میں مرزائیت روز افزوں ترقی نہ کر رہی ہو۔ اور اصرار کی شدید ترین مخالفت کے باوجود مرزائیت پھیلتی جا رہی ہے ؛

(۱۶) ۱۸۹۱ء میں آپ کو اطلاع ملی۔ کہ

"میں تجھے زمین کے کناروں تک عزت کے ساتھ شہرت دونگا اور تیرا ذکر بلند کر دوں گا"

اس وقت بظاہر اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے کوئی اسباب موجود نہ تھے لیکن ہم حیرت سے دیکھتے ہیں۔ کہ اس بے کسی کے عالم میں کی ہوئی پیشگوئی آج حرف بحرف پوری ہو رہی ہے۔ اور مرزائیت دنیا کے دور و دراز ممالک میں پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ یورپ کے تقریباً تمام ممالک میں مرزائی مبلغ پہنچ چکے ہیں اور

بڑے بڑے لوگ مرزائیت کے حلقہ بگوش بن رہے ہیں - اگرچہ یہ باتیں بادی النظر میں معمولی معلوم ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیکسی اور بے بسی کے عالم میں ایک شخص کا اتنا بڑا دعوےٰ کر دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے اُس وقت کون جانتا تھا - کہ چند سال بعد ہی مرزائیوں میں اتنی قوت و طاقت پیدا ہو جائے گی - کہ وہ لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ سے اپنے مبلغ بلادِ یورپ میں بھجوا دیں گے اور پھر کون سمجھ سکتا تھا - کہ بڑے بڑے لارڈ مرزائیت کو قبول کر لیں گے - یہ تمام باتیں دُور از فہم تھیں - جو آج بڑی حد تک پُوری ہو چکی ہیں - اور آثار و قرائن بتلاتے ہیں - کہ بہت جلد یہ پیشگوئی حرف بحرف پُوری ہو کر رہے گی ؛

ان حالات کے مطالعہ سے فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے - کہ آخر وہ کون سی طاقت ہے جو کئی کئی سال پہلے ایک ایسی بات مُنہ سے نکلوا دیتی ہے جو آخر کار پُوری ہو کر رہتی ہے - کاش اہلِ خرد سوچیں اور علمائے اسلام دلائل عقلی سے ثابت کریں - کہ کیوں کر ایک کاذب ایسی ٹھکانے کی بات کہہ سکتا ہے اور پُوری کمزوری کے عالم میں کس طرح ایک مفتری کو یہ جرأت ہو سکتی ہے - کہ وہ نہایت بلند آہنگی سے اعلان کرے - کہ اُسے عزت اور غلبہ حاصل ہو گا ؛

ہم مان لیتے ہیں - کہ ایک خدا کا خوف نہ رکھنے والا انسان اتنا بڑا طوفان باندھ سکتا ہے - لیکن کیا خدائے تعالےٰ کی یہ عادت ہے - کہ وہ مفتریوں اور خائنوں کی تائید اور حمایت کرے - کیا خدائے تعالےٰ

کذب اور زُور کی بھی سرپرستی کیا کرتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس ثابت ہُوا۔ کہ مرزا صاحب کے دعاوی اور پیشگوئیاں وضعی اور جعلی نہ تھیں بلکہ وہ خدا کی طرف سے تھیں ٭

(۱۷) نواب محمد علی خاں آف مالیر کوٹلہ کی بیوی اچھی تندرست تھیں۔ کہ مرزا صاحب کو ان کی وفات کی اطلاع ملی ۔ اور اسکے ساتھ ہی دکھلایا گیا کہ

"دردناک دُکھ اور دردناک واقعہ"

اس کی اطلاع نواب صاحب کو دی گئی۔ خدا کی قدرت کوئی چھ ماہ بعد بیگم صاحبہ کو سِل کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ اور آپ کچھ عرصہ بعد وفات پا گئیں ٭

ظاہر ہے کہ سِل کا مرض نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے اور اس مرض کا مریض دردناک دکھ میں مبتلا ہو کر راہئی ملک عدم ہوتا ہے۔

بیگم صاحبہ کی صحت کی حالت میں اس قسم کی اطلاع کی اشاعت یقینِ کامل کے بغیر ناممکن ہے۔ اور یقین کامل خدا پر مضبوط ایمان اور اس کی جانب سے حتمی اطلاع کے بغیر محال ہے۔ ان تمام واقعات سے یہ امر سورج کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ مرزا صاحب کو مشرح صدر حاصل تھا۔ اور آپ کو مکالمہ و مکاشفہ کا شرف حاصل تھا ٭

کون بدبخت کہہ سکتا ہے۔ کہ خدا پر جھوٹ باندھنے والا بھی دنیا میں کامیاب و بامراد ہو سکتا ہے اور اس کا سلسلہ روز افزوں ترقی کر سکتا ہے سلسلہ احمدیہ کی مسلسل ترقیاں اور اس جماعت کی پیہم کامیابیاں اس امر کی روشن دلیل ہیں۔ کہ نصرت الٰہی ان

کے ساتھ ہے ۔ خود مرزا صاحب نے فرمایا ہے ۔ کہ ؎

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولا سے گندوں کو

کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

محولہ بالا شعر ہی بتاتا ہے ۔ کہ مرزا صاحب کو خدائے تعالےٰ پر کامل توکل اور پورا بھروسہ تھا ورنہ جس کی طبیعت کے اندر گندگی اور پلیدگی ہو ۔ اُسے کیونکر جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ اعلان کرے ۔ کہ نصرت الٰہی گندوں کے لئے نہیں ۔ بلکہ پاک بازوں کے لئے ہے ؀

الغرض اس قسم کی بیسیوں پیشگوئیاں ہیں جو پوری ہوئیں ۔ اور جن کے اندر عظیم الشان نشانات موجود ہیں ۔ ان واقعات کے متعلق اس امر کا اقرار ناگزیر ہے ۔ کہ مرزا صاحب کو ضرور اللہ تعالےٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل تھا ؟"

آخر میں ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ "احمدیہ تحریک" پر "تبصرہ" کے قارئین کرام کی اپنے فضل سے خود رہنمائی فرمائے اور انہیں دین و دنیا میں برکت دے ۔

ہماری یہ بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی ملک جعفر خاں صاحب کو بھی توفیق دے ۔ کہ وہ احمدیت کے متعلق پوری بصیرت کے ساتھ اپنے نظریات میں نظر ثانی فرمائیں ۔ خدا تعالےٰ احمدیت کے متعلق انکو انشراح صدر عطا فرمائے اللھم آمین

و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

تتمہ کتاب "احمدیہ تحریک" پر تبصرہ

کتاب کی آخری کاپیاں چھپ جانے کے بعد یہ بات ہمارے علم میں آئی ہے کہ ایک ضروری بات کا جواب دینا سہواً رہ گیا ہے۔ لہذا بطور تتمۂ کتاب وہ جواب عرض کیا جاتا ہے۔

ملک صاحب موصوف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸۱ پر لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب نے قرآن کی تفسیر میں ابجد کے لحاظ سے حروف کی قیمتوں سے بھی استفادہ کیا ہے (حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں لغت اور عقلِ سلیم کے سوا دیگر کوئی ذریعہ نہیں چھوڑا گیا)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ ملک صاحب کی عقلِ سلیم پر ابجد کی قیمتوں کے ذریعہ کسی الہامی کلام سے کسی پیشگوئی کا استنباط کیا جانا سخت دوبھر ہے۔ حضرت اقدس نے آیت قرآنیہ وَاِنَّا عَلٰی ذَھَابٍ بِہٖ لَقٰدِرُوْنَ سے بحساب ابجد ۱۲۷۴ھ ہجری کا استنباط کیا ہے اور اس زمانہ کو "اسلام کے ضعف کی ابتدا قرار دے کر مسیح موعود کے ظہور کے لئے قرآنی پیشگوئی میں چودھویں برس تک مدت ٹھہراتی ہے۔ اور اپنے الہامی نام غلام احمد قادیانی سے ۱۳۰۰ھ ہجری میں اس بات کے لئے اشارہ قرار دیا ہے۔

ملک صاحب اس قسم کے استنباط کو عقلِ سلیم کے خلاف قرار دیتے ہیں مگر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اس قسم کے استنباط میں منفرد نہیں۔ بلکہ علمائے

اسلام اور بزرگانِ ملّتِ اسلامیہ نے حضرتِ اقدس سے پہلے اس قسم کے استنباط سے بارہا استفادہ کیا ہے۔

چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۹۶ میں سورۃ بقرہ کی تفسیر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے جلیل القدر صحابی کے متعلق لکھا ہے۔ کہ آپ نے حٰمعسق سے معاویہ کے واقعہ کی پیشگوئی نکالی۔

پھر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے جو اپنے زمانہ کے مجدد تھے۔ امام مہدی کے متعلق اپنے الہام چراغ دین نام سے ۱۲۶۸ھ اعداد نکال کر مہدی کے ظہور کے لئے پیشگوئی بیان فرمائی ہے۔ (دیکھئے حجج الکرامہ مصنفہ نواب صدیق حسن خاں)

علاوہ ازیں تفسیر قنوی علی البیضاوی جلد اول صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے:۔

"علامہ جونی نے کہا ہے کہ بعض آئمہ نے الٓمٓ غلبت الروم۔ کے حروف سے ابجدی حساب سے ۵۸۳ھ ہجری میں فتح بیت المقدس کی پیشگوئی نکالی۔ چنانچہ اسی طرح وقوع میں آیا۔

"علامہ سہیلی نے کہا ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں کی ابتدا میں جو حروفِ مقطعات آتے ہیں ان میں سے جو مکرر آئے ہیں۔ ان کو حذف کر دیا جائے تو بقیہ حروفِ ابجد کے حساب سے جو عدد نکلتا ہے اس میں اشارہ ہے۔ کہ اتنی مدت اُمتِ محمدیہ باقی رہے گی"

اس پر مصنف قنوی کہتا ہے کہ

"زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے۔ کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بعد دنیا کے باقی رہنے کی طرف

اشارہ ہے۔ (ترجمہ از عربی)

تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ ۱۳۱ ۲۳ میں ہے :۔

بعض علماء نے حروفِ مقطعات کے معانی بیان کئے ہیں۔ اور منجملہ دیگر معانی کے ابو العالیہ وغیرہ مفسرین نے ایک یہ معنی بھی کئے ہیں۔ کہ ان میں حسابِ جُمّل (ابجد) کے اعداد کے لحاظ سے بعض اقوام کے بقا اور بعض کی تباہی کی مدت کی پیشگوئیاں بیان کی گئی ہیں۔

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ ابو العالیہ علامہ قنوی اور سہیلی جیسے آئمہ مفسرین نے حساب جُمّل (ابجد) کے ذریعے الہامات سے پیشگوئیاں اخذ کرنے کا طریق اختیار کیا ہے۔

پس جب ان بزرگانِ دین کی عقلِ سلیم اس طریق استنباط کو درست تسلیم کرتی رہی ہے۔ تو انہی کے طریق پر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا اپنے متعلق بعض الہاماتِ الٰہیہ سے ابجد کے اعداد کے حساب سے پیشگوئی اخذ کرنا عقلِ سلیم کے خلاف نہیں۔ حضرت اقدسؑ کے یہ دلائل انہیں کیلئے ہیں جنکی عقلِ سلیم اس قسم کا ذوق رکھتی ہے۔ ملک صاحب ہر جگہ اپنی عقل کو ہی پیمانہ بناتے ہیں۔ حالانکہ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ کے اصول کے ماتحت بزرگوں کا طریق بھی اکثر فائدہ بخش ہوتا ہے۔

ملک صاحب نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں جماعت احمدیہ کے علماء اور کارکنوں کو منافقت کی زندگی بسر کرنے والا قرار دیا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب میں اُن کی اس بات کا عمداً کوئی جواب نہیں دیا۔ کیونکہ ہم ایسے

ریمارکس کو ایک قسم کی گالی تصور کرتے ہیں۔ اس لئے اس کا جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اور محترم ملک صاحب کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ انہیں ہمارے تبصرہ کو اسی جذبۂ محبت کے ساتھ پڑھنے کی توفیق دے۔ جس محبت اور ہمدردی اور ان کی سچی خیر خواہی سے ہم نے یہ تبصرہ لکھا ہے۔ کیونکہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہی ہدایت ہے

؎

گالیاں سن کر دعا دو پا کے دکھ آرام دو

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

احمدیت اور اسلام

کے متعلق

ہر قسم کی معلومات اور لٹریچر حاصل کرنے کے لئے

ذیل کے پتہ پر لکھیئے

نظارت اصلاح و ارشاد ربوہ ضلع جھنگ

مطبع ضیاء الاسلام (ربوہ) الناشر مہتمم نشر و اشاعت نظارت اصلاح و ارشاد ربوہ